تذکیراتِ جمعہ

خزائنِ علمیہ، براہینِ قاطعہ اور خطباتِ نادرہ کا ایک حسین مجموعہ
علماء، خطباء اور عوام سبھی کے لئے یکساں مفید۔

- سورۂ جمعہ کے دوسرے رکوع کی تفسیر
- نماز جمعہ اور خطبے سے متعلق چند غلط فہمیوں کا ازالہ
- جمعہ کے عربی خطبوں کا خلاصہ
- خطبہ میں خلفاء راشدین کا ذکر کیوں؟
- عدل کے تقاضے
- احسان کسے کہتے ہیں؟
- عزیز و اقارب کے حقوق ادا کریں
- فواحش اور منکرات سے بچیں
- علم کے بعد عمل ضروری ہے
- عید کا پیغام
- جمعہ اور عیدین کے آداب و احکام
- جمعہ اور عیدین کے عربی خطبات

افادات
مفسرِ قرآن فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی شاہ محمد نوال الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم
شیخ الحدیث دار العلوم شکاگو و بانی رحمتِ عالم فاؤنڈیشن

خزائنِ علمیہ، براہینِ قاطعہ اور خطباتِ نادرہ کا ایک حسین مجموعہ،
علماء، خطباء اور عوام سبھی کے لئے یکساں مفید۔

- سورۂ جمعہ کے دوسرے رکوع کی تفسیر
- نماز جمعہ اور خطبے سے متعلق چند غلط فہمیوں کا ازالہ
- جمعہ کے عربی خطبوں کا خلاصہ
- خطبہ میں خلفاء راشدین کا ذکر کیوں؟
- عدل کے تقاضے
- احسان کسے کہتے ہیں؟
- عزیز و اقارب کے حقوق ادا کریں
- فواحش اور منکرات سے بچیں
- علم کے بعد عمل ضروری ہے
- عید کا پیغام
- جمعہ اور عیدین کے آداب و احکام
- جمعہ، عیدین، نکاح اور استسقاء کے عربی خطبات

جلد اوّل

افادات

مفسرِ قرآن فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی شاہ محمد نوال الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم

شیخ الحدیث دارالعلوم شکاگو و بانی رحمت عالم فاؤنڈیشن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلاتِ کتاب

نام کتاب	:	تذکیراتِ جمعہ
زیرِ سرپرستی	:	پیرِ طریقت رہبر شریعت عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمن صاحب دامت برکاتہم
افادات	:	مفسرِ قرآن فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی شاہ محمد نوال الرحمن صاحب دامت برکاتہم
زیرِ اہتمام	:	رحمتِ عالم فاؤنڈیشن (شکاگو، امریکہ)
ناشر	:	شریعہ بورڈ آف انڈیا (حیدرآباد)
تعداد	:	۱۰۰۰
صفحات	:	۲۳۴
سن طباعت	:	شعبان المعظم ۱۴۳۷ھ مطابق مئی ۲۰۱۶ء
قیمت		۱۸۰

ملنے کے پتے

آستانۂ صوفی، یوسف نگر، ٹپہ چبوترہ، حیدرآباد، فون نمبر: 09989478786

شریعہ بورڈ آف انڈیا، رضوان کالونی، شاستری پورم، حیدرآباد:040-32925556-

مکتبہ کلیمیہ ناپلی، یوسفین چوراہا۔09885655591

زم زم بکڈپو روبرو جامع مسجد ملے پلی، حیدرآباد۔

ہندوستان پیپر ایمپوریم، مچھلی کمان حیدرآباد۔

دکن ٹریڈرس چارمینار حیدرآباد۔

Rahmat-e-Alam Foundation
7045 N Western Avenue, Chicago, IL 60645
Phone No: (773)764-8274

فہرست عناوین:	صفحہ نمبر:

نمازِ جمعہ اور خطبہ سے متعلق چند غلط فہمیوں کا ازالہ:

خطبہ میں خلفاءِ راشدین کا ذکر کیوں؟

عدل کے تقاضے:

علم کے بعد عمل ضروری ہے

❊ ❊ ❊

کلماتِ بابرکات

مفسرِ قرآن عارف باللہ حضرت مولاناشاہ محمد کمال الرحمن صاحب دامت برکاتہم

الحمدلاھلہ والصلاۃ والسلام علی اھلھا۔امابعد!

کتاب موسوم بہ ''تذکیراتِ جمعہ'' کہ چیدہ چیدہ گوشے باصرہ نواز ہوئے،بڑی فرحت محسوس ہوئی،''تذکیرات جمعہ'' در اصل برادر مکرم مفتی محمد نوال الرحمن عم اللہ ظلہ کے خطبات جمعہ کے علمی خزائن ونوادرات کا حسین سنگم ہے،جس میں تقریباً۲۶۹/ ذیلی عناوین کے تحت جمعہ اور خطبۂ جمعہ کے احکام و فضائل اور ان کے نہایت اہم متعلقات،بہ اہتمامِ تخریج دلنشین پیرائے میں جمع ہیں،برادرِ محترم دقیقہ رس ہیں،اللہ جل شانہ نے انہیں دینی فراست، فقہی بصیرت اور فکری ارتقاء سے خوب نوازاہے،اس لئے یہ کہاجاسکتاہے کہ کتاب باعتبار استناد و اعتماد خود ہی اپنی ضمانت کی حامل ہے،اور اپنی اہمیت وضرورت کی بناء پر عوام و خواص ہر دو کے لئے مفید ترہے،نیز قابل تحسین ہیں اس کتاب کے مرتب عزیزم مفتی محمد عطاء الرحمن ساجد سلمہ اور وہ تمام بھی جو طباعت کے آخری مرحلہ تک شریک معاونت رہے،اللہ جل شانہ ان سب کی مخلصانہ کاوشوں کو قبول فرمائے،اس کتاب کی نافعیت کو عام وتام فرمائے،اور کماحقہ اس استفادہ اور عملی طور پر جامہ پوشی مقدر فرمائے۔

ع ایں دعااز من واز جملہ جہاں آمین باد۔

۷/۷/۱۴۳۷ھ

دعائیہ کلمات
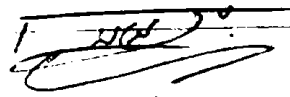
پیرِ طریقت رہبر شریعت حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمن صاحب دامت برکاتہم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم، وبعد۔

جمعہ ایک ایسا موقع ہوتا ہے جس میں عامۃ المسلمین بڑے اہتمام سے جمع ہوتے ہیں، ایسے موقع پر ضروریاتِ دین، مسائل و احکام، زندگی کے ہر شعبے میں دینی رہنمائی اور قرآن و سنت سے لوگوں کو آگاہ کرنے کا ایک بہترین موقع میسر آتا ہے، ایسے موقع پر اکثر جگہ تو صرف عربی میں خطبہ ہوتا ہے، اور بیشتر جگہوں پر عربی سے نا آشنا لوگ ہی بکثرت پائے جاتے ہیں، جس کی وجہ سے خطبۂ عربی کے ذریعہ کسی پیغام حق سے باخبر نہیں ہوتے، بہت سی جگہوں پر عربی خطبہ سے پہلے اردو میں کچھ خطاب ہوتا ہے، اور زیادہ تر ایسا ہی ہوتا ہے، جس میں حالاتِ حاضرہ ،لوگوں کے اذہان اور ان کے احوال کو سامنے رکھتے ہوئے گفتگو نہیں کی جاتی، اہلِ حق علماء امت کی صحیح رہنمائی کی فکر رکھنے والے اہل علم اور عوام میں پائی جانے والی خرابیوں کی اصلاح اور درستی کی اہمیت سمجھنے والے خطباء اس خصوصی موقع سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک عظیم خدمت انجام دے رہے ہیں، انہیں میں ایک مفتی محمد نوال الرحمٰن مدظلہ العالی ہیں، جن کی فقہی بصیرت، اہل زمانہ پر گہری نظر، لوگوں کے مختلف شعبہ جات میں پائی جانے والی خرابیوں اور اس پر فتن دور میں اعتقادی فکری بگاڑ کو خوب سمجھنے کی صلاحیت سے واقف ہیں، موصوف محترم کے جو جمعہ کے خطبات عزیزم مفتی عطاء الرحمن ساجد سلمہ کو مہیا ہوسکے اس کی جلد اول ”تذکیراتِ جمعہ“ کے نام سے مرتب فرمائی، جو تقریبا سوا دو سو صفحات پر مشتمل ہے، جس میں

سورۂ جمعہ کے دوسرے رکوع کی تفسیر، جمعہ کے احکام و فضائل، موجودہ دور میں خطبۂ جمعہ وغیرہ کے بارے میں نقل شرعی کے مقابلہ میں عقل کو ترجیح دینے والوں کی آراء کا ابطال، خلفاءِ اربعہ وغیرہ کے فضائل و مناقب، خطبہ کے اخیر میں پڑھی جانے والی آیت کی وضاحت، عربی خطبہ جمعہ و عیدین وغیرہ، الغرض بہت سے اہم امور پر کافی وافی روشنی ڈالی گئی۔

ویسے اس کتاب کا ابتدائی کچھ حصہ ہی دیکھ سکا، لیکن اندازہ ہوا کہ اتنی مفصل گفتگو ایک جگہ پر بہت کم دیکھنے کو ملتی ہے، دیگر موصوف محترم کے سابقہ کتب درس قرآن کے عنوان سے تین کتابیں اور درسِ عقیدۃ الطحاوی جس طرح گرانقدر اور مفید ترین ثابت ہوئیں، اسی طرح یہ کتاب بھی اپنی افادیت کے اعتبار سے بڑی وقیع کتاب ہے، عوام و خواص سب کے لئے انشاء اللہ مفید ثابت ہوگی، لائقِ ستائش ہے عزیزم ساجد سلمہ اور ان کے اعوان جنہوں نے یہ قابل قدر کوشش کی ہے، اللہ تعالیٰ اس کی اشاعت کو قبول فرمائے، اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

۲۸/۵/۳۷ھ

عرضِ مرتّب:

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

محترمی و معظمی، مخدومی و مطاعی، مشفقی و مربی والدِ محترم حضرت مولانا مفتی شاہ محمد نوال الرحمن صاحب دام ظلہم العالی کی شخصیتِ مبارکہ محتاجِ تعارف نہیں، اللہ پاک نے حضرت کو علومِ ظاہرہ اور علومِ باطنہ دونوں میں ممتاز مقام سے نوازا ہے، ایک طرف آپ شیخ الحدیث ہیں تو دوسری طرف پیرِ طریقت بھی ہیں، ایک طرف طالبانِ علوم نبوت آپ کے درس و تدریس اور بحرِ علم سے اپنی علمی پیاس بجھاتے ہیں تو دوسری طرف احسان و تصوف اور اصلاحِ باطن کے لئے سالکین آپ سے روحانی فیض بھی پاتے ہیں، نیز دعوت و تبلیغ کے ساتھی بھی حضرت کے مواعظ کے بے چینی سے منتظر رہتے ہیں۔ اور یہ اللہ پاک کا حضرت پر بے انتہاء فضل و کرم اور اللہ پاک کی خصوصی دین اور رحمت ہے کہ درس و تدریس، اصلاح باطن کی مجالس، کئی اداروں کی ذمہ داریاں اور اصلاحِ معاشرہ اور دعوت و تبلیغ سے متعلق اسفار کی کثرت کے باوجود تقریبا ۳۵ سال سے حضرت کا چہل روزہ دعوتی سفر کبھی ترک نہیں ہوا، گویا تعلیم، تزکیہ اور تبلیغ کے لئے اللہ پاک نے ہمیں آپ کی شکل میں ایک بہترین تحفہ عطا فرمایا ہے، آپ کے مواعظ و خطبات کی اہمیت اور اس کی لذت و مٹھاس کا صحیح اندازہ وہی کرسکتے ہیں جو اس میخانہ سے جامِ شرابِ محبت نوش کرچکے ہوں۔

اس سے قبل حضرت کے دروسِ قرآن سورۂ فاتحہ، سورۂ رحمن اور آیۃ الکرسی اور درسِ عقیدۃ الطحاوی زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آچکے ہیں، اور قارئین اس کو پڑھنے کے بعد جان گئے ہوں گے کہ حضرت کے دروس و مواعظ علوم و معارف سے لبریز اور کتنی اہمیت کے حامل اور کتنے دلکش اور دل موہ ہوتے ہیں؟

زیرِ نظر کتاب ''تذکیراتِ جمعہ'' (جلد اول) بھی دراصل حضرت کے خطباتِ جمعہ کا مجموعہ ہے جس سے سینکڑوں کی تعداد میں عوام اور خواص بذریعہ انٹرنیٹ مستفید ہورہے ہیں۔

ضرورت تھی اور عوام وخواص کا اصرار تھا کہ انہیں بھی زیور طبع سے آراستہ کیا جائے، تاکہ حضرت کے علوم کی خوب نشر و اشاعت ہو اور عوام وخواص زیادہ سے زیادہ مستفید ہوں، اور خطیب حضرات کے لئے بھی ایک مستند اور محقق مواد مل جائے۔ چنانچہ اس کام کی ذمہ داری حضرت ہی کی سرپرستی میں چلنے والے ایک ادارہ شریعہ بورڈ آف انڈیا کے سپرد کی گئی۔

چنانچہ اس مجموعے کو ترتیب دینے میں چند باتیں مد نظر رکھی گئیں:

(۱) پہلی جلد میں بالخصوص جمعہ سے متعلق ہی حضرت کے افادات کو جمع کیا گیا ہے، اور کوشش کی گئی ہے کہ مختصر، اور منظم انداز میں ان افادات کو قارئین کی نذر کیا جائے۔

(۲) قرآنی آیات ، احادیثِ مبارکہ، واقعات و تفاسیر کی المکتبۃ الشاملۃ کے ذریعے حتی الامکان تخریج کی گئی۔ اور بالخصوص نصوص کے عربی متن کو بھی نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا۔

(۳) عربی عبارات پر اعراب کا اہتمام کیا گیا۔

(۴) ربط وترتیب کا اہتمام کیا گیا۔

(۵) تصحیحِ املاء کی بھی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے۔

(٦) ممکنہ طور پر تحریری قالب میں ڈھالنے کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ ان خطبات کا انداز خطابی بھی رہے ، تاکہ قارئین ایک طرف حضرت والا کے خطابی انداز سے محظوظ ہوں تو دوسری طرف الہامی کلمات کی برکت سے بھی مستفید ہوں۔

(۷) موضوع سے متعلق عوام کی استعداد کے مطابق مواد باقی رکھا گیا۔

(۸) کہیں کہیں حضرت کے ایماء پر موضوع سے متعلق کچھ مواد کا اضافہ کیا گیا۔

(۹) چونکہ اس مجموعہ میں جمعہ ہی سے متعلق مواد باقی رکھا گیا، اس لئے بحکمِ حضرت جمعہ اور خطبہ کے فضائل، ارکان، شرائط، سنن، مستحبات، آداب، اور مکروہات سے متعلق ضروری مواد، اور اخیر میں خطبات جمعہ وعیدین بھی قارئین کی نظر کئے گئے۔

چونکہ یہ ایک بشری کاوش ہے، جس میں لغزش وخطا کا امکان بہر صورت باقی ہے، اس لئے اہل علم سے درخواست ہے کہ اگر اس میں کوئی بات قابلِ اصلاح نظر آئے تو اس کو احقر کی کوتاہ دستی اور نااہلی سمجھیں، اور احقر کو معذور سمجھ کر اس کی نشاندہی فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

اس موقع پر راقم الحروف شریعہ بورڈ آف انڈیا کے اسٹاف میں سے برادرِ محترم مفتی محمد حمید الرحمٰن حامد صاحب قاسمی، مفتی احمد عبد الرؤف صاحب قاسمی، اور مولانا عتیق الرحمن صاحب فاروقی کا بے حد ممنون ومشکور ہے کہ جن کا تصحیح وپروف ریڈنگ اور اہم مشوروں کے ذریعہ قابلِ قدر تعاون شامل رہا، نیز محترم جناب سید نذیر احمد صاحب قادری کا بھی بے حد ممنون ہے کہ اُنہوں نے کمپوزنگ اور کتاب کی زیب وزینت کے تمام مراحل بحسن وخوبی انجام دئے۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس موقع پر محترم جناب عارف اقبال صاحب (مقیم شکاگو) کا شکریہ ادا نہ کیا جائے کہ جنھوں نے سفر وحضر میں حضرت کے تقریباً سبھی خطبات کو تواریخ کے ساتھ ریکارڈ کیا، اور اس مجموعہ کو کتابی شکل دینے میں مفید مشوروں سے نوازا۔

اور اخیر میں برادر کلاں مفتی محمد رضاء الرحمن عابد قاسمی سابق ناظم شریعہ بورڈ آف انڈیا کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے، احقر اگرچہ کہ اب ان کی رفاقت میں نہیں ہے لیکن دورانِ رفاقت ان خطبات کی ترتیب اور دیگر امور میں آپ کا خاصا تعاون شامل رہا۔

دعا ہے کہ اللہ پاک حضرت کا سایہ تادیر ہم پر قائم رکھے، اور حضرت کو صحت عطا فرمائے، اور حضرت کے ان خطبات کو عوام وخواص ہر دو کے لئے مفید بنا کر شرفِ قبولیت سے نوازے، اور زیادہ سے زیادہ حضرت کے علوم ومعارف کی اشاعت کی ہم کو توفیق نصیب فرمائے، اور ہم سب کے لیے ذخیرۂ آخرت اور ذریعۂ نجات بنائے۔ (آمین) مفتی محمد عطاء الرحمن ساجد قاسمی

(مرتب وناظم: شریعہ بورڈ آف انڈیا)

❋❋❋

سورۂ جمعہ کے دوسرے رکوع کی تفسیر

افادات: حضرت مفتی شاہ محمد نوال الرحمن صاحب دامت برکاتہم

ترتیب و تخریج: مفتی محمد عطاء الرحمن ساجد قاسمی

بمقام شریعہ بورڈ آف امریکہ، ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ۔

ناشر: شریعہ بورڈ آف انڈیا۔

سورۂ جمعہ کے دوسرے رکوع کی تفسیر:

نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَاوَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلیَّ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَعَلیٰ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ۔

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

”یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلَاۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلیٰ ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔

”اے ایمان والو جب جمعہ کے روز نماز (جمعہ) کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز وخطبہ) کی طرف (فوراً) چل پڑا کرو اور خرید و فروخت (اور اسی طرح دوسرے مشاغل جو چلنے سے مانع ہوں) چھوڑ دیا کرو۔ یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم کو کچھ سمجھ ہو (کیونکہ اس کا نفع باقی ہے اور بیع وغیرہ کا فانی)“

سورۂ جمعہ کے رکوع، آیات، کلمات اور حروف کی تعداد:

یہ سورۂ جمعہ کا دوسرا رکوع ہے، مدینۂ منورہ میں یہ سورت نازل ہوئی۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس میں ۲ر رکوع ہیں، ۱۱ آیتیں، ۷۲۰ حروف اور ۱۸۰ کلمات ہیں۔ (عمدۃ القاری: ۱۹/ ۲۳۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ میں سورۂ منافقون اور سورۂ جمعہ کی تلاوت فرماتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۸/ ۱۱۵)

اوراس کے علاوہ سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الغاشیہ بھی پڑھا کرتے تھے۔(تفسیر قرطبی:۸۶/۱۸)

یومِ جمعہ کی وجہ تسمیہ:

اس سورت میں اللہ پاک نے یومِ جمعہ سے متعلق چند احکام بیان فرمائے ہیں، پہلی بات یہ ہے اس دن کو یوم جمعہ کیوں کہا جاتا ہے؟ علماء نے لکھا ہے کہ اس کو یوم جمعہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ جمعہ کے معنیٰ ہیں، جمع ہونا، اکٹھا ہونا، چونکہ اس دن مسلمان ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور اکٹھے ہوتے ہیں اس لئے اس کو جمعہ کہا جاتا ہے، اہل عرب یوم جمعہ کو پہلے یوم العروبہ کہتے تھے، عروبہ کے معنیٰ رحمت کے یا بڑے دن کے آتے ہیں، بعد میں کعب ابن لوی نے اس دن کا نام جمعہ رکھا۔ یہ آپ ﷺ کے اجداد میں سے ہیں، ان کے درمیان اور آپ ﷺ کی بعثت کے درمیان ۵۶۰ سال کا وقفہ ہے، ان کے جمعہ نام رکھنے کی وجہ یہ بنی کہ اس دن قریش ان کے پاس جمع ہوتے تھے، وہ ان کو خطبہ دیتے تھے، اور وعظ و نصیحت کرتے تھے، اور آپ ﷺ کی بعثت کی خبر دیتے تھے، اور آپ پر ایمان لانے اور آپ کی اتباع کی تعلیم دیتے تھے، اس لئے اس دن کا نام انہوں نے جمعہ رکھا تھا۔ مفسرین نے اس کے علاوہ اور بھی وجوہات بیان کی ہیں کہ اس کو جمعہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس دن حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی جمع کی گئی تھی، یا اس وجہ سے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو اس دن زمین میں جمع کیا گیا تھا۔(روح المعانی:۲۱/۵و۷ وتفسیر مظہری:۲۷۸/۹)

جمعہ کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی؟

اب سوال یہ ہے کہ ہم جس طریقے پر باضابطہ جمعہ ادا کرتے ہیں، اس کی ابتداء کب ہوئی اور کس نے کی؟ مفسرین نے لکھا ہے کہ نبی ﷺ کے مدینہ آنے سے پہلے انصار نے ایک مرتبہ مشورہ کیا اور آپس میں کہنے لگے کہ یہودیوں کے ہاں عبادت کے لئے ہفتہ کا دن متعین ہے، جس میں وہ جمع ہوتے ہیں، نصاریٰ کے ہاں عبادت کا ایک دن اتوار متعین ہے جس میں وہ جمع ہوتے

ہیں، اس لئے ہمیں بھی ایک دن متعین کر کے اس میں جمع ہو کر اللہ کو یاد کرنا چاہیے، اور اس کا شکر بجالانا چاہیے۔

سب سے پہلے جمعہ کس نے اور کہاں ادا کیا؟

چنانچہ وہ سب اسعد بن زرارہ کے مکان پر جمع ہوئے، بکری ذبح کی، اور سب نے کھایا اور اللہ پاک کی بارگاہ میں دو رکعت نماز ادا کی۔ اور اس کو جمعہ کا نام دیا۔ یہ نماز ان لوگوں نے حضور ﷺ کے آنے سے پہلے ادا کی۔ اس کے بعد اللہ پاک نے یہ آیات مبارکہ نازل فرمائی۔ (روح المعانی:۲۱/۵)

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے جمعہ کے دن اسعد بن زرارہ نے لوگوں کو جمع کیا اور دو رکعت نماز ادا کی لیکن بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے جمعہ نماز مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے ادا کی، اس کی تفصیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے جمعہ کے لئے اذان دی لیکن لوگوں کو جمعہ کے لئے جمع نہیں کرپائے، تو آپ نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ جمعہ کے دن زوال کے وقت اپنی بیویوں اور اپنی اولاد کو جمع کرو، اور دو رکعت نماز ادا کر کے اللہ کا قرب حاصل کرو، تو انہوں نے آپ کے فرمان کے مطابق عمل کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے جمعہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے ادا کی۔

اس اختلاف کو دور کرتے ہوئے علماء نے لکھا ہے کہ در اصل اسعد بن زرارہ نے سب سے پہلے نماز ادا کی تو وہ نبی علیہ السلام کے حکم سے نہیں، بلکہ اپنی طرف سے ادا کی۔ اور اللہ کے نبی کے حکم سے سب سے پہلے جنہوں نے نماز ادا کی وہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ہیں۔

آپ ﷺ نے سب سے پہلا جمعہ کب اور کہاں ادا کیا؟

یہ نماز تو ان حضرات نے آپ ﷺ کے ہجرت کرنے سے قبل ادا کی تھی۔ اس میں آپ شریک نہیں تھے، بعد میں جب آپ مدینۂ منورہ ہجرت کر کے تشریف لا رہے تھے تو بنی عمرو بن

عوف کے پاس مقام قبا میں پیر کے دن آپ ٹھہرے، مسجد کی بنیاد رکھی، منگل، چہار شنبہ، اور جمعرات وہیں قیام کیا، اس کے بعد جمعہ کے دن آپ مدینۂ منورہ کے لئے روانہ ہوئے، درمیان میں جمعہ کا وقت ہوا تو بنو عمرو بن عوف کے پاس بطنِ وادی میں آپ ﷺ نے خطبہ دیکر نماز ادا کی۔ یہ اسلام کا سب سے پہلا جمعہ تھا جس میں آپ ﷺ نے بنفسِ نفیس خطبہ دیکر لوگوں کو نماز پڑھائی تھی۔ (روح المعانی: ۲۱/۷)

ندا سے کیا مراد ہے؟

یہ چند باتیں تو جمعہ کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی اس ضمن میں بیان کی گئیں، اس کے بعد جو آیاتِ مبارکہ میں نے خطبہ میں پڑھی ہے اور اس میں جو مضامین اور احکام اللہ پاک نے بیان فرمائے ہیں ان کی مختصر سی تشریح بھی سن لیں۔

اللہ پاک فرماتے ہیں:

”یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ“

”اے ایمان والو جب جمعہ کے روز نماز (جمعہ) کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز و خطبہ) کی طرف (فوراً) چل پڑا کرو۔

اس آیت میں اللہ پاک نے ایک حکم امت کے لئے یہ بیان فرمایا ہے کہ جب نماز کے لئے ندا دی جائے نماز کے لئے دوڑ پڑو، اس ندا سے کیا مراد ہے؟ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد اذان ہے۔

احکامِ جمعہ کونسی اذان سے متعلق ہیں؟

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اذان سے کونسی اذان مراد ہے؟ اور بیع وغیرہ کو چھوڑنے کا حکم کس اذان سے متعلق ہے؟ کیونکہ آپ ﷺ کے زمانے میں ایک ہی اذان ہوتی تھی جو نبی ﷺ کے منبر پر بیٹھنے کے بعد دی جاتی تھی، بعد میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دوسری اذان

شروع ہوئی، تو نماز کے لئے دوڑنے کا حکم اور بیع وشراء اور دیگر مشغولیات کو چھوڑنے کا حکم کس اذان سے متعلق ہے؟ علماء نے لکھا ہے کہ اس آیت میں پہلی اذان مراد ہے، اور یہ احکام پہلی اذان ہی کے ساتھ متعلق ہیں، یعنی پہلی اذان سنتے ہی مسجد کی تیاری کرنا ضروری ہے، اور جتنی مصروفیات نماز کے علاوہ ہیں ان کو ترک کرنا ضروری ہے، اور منبر پر جو اذان دی جاتی ہے وہ مراد نہیں ہے، کیونکہ آیتِ مبارکہ میں اللہ پاک نے فرمایا کہ جو ندا نماز کے اعلان کے لئے ہو اس کے سنتے ہی نماز کے لئے دوڑ پڑو، اور پہلی اذان ہی لوگوں کے اعلان کے لئے ہوتی ہے، اس لئے سعی الی اللہ اور دیگر احکام بھی اسی سے متعلق ہوں گے۔ اگر آیت میں وہ اذان مراد لی جائے جو منبر کے سامنے دی جاتی ہے تو اس اذان کے بعد لوگوں کا سارے معاملات چھوڑ کر جمعہ کے لئے حاضر ہونا مشکل ہو جائے گا، اور ان کے آنے تک خطبہ کے چھوٹ جائے گا، نیز نماز سے قبل کی جو سنتیں وہ بھی چھوٹ جائیں گی، اس لئے علماء نے لکھا ہے صحیح قول یہی ہے کہ آیت میں پہلی اذان مراد ہے، اس کے سنتے ہی سارے معاملات کو چھوڑ کر جمعہ کی تیاری کرنا ضروری ہوگا۔ (البحر الرائق: باب صلاۃ الجمعۃ: ۱۶۸/۲)

اذان اول کی ابتداء کب اور کیوں ہوئی؟

رہی یہ بات کہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے اس اذان کی ابتداء کیوں کی؟ اور کب کی؟ کیا یہ بدعت نہیں ہے؟ کیونکہ حضور سے صلی اللہ علیہ وسلم یہ ثابت نہیں ہے، جیسا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں؟ اس کی مختصر تفصیل اور جواب یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں دیکھا کہ منبر کے سامنے جو اذان دی جارہی ہے اس سے اعلان حاصل نہیں ہو رہا ہے، آبادی کافی بڑھ گئی ہے، لوگوں تک آواز نہیں پہنچ رہی ہے، اور لوگوں کا مسجد آنا دشوار ہو رہا ہے تو حکم دیا کہ باہر مقام زَوراء پر اذان دی جائے تاکہ لوگوں تک آواز پہنچ سکے، اور ان کو وقت پر نماز اور خطبہ کے لئے آنے میں آسانی ہو، اس پس منظر میں دو اذانیں مشروع ہوئیں۔ (صحیح بخاری: کتاب الجمعۃ: ۹۱۲ وروح المعانی: ۲۱/۴) ایک تو منبر پر جو خطبہ سے پہلے دی جاتی ہے اور ایک لوگوں کے اعلان کے

لئے، اس لئے اذان جو لوگوں کے اعلان کے لئے ہو اس کو سنتے ہی نماز کی تیار کرنا چاہیئے، اس کے بعد کسی اور کام کا کرنا جائز نہیں ہے۔

اذانِ اول پر اجماعِ صحابہ ہے:

چونکہ سارے صحابہ کی موجودگی میں اس کی ابتداء ہوئی، اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا، اس لئے اس پر صحابہ کا اجماع بھی ہے، اور اجماع حجتِ شرعیہ ہے، اور پھر یہ اجماع صحابہ کا اجماع ہے، اس لئے اس اذان کی مشروعیت میں اختلاف کا کوئی سوال ہی نہیں۔

تعددِ اذان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے ثابت ہے:

دوسری دلیل یہ ہے:

”عَنْ ثَعْلَبَةَ بْنِ اَبِي مَالِكٍ الْقُرَظِيِّ اَنَّهُ اَخْبَرَهُ اَنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ يُصَلُّوْنَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ حَتّٰى يَخْرُجَ عُمَرُ فَإِذَا خَرَجَ عُمَرُ وَ جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَ اَذَّنَ الْمُؤَذِّنُوْنَ قَالَ . . . فَإِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُوْنَ وَقَامَ عُمَرُ يَخْطُبُ اَنْصَتْنَا فَلَمْ يَتَكَلَّمْ مِنَّا أَحَدٌ“ (مؤطا مالک: النداء للصلاۃ، ۳۴۳)

حضرت ثعلبہ ابن ابی مالک قرظی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جمعہ کے دن نماز پڑھتے تھے، یہاں تک کہ حضرت عمر نکلتے، پھر جب حضرت عمر نکلتے تو منبر پر بیٹھ جاتے اور موذنین اذان دیتے، ثعلبہ کہتے ہیں کہ پھر جب موذنین خاموش ہو جاتے اور حضرت عمر خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوتے تو ہم بھی خاموش ہو جاتے اور ہم میں سے کوئی بات نہ کرتا۔

حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے پیش نظر کہا ہے کہ تعددِ اذان خود حضرت عمر کے زمانے سے بھی ثابت ہے۔ (انوار الباری: ۱۷/۹۹) اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اگر اس کی باضابطہ ابتداء کی تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔

تعددِ اذان کی اصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی سے ثابت ہے:

بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اذان دینے کے بعد حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بھی تلقی کا حکم دیتے تھے ان کی آواز بڑی ہونے کی وجہ سے۔ (اوجز المسالک: کتاب الصلاۃ: ۲/۱۸)

جب خود آپ ﷺ سے اس کی اصل ثابت ہے اور جس مقصد کے پیش نظر آپ ﷺ حضرت عبد اللہ بن زید کو تلقی کا حکم دیتے تھے، اس مقصد کے پیش نظر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے باضابطہ اذان اول کی ابتداء کی تو کیسے یہ بدعت ہو گی؟

اذانِ اول خلیفۂ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سنت ہے:

اس کے علاوہ یہ خلیفۂ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سنت ہے، اور خلفاء کی سنتوں کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا:

"عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ" (سنن ابی داؤد: کتاب السنة: ۴۶۰۹)

تم میری اور ہدایت یافتہ خلفاءِ راشدین کی سنت کو لازم پکڑ لو، اور اس کو تھام لو، اور ڈاڑھوں کے ذریعہ اس کو مضبوط پکڑ لو۔

اس حدیث کی رو سے اس اذان کا اضافہ خلفاءِ راشدین کی سنت میں بھی شامل ہے، جس کو مضبوطی سے لازم پکڑنے کا حکم ہے، اس لئے یہ بدعت نہیں بلکہ اجماعِ صحابہ اور خلیفۂ راشد کی سنت ہے، اس پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ یہ چند باتیں تو نداءِ صلاۃ یعنی اذان سے متعلق تھیں، اس کے بعد اللہ پاک فرماتے ہیں:

جمعہ کیلئے وقار اور اطمینان سے جائیں:

"فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللہ" یعنی اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو، سعی کے معنی دوڑنے کے آتے ہیں، لیکن یہاں حقیقت میں دوڑنا مراد نہیں ہے، بلکہ وقار اور اطمینان کے ساتھ چلنا مراد ہے، کیونکہ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے مسجد دوڑ کر آنے سے منع کیا ہے، اور وقار اور اطمنان کے ساتھ آنے کا حکم دیا۔ (روح المعانی: ۹/۱) تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں کیوں دوڑنے کا حکم دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا دوڑنے والا کسی دوسرے امر کی طرف توجہ نہیں دیتا، جو مقصود ہوتا ہے اس کا ذہن اسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے، ایسے ہی جب جمعہ کے لئے اذان

دی جائے تو ہم اور ہمارا ذہن بھی جمعہ کی تیاری کی طرف مرکوز ہونا چاہیئے، کسی اور طرف دھیان نہیں رکھنا چاہیئے، اس کو بتانے کے لئے اللہ پاک نے یہ اسلوب اختیار فرمایا۔

ذکر اللہ سے کیا مراد ہے؟

غرض اللہ پاک نے ذکر اللہ کی طرف دوڑنے کا حکم دیا، اور یہاں ذکر اللہ سے مراد نماز اور خطبہ ہے، آیت کا ظاہر تو یہ بتارہا ہے کہ اس سے نماز مراد ہے، لیکن خطبہ بھی چونکہ ذکر اللہ ہے، اور پھر نماز جمعہ کے شرائط میں داخل ہے، اس لئے ذکر اللہ سے نماز اور خطبہ دونوں کا مجموعہ مراد لینا بہتر ہے۔ (روح المعانی: ۹/۱)

اذان سننے کے بعد شریعت کا حکم:

اس کے بعد دوسرا حکم اللہ پاک یہ بیان فرمارہے ہیں:

”وَذَرُوا الْبَيْعَ“ اذانِ جمعہ کو سنتے ہی بیع کو چھوڑدو، لیکن یہاں صرف بیع مراد نہیں ہے، بلکہ بیچنا، خریدنا اور ہر ایسا فعل اس سے مراد ہے جو جمعہ کی تیاری کے خلاف ہو، اور جس کی وجہ سے جمعہ کی تیاری میں خلل واقع ہوتا ہو۔ (تفسیر قرطبی: ۸۶/۱۸)

آیت میں صرف بیع چھوڑنے کا حکم کیوں؟

جب اس آیت میں ہر اس عمل کو چھوڑنا مراد ہے جو جمعہ کی تیاری کے خلاف ہو اور جس کی وجہ سے جمعہ کی تیاری میں خلل واقع ہو تو اللہ پاک نے اذان سنتے ہی بالخصوص بیع کو چھوڑنے کا کیوں حکم دیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بیع یہ ایسا فعل ہے جو آدمی کو ذکر اللہ سے بہت زیادہ غافل بنادیتا ہے، اس میں لگنے کے بعد وہ نماز اور دوسری چیزوں کو بھول جاتا ہے، اس لئے بطور خاص اللہ پاک نے اس فعل کا ذکر کیا، نیز یہ لوگوں کو مسجد اور دربار الٰہی میں بلانے کا آسان طریقہ بھی ہے، کیونکہ بیچنے والے جب بیچنا چھوڑدیں گے، اور اپنی دکانیں بند کردیں گے تو اس کی وجہ سے خریدار خود بخود رک جائیں گے، ہوٹل والے جب اپنی ہوٹلیں بند کردیں گے تو لوگ اس وقت ہوٹل آنا چھوڑ دیں گے، سواری لے جانے والے سواری بند کردیں گے تو سوار خود

بخود رک جائیں گے، پٹرول والے پٹرول پمپ بند کر دیں گے تو پٹرول لینے والے خود بخود رک جائیں گے، چونکہ خریدنے والوں کی تعداد بہت ہوتی ہے ان سب کے روکنے کا انتظام آسان نہیں ہوتا، اس لئے جب فروخت کرنے والے اپنی دکانیں ہی بند کر دیں تو باقی سب خریدار خود بخود رک جائیں گے کہ یہ وقت دکانیں بند ہو جاتی ہیں، سواریاں چلتی نہیں ہیں، پٹرول پمپ بند ہو جاتے ہیں، اس لئے بازار جانے کا کوئی فائدہ نہیں، نہ سواری ملے گی، نہ پٹرول ڈلوا کر جاسکیں گے، نہ کھانے پینے کا سامان ملے گا، نہ کوئی اور چیز بازار سے خرید سکیں گے، اس طرح وہ بازار جانے سے رک جائیں گے اور جمعہ کی تیاری کر کے مسجد میں وقت پر آسانی سے آسکیں گے۔ اس لئے اللہ پاک نے بالخصوص بیع چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے۔

تجار کے لئے ایک رخصت:

ایک مسئلہ اس موقع پر ذہن میں رکھیں کہ اگر کاروبار کرنے والے دو آدمی ہوں اور جمعہ متعدد جگہ ہوتا ہو تو ایک آدمی دکان پر بیٹھ جائے اور ضرورت مندوں کو بیچے اور ایک جمعہ پڑھنے کے لئے جائے، اور دوسرا آدمی اس کے آنے تک انتظار میں بیٹھا رہے، جب وہ آجائے تو یہ نماز کے لئے چلا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔ لیکن بہتر نہیں ہے، بہتر یہ ہے کہ سب ہی دکان بند کر کے جائیں، اور نماز کے بعد کھول لیں، رزق دینے والا تو اللہ ہے، گھنٹہ دو گھنٹہ میں ایسا کونسا خسارہ ہوتا ہے، بلکہ حکمِ رب کو ماننے میں ہی فائدہ اور برکت ہوتی ہے۔ نیز اس سے جمعہ کی اجتماعی شان میں بھی کمی محسوس ہوتی ہے، اگر غیر مسلم دکان کھلی رکھیں تو ٹھیک ہے وہ ان احکام کے مکلف نہیں ہیں، لیکن مسلمان کے لئے کھلا رکھنا جائز نہیں ہے۔ چاہے اس کے پاس غیر مسلم گاہک آئیں یا مسلمان، کیونکہ وہ خود بیع کر رہا ہے۔ اور آیتِ مبارکہ کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔

غرض جمعہ کی اذان سننے کے بعد معاملات کرنا حرام ہے، حرام صرف اس کا نام نہیں ہے کہ سود یا رشوت کا معاملہ کرے، یا کسی کا مال غصب کر لے، بلکہ اس وقت بیع کرنا بھی حرام ہے، یہ بھی حرام کی شکلوں میں سے ایک شکل ہے۔ اس سے بھی بچنا چاہیئے۔

امت محمدیہ کی ایک خصوصیت:

اس حکمِ خداوندی میں ہمارے لئے بہت آسانی بھی ہے، پچھلی امتوں میں یہ حکم سخت تھا، ان کے مذہب میں یہ تھا کہ جو دن عبادت کیلئے مقرر ہوتا اس دن ان کے لئے بیع وغیرہ جائزنہ تھی، ان کے لئے کاروبار پورے دن ممنوع ہوتا تھا، لیکن اللہ پاک نے ہم کو یہ سہولت بھی دی ہے کہ جو خاص وقت عبادت کا متعین ہے اس وقت تو بیع وغیرہ ممنوع ہے، لیکن اس کے بعد نہیں، بلکہ اس کے بعد بیع وشراءاور اللہ کے فضل کو تلاش کرنا جائز بلکہ اس کا حکم ہے، جس کا ذکر آگے آرہاہے۔

عارضی نفع نہ دیکھیں:

اس کے بعد اللہ پاک فرماتے ہیں: ”ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ“

”یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو“

یعنی بیع چھوڑ کر جمعہ ادا کرنے کیلئے چلے جانا تمہارے لئے بہتر ہے، لیکن تم تو اپنی دکانوں میں لگے رہتے ہو، دنیا کا عارضی اور فانی نفع وہ بھی ایک گھنٹے کا تمہارے پیشِ نظر ہے، جب کہ آخرت کا نفع اور اجر باقی ہے، کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے، اور وہ بھی اتنا عظیم الشان ہے کہ اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے، ذراسی دیر میں دنیا کا نفع اٹھانے کے لئے آخرت کا اتنا بڑا خسارہ سوائے بے وقوف کے اور کوئی نہیں کرسکتا، اس لئے اللہ پاک فرمارہے ہیں کہ ذرا اس میں غور کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اور تم فانی دنیا کے پیچھے پڑے ہوئے ہو، جیسے اس میں آخرت کا فائدہ ہے ایسے ہی اس میں ہمارے لئے دنیا کا بھی بہت بڑا فائدہ ہے کہ اس کی وجہ سے تنظیمِ امت اور اجتماعیت آشکار ہوتی ہے، اور غیروں پر اس کا بہترین اثر اور رعب پڑتا ہے، اور اسلام کی شان ظاہر ہوتی ہے۔

نماز کے بعد فضل الٰہی تلاش کریں:

اس کے بعد تیسرا حکم اللہ پاک ذکر فرمارہے ہیں:

”فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ“

”پھر جب نمازِ (جمعہ) پوری ہو چکے تو (اس وقت تم کو اجازت ہے کہ) تم زمین پر چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو۔ اور (اس میں بھی) اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو، تاکہ تم کو فلاح ہو“

سابقہ آیات میں اذان جمعہ کے بعد بیع وشراءوغیرہ کے تمام دنیوی امور کو ممنوع کر دیا گیا تھا، اس آیت میں اس کی اجازت دے دی گئی کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد تجارت، کاروبار اور رزق حاصل کرنے کے لئے نکل سکتے ہیں۔

فضلِ الٰہی سے کیا مراد ہے؟

چنانچہ فرماتے ہیں کہ نماز کے بعد اللہ کا فضل تلاش کرو، فضل سے کیا مراد ہے؟ تو مفسرین فرماتے ہیں کہ فضل کو تلاش کرنے سے علم کا حاصل کرنا مراد ہے، بعض کہتے ہیں کہ مریض کی عیادت کرنا مراد ہے، بعض کہتے ہیں کہ جنازہ میں حاضر ہونا مراد ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ اپنے بھائی سے ملاقات کرنا مراد ہے، لیکن عام طور پر مفسرین نے فضل سے روزی مراد لی ہے۔ جیسا کہ حضرت عراک بن مالک رحمۃ اللہ علیہ جب نماز جمعہ سے فارغ ہو کر باہر آتے تو مسجد کے دروازہ پر کھڑے ہو کر یہ دعا کرتے تھے:

”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَجَبْتُ دَعْوَتَکَ وَصَلَّیْتُ فَرِیْضَتَکَ وَانْتَشَرْتُ کَمَا اَمَرْتَنِیْ فَارْزُقْنِیْ مِنْ فَضْلِکَ وَ اَنْتَ خَیْرُ الرَّازِقِیْنَ“ (تفسیر ابن کثیر: ۸/۱۲۳)

”اے اللہ میں نے تیری دعوت کو قبول کیا، اور تیرے فریضہ کو ادا کیا اور میں رزق کی تلاش میں نکل پڑا جیسا کہ تو نے حکم دیا ہے بس تو اپنے فضل سے مجھے رزق عطا فرما اور تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے“

جمعہ کے بعد تجارت میں برکت:

اور بعض سلف صالحین سے منقول ہے کہ جو شخص نماز جمعہ کے بعد تجارت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ستر مرتبہ برکتیں نازل فرماتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر: ۸/۱۲۳)

اور بعض بزرگوں سے یہ بھی منقول ہے، وہ کہتے تھے کہ آیتِ مبارکہ پر عمل کرنے کے لئے بہتر یہ ہے کہ نمازِ جمعہ کے بعد آدمی تھوڑی دیر بازار میں نکلے اور بھاؤ تاؤ کرے، اگرچہ

نہ خریدے لیکن کچھ بھاؤ والی شکل اختیار کرلے، (روح المعانی: ۱۲/۲۱) تاکہ اس حکمِ خداوندی پر عمل کرنے کی وجہ سے برکت حاصل ہو، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کو کرنا ہی ہے، بلکہ اس میں اباحت بیان کی گئی ہے کہ اب یہ چیز تمہارے لئے مباح ہے۔ اگر رزق حاصل کرنے کے لئے جانا چاہو تو تم جاسکتے ہو، اس کی اجازت ہے، اگر نہیں جانا چاہتے ہو تو مت جاؤ، مسجد میں بیٹھ کر عبادت کرو۔ (روح المعانی: ۱۲/۲۱ او تفسیر قرطبی: ۹۶/۱۸)

کیا ہر حکم پورا کرنا ضروری ہے؟

یہاں ایک علمی نکتہ ذہن میں رکھیں کہ "فَانْتَشِرُوْا" امر یعنی حکم کا صیغہ ہے اور "وَابْتَغُوْا" بھی حکم کا صیغہ ہے، اور قرآن وحدیث میں جو امر یعنی حکم کا صیغہ ہوتا ہے اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہوتا ہے، جیسے نماز پڑھنے کا حکم ہے، روزہ رکھنے کا حکم ہے، اس کا کرنا ضروری ہوتا ہے، ایسے ہی یہاں مسجد سے نکل کر رزق تلاش کرنے کا حکم ہے، لیکن یہ حکم ضروری نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ہر حکم کا کرنا ضروری نہیں ہوتا، کچھ احکام ایسے ہوتے ہیں بظاہر ان کو کرنے کا حکم ہوتا ہے لیکن ان کو کرنا ضروری نہیں ہوتا، علماء اس کی باریکی کو جانتے ہیں کہ کس حکم کو کرنا ضروری ہوتا ہے اور کس کو نہیں؟ ایسے ہی حج کے موقع پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

"فَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا" (المائدہ: ۲) "اور جس وقت تم احرام سے باہر آجاؤ تو شکار کیا کرو"

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر آدمی احرام کھولتے ہی شکار کرے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب شکار تمہارے لئے حلال ہے، جو پابندی تم پر احرام کی وجہ سے لگی ہوئی تھی اب وہ ختم کردی گئی، ایسے ہی جمعہ کے بارے میں یہ حکم ہے کہ جمعہ کی اذان کی وجہ سے جو پابندی تم پر عائد کردی گئی تھی جمعہ کی نماز کے ختم ہوجانے کے بعد وہ پابندی اٹھادی گئی ہے، اب تمہیں اجازت ہے کہ باہر جاکر تجارت کرنا چاہو تو تجارت کرو اور اگر مسجد میں عبادت کرنا چاہو تو عبادت کرو۔

دورانِ تجارت بھی اللہ کو نہ بھولیں:

اس کے بعد فرماتے ہیں: "وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ"

یعنی نماز جمعہ سے فارغ ہو کر کسب معاش تجارت وغیرہ میں لگو، مگر کفار کی طرح خدا سے غافل ہو کر نہ لگو، عین خرید و فروخت، مزدوری اور ملازمت کے وقت بھی اللہ کی یاد جاری رکھو، اس فریضہ کو ادا کرنے سے اللہ پاک حق ادا نہیں ہوتا، بلکہ ہر جگہ اس کا حق یاد رکھنا ضروری ہے، اس کے حدود کو یاد رکھنا ضروری ہے، اس کی ذات کو یاد رکھنا ضروری ہے، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ خصوصیت تھی کہ تجارت، ملازمت وغیرہ میں بھی وہ اللہ کو نہیں بھولتے تھے، اور یہ بات قرآن مجید میں اللہ پاک نے بیان فرمائی:

”رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ“ (النور:۳۷)

(کچھ لوگ ایسے ہیں) جن کو اللہ کی یاد سے اور بالخصوص نماز پڑھنے سے اور زکوۃ دینے سے نہ خرید غفلت میں ڈالتی ہے اور نہ فروخت۔

ذکر اللہ کی تین صورتیں:

اس آیت میں اللہ پاک اسی کا حکم دے رہے ہیں کہ تجارت میں، ملازمت میں یا کسی بھی کام میں اللہ کو نہ بھولنا چاہیے، ہمیشہ اس کو یاد رکھنا چاہیے، اس کے ذکر کرنے کا ایک مطلب یہ ہے کہ جس کام کو انجام دیا جارہا ہو یا جو ملازمت اور تجارت کی جارہی ہے اس میں اللہ کے حکم کو یاد رکھا جائے کہ اس میں اللہ پاک کا کیا حکم ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اس میں کیا ہے؟ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس تجارت اور ملازمت کے دوران جب بھی نماز کا وقت آجائے تو اس کو چھوڑ کر مسجد کی طرف دوڑ پڑیں، اور اس فریضہ کو انجام دیں، تیسرا مطلب یہ ہے کہ اپنی زبان سے اللہ کی تعریف، تحمید، تکبیر اور تسبیح بیان کرتے رہیں۔ (تفسیر قرطبی: ۱۲/۲۵۷)

بازار میں کلمۂ توحید پڑھنے کی فضیلت:

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مَنْ دَخَلَ سُوْقًا مِنَ الْاَسْوَاقِ فَقَالَ: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، كُتِبَتْ لَهٗ اَلْفُ اَلْفِ حَسَنَةٍ، وَمُحِيَ عَنْهُ اَلْفُ اَلْفِ سَيِّئَةٍ“ (تفسیر ابن کثیر: ۸/۱۲۳)

جو کسی بازار میں داخل ہو اور یہ کلمہ پڑھے ''نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے جو اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اسی کی بادشاہت ہے، اور اسی کے لئے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے تو اس کے لئے ایک لاکھ نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ایک لاکھ گناہ معاف کئے جاتے ہیں''

بازار میں ذکر اللہ کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے، اس کلمہ کی پڑھنے کی اتنی اہمیت بیان کی گئی ہے، ذکر کی ان تین صورتوں میں سے پہلی اور دوسری صورت اختیار کرنا ضروری ہے، تیسری کی اگر سہولت ہو تو اچھی بات ہے، اور اگر اس کا موقع نہ ہو تو ان دونوں کا دھیان ضرور رکھے۔ کیونکہ بعض کام ہی ایسے ہوتے ہیں کہ جس میں آدمی کو زبان ہی استعمال کرنا پڑتا ہے، کوئی ٹیلفون آپریٹر ہے، یا کوئی اس طرح کی نوکری ہے کہ اس میں زبان ہی کو استعمال کرنا پڑتا ہے تو اس وقت زبان ہی کو صحیح استعمال کرے، یہی اس کا ذکر ہے، اگر کوئی امرود والا ہے اور صبح سے شام تک امرود لینے کی رٹ لگا رہا ہے کہ ''امرود لے لو''، ''امرود لے لو'' تو اس کی یہ پکار غفلت نہیں ہے، یہ اس کیلئے منع نہیں ہے، لیکن جب خرید و فروخت کرے تو اس وقت اللہ کے احکام کو یاد رکھے۔ اس آیت میں اسی کی تعلیم ہے۔ کیونکہ اللہ کے احکام پر عمل کرنے ہی میں ہمارے لئے کامیابی رکھی گئی۔

صحابہ کی لغزش اور اللہ تعالی کی تنبیہ:

اس کے بعد فرماتے ہیں:

''وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللهُ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ''

''اور (بعضے لوگوں کا یہ حال ہے کہ) وہ لوگ جب کسی تجارت یا مشغولی کی چیز کو دیکھتے ہیں تو وہ اس کی طرف دوڑنے کیلئے بکھر جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ جو چیز (از قسم ثواب و قرب) خدا کے پاس ہے وہ ایسے مشغلے اور تجارت سے بدرجہا بہتر ہے۔ اور اللہ سب سے اچھا روزی پہنچانے والا ہے''

اس آیت میں اللہ پاک نے بعض صحابۂ کرام پر تنبیہ فرمائی ہے، اس کا واقعہ یہ تھا کہ پہلے نبی کریم ﷺ خطبۂ جمعہ نماز جمعہ کے بعد دیا کرتے تھے، جیسا کہ عیدین میں آج تک یہی معمول ہے، ایک جمعہ یہ واقعہ پیش آیا کہ آپ ﷺ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک ایک تجارتی قافلہ مدینہ طیبہ کے بازار میں پہنچا اور طبلہ وغیرہ کے ذریعہ شور کرنے لگا، یہ تجارتی قافلہ دحیہ بن خلیفہ کلبی کا تھا، جو ملک شام سے آیا تھا، اور یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مدینہ میں ضروری اشیاء کی کمی تھی، (تفسیر طبری: ۳۸۷/۲۳) اور نبی علیہ السلام خطبہ دے رہے تھے، اور سب اس وقت نمازِ جمعہ سے فارغ ہو چکے تھے، اس تجارتی قافلہ کو دیکھ کر بہت سے صحابہ بازار چلے گئے اور آپ ﷺ کے ساتھ تھوڑے سے صحابہ رہ گئے، مفسرین نے لکھا ہے کہ ان کی تعداد بارہ تھی، اور بعض روایات میں ان کی تعداد کم وبیش بھی مروی ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۹۷/۱۸)

اگر نبی تنہا ہو جاتے تو مدینہ پر عذاب آجاتا:

جب تقریباً صحابہ چلے گئے اور نبی علیہ السلام اور چند صحابہ رہ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر فرمایا: ’’وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ، لَوْ تَتَابَعْتُمْ حَتّٰی لَمْ یَبْقَ مِنْکُمْ اَحَدٌ لَسَالَ بِکُمُ الْوَادِیْ نَارًا‘‘ (تفسیر ابن کثیر: ۱۲۴/۸)

’’اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم سب کے سب چلے جاتے تو مدینہ کی ساری وادی (عذاب کی) آگ سے بھر جاتی‘‘

لغزش کے اسباب:

یہاں سوال ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام اللہ کے نبی کو چھوڑ کر کیسے چلے گئے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک تو نمازِ فرض ادا ہو چکی تھی، اور خطبہ کے متعلق بھی یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ بھی فرض کا جز ہے اور ضروری ہے، (تفسیر قرطبی: ۹۷/۱۸) نیز وہ وقت تنگی اور قحط سالی کا تھا، اور پھر لوگوں کا اس قافلہ پر متوجہ ہونے اور چیزوں کے خریدنے سے ایک بشری خیال اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضرورت کے پوری کرنے کا ان کے ذہن میں آیا، اس لئے اس تقاضے کی تکمیل کے لئے وہ نکلے،

لیکن ظاہر ہے کہ اس میں نبی علیہ السلام کو چھوڑ دینے اور بظاہر دین کے مقابلے میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دینے کی لغزش ان سے صادر ہوئی، اس لئے اللہ پاک نے بطور تنبیہ یہ آیت نازل فرمائی، اور نبی علیہ السلام نے وعید سنائی کہ اگر سب کے سب چلے جاتے تو اللہ کا عذاب آجاتا، اس کے بعد نبی علیہ السلام نے خطبہ دینے میں اپنا طرز بدل دیا، اور پہلے خطبہ دینے لگے اور بعد میں نماز پڑھانے لگے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۸/ ۹۷، و تفسیر ابن کثیر: ۸/ ۱۲۴)

غرض اللہ پاک نے آیت مذکورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ لوگوں کو بتلادیجئے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ اس دنیا کی تجارت اور ملازمت سے بہتر ہے، کیونکہ تھوڑی دیر اپنے کو عبادت میں مشغول رکھنے سے اور تھوڑی دیر تجارت اور ملازمت ترک کر دینے سے آخرت کا غیر متناہی اور باقی رہنے والا ثواب ملتا ہے، یہ تجارت اور یہ ملازمت تو ختم ہو جائے گی، اس کا نفع عارضی ہے، جو چند دن میں ختم ہو جائے گا، لیکن آخرت کا ثواب ختم ہونے والا نہیں ہے، وہ یقینی ہے، اور یہ غیر یقینی ہے، وہ دائمی ہے، اور یہ فانی ہے، ظاہر ہے کہ دائمی اور یقینی اجر بہتر ہے، اور اس کے حصول کی فکر کرنا سعادت مندی اور عقل مندی کی بات ہے، اس لئے فرمایا کہ آخرت کا اجر اور بدلہ بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والا بھی ہے، اور یہ بات بھی بعید نہیں ہے کہ جیسے آخرت میں اس کا اجر ملنے والا ہے، ایسے ہی دنیا میں بھی اس کا اجر ملے، اور دنیا میں بھی اللہ پاک کی طرف سے رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔ یہ چند باتیں اس رکوع کی تفسیر سے متعلق عرض کی گئیں، اللہ پاک ہم سب کو صحیح علم اور عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

❊ ❊ ❊

افادات: حضرت مفتی شاہ محمد نوال الرحمن صاحب دامت برکاتہم
ترتیب و تخریج: مفتی محمد عطاء الرحمن ساجد قاسمی

بمقام: شریعہ بورڈ آف امریکہ، مئی ۲۰۱۲ واگسٹ ۲۰۰۹
ناشر: شریعہ بورڈ آف انڈیا۔

نمازِ جمعہ اور خطبہ سے متعلق چند غلط فہمیوں کا ازالہ

(حصہ اول)

نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ۔

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

”يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ“ (الجمعة:۹)

”اے ایمان والو جب جمعہ کے روز نماز (جمعہ) کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز وخطبہ) کی طرف (فوراً) چل پڑا کرو اور خرید و فروخت (اوراسی طرح دوسرے مشاغل جو چلنے سے مانع ہوں) چھوڑ دیا کرو۔ یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم کو کچھ سمجھ ہو (کیونکہ اس کا نفع باقی ہے اور بیع وغیرہ کا فانی)“

برادرانِ اسلام!

یومِ جمعہ کے چند فضائل:

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ پاک نے یومِ جمعہ سے متعلق ایک حکم ارشاد فرمایا ہے، اس دن کی اسلام میں بہت بڑی اہمیت ہے، اور احادیث میں نبی ﷺ نے اس کی بہت فضیلتیں بیان فرمائی ہیں، ایک حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا:

(۱) ''خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ فِيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ ''(سنن ابی داود:باب فضل یوم الجمعة والیلة الجمعة،۱۰۴۶) ''بہترین دن جس میں سورج طلوع ہو وہ جمعہ کا دن ہے۔

اور ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ حج کو نہ جا پا رہے ہوں تو یومِ جمعہ ان کے لئے یومِ حج ہے۔(کنز العمال: الباب السادس: فی صلاۃ الجمعۃ و ما یتعلق بھا، ۲۱۰۳۱)

ایک ہفتہ کے گناہوں کی بخشش:

(۲) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَتَطَهَّرُ بِمَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ وَيَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهِ أَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيْبِ بَيْتِهِ ثُمَّ يَرُوْحُ فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ ثُمَّ يُصَلِّيْ مَا كُتِبَ لَهُ ثُمَّ يُنْصِتُ إِذَا تَكَلَّمَ الْإِمَامُ إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرىٰ''(صحیح بخاری: کتاب الجمعة:۸۲۳)

''جو آدمی جمعہ کے دن غسل کرے، اور اپنی استطاعت کے مطابق پاکی حاصل کرے، تیل اور خوشبو لگائے، اس کے بعد جمعہ کے لئے گھر سے نکلے اور دو بیٹھنے والوں کے درمیان تفریق نہ کرے یعنی زبردستی نہ گھسے، پھر نماز پڑھے اور جب امام خطبہ دے تو خاموش رہے، تو یقیناً اس کے اگلے جمعہ تک کے سارے (صغیرہ) گناہ بخش دیئے جائیں گے''

ہر قدم پر ایک سال کا اجر اور رات بھر عبادت کا ثواب:

(۳) ایک روایت حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”مَنْ غَسَّلَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وَ اغْتَسَلَ وَ بَکَّرَ وَ ابْتَکَرَ وَ مَشٰی وَ لَمْ یَرْکَبْ وَ دَنَا مِنَ الْاِمَامِ فَاسْتَمَعَ وَ لَمْ یَلْغُ کَانَ لَهٗ لِکُلِّ خُطْوَۃٍ عَمَلُ سَنَۃٍ اَجْرُ صِیَامِهَا وَ قِیَامِهَا“ (سنن ترمذی: باب ما جاء فی فضل غسل یوم الجمعۃ، ۴۹۸)

”جو شخص جمعہ کے دن خود بھی غسل کرے اور (اپنی بیوی کو بھی) غسل کرائے (یعنی اس سے حاجت پوری کرے) اور صبح سویرے اٹھے اور جلد مسجد جائے، اور پیدل چل کر مسجد جائے سوار نہ ہو، اور غور سے خطبہ سنے اور لغو حرکت نہ کرے تو اس کو ہر ہر قدم کے بدلہ ایک سال کا روزہ رکھنے اور راتوں کو جاگنے کا ثواب دیا جائے گا۔

غسل جمعہ گناہوں کو بالوں کی جڑوں سے کھینچ لیتا ہے:

(۴) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

” اِنَّ الْغُسْلَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ لَیَسُلُّ الْخَطَایَا مِنْ اُصُوْلِ الشَّعْرِ اسْتِلَالاً “ (کنز العمال: کتاب الصلاۃ: الفصل الخامس: فی غسیل یوم الجمعۃ، ۲۱۲۴۶)

”جمعہ کے دن غسل کرنا گناہوں کو بالوں کی جڑوں سے اچھی طرح کھینچ لیتا ہے“۔

جمعہ کی ہر ساعت میں جہنم سے چھ سو بندے آزاد کئے جاتے ہیں:

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

” اِنَّ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وَ لَیْلَۃَ الْجُمُعَۃِ اَرْبَعٌ وَ عِشْرُوْنَ سَاعَۃً، لَیْسَ فِیْهَا سَاعَۃٌ اِلَّا وَ لِلّٰہِ فِیْهَا سِتُّ مِاَۃِ عَتِیْقٍ مِنَ النَّارِ “ (کنز العمال: کتاب الصلاۃ: الباب السادس: فی صلاۃ الجمعۃ و ما یتعلق بها، ۲۱۰۷۹)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ”جمعہ کی رات اور دن میں ۲۴ گھنٹے ہوتے ہیں ان میں سے کوئی گھنٹہ ایسا نہیں جاتا جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے چھ سو جہنم کے مستحق لوگ جہنم سے آزاد نہ کئے جاتے ہوں“

جمعہ کے دن موت کے فضائل:

ایسے ہی اس دن مرنے کی بھی بڑی فضیلتیں آئی ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ جو آدمی جمعہ کے دن مرتا ہے تو ”جَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَ عَلَیْهِ طَابِعُ الشُّهَدَاءِ“ (کنز العمال: ۲۱۰۸۴) قیامت میں اس حال میں آئے گا کہ اس پر شہید کی مہر لگائی گئی ہوگی۔

"مَنْ مَاتَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ اَوْ لَیْلَةَ الْجُمُعَةِ اُجِیْرَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ"

جو شخص جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات مرتا ہے تو اسے عذاب قبر سے پناہ دیجاتی ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے "مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَمُوْتُ یَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوْ لَیْلَةَ الْجُمُعَةِ اِلَّا وَقَاهُ اللّٰهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ" (سنن الترمذی: باب ما جاء فی من مات یوم الجمعة، ۱۰۹۵) جو مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات مرتا ہے، اللہ پاک اسے عذابِ قبر سے محفوظ فرمادیتے ہیں۔

اتنی بڑی فضیلت اور اتنی عظیم الشان بشارتوں کے باوجود اگر کوئی شخص جمعہ کا اہتمام نہ کرے، اور اپنی سستی اور غفلت کی بناء پر جمعہ چھوڑدے تو اس سے بڑا محروم کوئی نہیں ہو سکتا، اور ایسے شخص کے بارے میں نبی علیہ السلام نے سخت وعیدیں بیان فرمائی ہیں۔

بلا عذر نمازِ جمعہ چھوڑنے پر وعیدیں:

ایک حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"سَمِعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یَقُوْلُ عَلٰی اَعْوَادِ مِنْبَرِهٖ: لَیَنْتَهِیَنَّ اَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ اَوْ لَیَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ ثُمَّ لَیَکُوْنَنَّ مِنَ الْغَافِلِیْنَ" (صحیح مسلم: کتاب الجمعة: ۲۰۳۹)

کہ ہم نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر کے تختوں پر بیٹھے ہوئے یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: یا تو لوگ جمعہ چھوڑنے سے باز آجائیں ورنہ اللہ ان کے دلوں پر ضرور مہر لگادیں گے پھر وہ غافلین میں سے ہو جائیں گے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ: "جو لوگ (بلا عذر) جمعہ میں شرکت سے پیچھے رہ جاتے ہیں، ان کے بارے میں میرا دل یہ چاہتا ہے کہ کسی اور شخص کو جمعہ پڑھانے کا حکم دوں، پھر جو لوگ جمعہ سے رہ گئے ہیں ان کو ان کے گھر سمیت آگ لگادوں"

(مشکاۃ المصابیح: کتاب الصلاۃ: ۱۳۷۸)

بعض روایات میں مسلسل ترکِ جمعہ پر یہ وعید ہے: "کُتِبَ مُنَافِقًا فِیْ کِتَابٍ لَا یُمْحٰی وَلَا یُبَدَّلُ" (کنز العمال: ۲۱۱۴۴)

کہ ایسے آدمی کا نام اس کتاب میں منافق لکھ دیا جاتا ہے جس کو نہ مٹایا جائے گا، اور نہ جس میں تبدیلی کی جائے گی۔

اللہ پاک ہم سب کو اس عظیم الشان نعمتِ خداوندی کی قدر کرنے کی توفیق نصیب فرمائے، اور ان وعیدوں سے ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

انہیں فضائل کی بنیاد پر آپ ﷺ نے اسے عید المؤمنین بھی کہا ہے۔(المستدرک علی الصحیحین:۱۵۹۵)

اور بعض روایات میں فرمایا:"اَفْضَلُ الْاَیَّامِ عِنْدَ اللهِ يَوْمُ الْجُمُعَةِ"(شعب الایمان للبیھقی:۳۷۶۰) "ایام میں سب سے افضل اللہ کے نزدیک یومِ جمعہ ہے"، حتیٰ کہ یہ یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر سے بھی افضل ہوتا ہے۔

یومِ جمعہ افضل ہے یا یومِ عرفہ:

یہاں کسی کو یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ بعض روایات میں یومِ عرفہ کو سب سے افضل دن قرار دیا گیا ہے، اور اس حدیث میں جمعہ کو سب سے افضل دن قرار دیا گیا، ان دونوں میں بظاہر اختلاف نظر آرہا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ علماء کی اس سلسلہ میں دو رائیں ہیں، بعض علماء جمعہ کو بشمول عرفہ سارے ایام سے افضل مانتے ہیں، اور بعض علماء کہتے ہیں کہ یومِ عرفہ بشمول جمعہ سب سے افضل ہے۔

علامہ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں روایتوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر ہفتے کے سات دنوں کو دیکھا جائے تو ان میں یومِ جمعہ سب سے افضل ہے، اور اگر تمام سال کے ایام دیکھے جائیں تو یوم عرفہ افضل ہے۔ (حاشیۃ ابن قیم:۱۸۵/۵)

لیکن علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ نفسِ ایام میں تو سب برابر ہیں، البتہ ان میں فضیلت الگ الگ اعتبار سے اور امرِ زائد کی وجہ سے ہے، چنانچہ جمعہ کو جو افضل قرار دیا گیا ہے وہ اس

وجہ سے کہ اس دن نمازِ جمعہ مشروع ہے، جس میں لوگ عرفہ کی طرح جمع ہوتے ہیں، دعائیں کرتے ہیں، مغفرت طلب کرتے ہیں۔ فرشتوں کا نزول ہوتا ہے، بندوں کے اعمال کا ثواب لکھا جاتا ہے، اور احادیث میں نبی علیہ السلام نے اسے مساکین کا حج قرار دیا ہے، اوراس دن انسان اور سارے انبیاء ، اولیاء اور صلحاء کی اصل حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا، اوراسی دن انہیں جنت سے جہاں انہیں اللہ پاک کی معرفت اور بندگی حاصل ہوئی تھی دنیا میں بھیجا گیا، نیز اور بھی فضائل ہیں اس اعتبار سے یومِ جمعہ کو افضل قرار دیا گیا۔ اور یومِ عرفہ کو دوسرے اعتبارات سے افضل قرار دیا گیا ہے۔ (شرح السیوطی لسنن النسائی: ۳:۱۳۷۳)

معاشرہ کی چند بے اعتدالیاں:

بہر حال یہ دن مسلمانوں کے لئے بہت خاص ہے، اس دن ایک اہم عبادت صلاۃِ جمعہ ہے، شریعت نے اس کی ادائیگی کے لئے ایک خاص وقت مقرر کیا ہے اور اس وقت میں اسے ادا کرنے کا حکم دیا، نہ اس سے قبل ادا کرنے کی گنجائش دی ہے، اور نہ اس کے بعد۔ دیگر عبادات مثلاً تلاوت، تسبیح، درود شریف ، استغفار اور صدقہ خیرات کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں ہے، لیکن نماز کے لئے وقت مقرر ہے، ایسے ہی اس دن نماز اور خطبہ سے متعلق اور بھی احکام ہیں، لیکن کچھ لوگوں میں ان کا کوئی پاس ولحاظ نہیں ہے، ابھی چند ہفتے پہلے میں نے بعض علاقوں کا سفر کیا تو وہاں لوگوں کو کئی گمراہیوں اور غلط فہمیوں میں مبتلا دیکھا، جن کا آہستہ آہستہ رواج بڑھ رہا ہے ، اور یہاں بھی وہ غلط فہمیاں دیکھنے میں آرہی ہیں، اس لئے مناسب سمجھتا ہوں کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کی وضاحت کی جائے۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱) دورانِ خطبہ تحیۃ المسجد ادا کرنا۔

(۲) دورانِ خطبہ بآواز بلند درودِ شریف کا پڑھنا۔

(۳) خطبۂ جمعہ عربی کے علاوہ دوسری زبانوں میں دینا۔

(۴) عربی خطبے سے قبل اردو زبان میں خطبہ دینا۔

(۵) ایک ہی مسجد میں دو مرتبہ نمازِ جمعہ ادا کرنا۔

(۶) نمازِ جمعہ کا قبل از وقت ادا کرنا۔ (۷) وقت سے پہلے جمعہ کا خطبہ دینا۔

(۸) نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے فوراً بعد نمازِ عصر ادا کرنا۔

ہمارے ہندوستان، پاکستان سے جو بھائی آئے ہوئے ہوتے ہیں اولاً تو وہ مغربی لوگوں سے مرعوب ہوتے ہیں، اور دینی مسائل میں علماء کے بجائے جاہلوں پر ان کا اعتماد زیادہ ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے ان لوگوں کے گمراہ عمل کو صحیح سمجھتے ہوئے ان کی اندھی تقلید کرتے ہیں، اس پسِ منظر میں چند باتیں ذہن میں رکھیں۔

تحیۃ المسجد کی شرعی حیثیت:

پہلی بات یہ ہے کہ خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد ادا کرنا کیسا ہے، اس کو سمجھنے سے قبل اس کی شرعی حیثیت کا جاننا بھی ضروری ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے ہی بیٹھنے سے قبل دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کرنا سنت ہے، اس کی بڑی فضیلتیں احادیث میں وارد ہوئی ہیں، اور یہ حق تعالیٰ کے عالی دربار کے شاہی آداب میں سے ہے، اس لئے دو رکعت ادباً اس کی بارگاہ میں پہلے ادا کرنا چاہئے۔

کیا تحیۃ المسجد بھول کر بیٹھنے سے ساقط ہو جاتی ہے؟

اگر کوئی مسجد میں داخل ہونے کے بعد دو رکعت ادا کئے بغیر بیٹھ جائے تو اب اس کا وقت گزر چکا، کیونکہ اس کا وقت یہی ہے کہ بیٹھنے سے قبل اسے پڑھا جائے، بغیر پڑھے اگر کوئی بیٹھ جائے تو وہ ساقط ہو جائے گی، اور اس کا حق ختم ہو جائے گا۔ (تبیین الحقائق: ۱۹/۲) لیکن بعض علماء نے لکھا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ بیٹھنے سے اس کا حق ختم نہ ہو گا بلکہ اٹھ کر اس کو ادا کرنا چاہیے، ہاں بیٹھنے سے پہلے ہی اسے ادا کرنا افضل تھا، لیکن جب وہ ادا نہ کر سکے تو اٹھ کر ادا کر لے۔

”وَلَا تَفُوْتُ تَحِيَّةُ الْمَسْجِدِ بِالْجُلُوْسِ بَلِ الْأَفْضَلُ اَنْ يُّصَلِّيَهَا بَعْدَ اَنْ يَّجْلِسَ“ (فقہ العبادات: ۱۰۴/۱، مراقی الفلاح: ۱۷۴/۱)

سنتوں کے ضمن میں تحیۃ المسجد کی ادائیگی:

اور اگر کوئی مسجد میں داخل ہوتے ہی فرائض میں یا سنن میں مشغول ہو جائے تو فرائض اور سنن کے ساتھ اس کی تحیۃ المسجد بھی ادا ہو جائے گی، اور وہ دونوں ایک دوسرے میں داخل ہو جائیں گی، کیونکہ نوافل کی خصوصیت یہ ہیکہ وہ دوسری چیزوں میں شامل ہو جاتی ہیں، اور تحیۃ المسجد بھی نوافل میں سے ہے، اس لئے وہ بھی دوسری سنتوں کے ضمن میں ادا ہو جائے گی، کیونکہ تحیۃ المسجد سے مقصود مسجد اور باری تعالیٰ کی تعظیم ہے اور آدمی کے مسجد میں داخل ہو کر فرائض یا سنن میں مشغول ہو جانے کی وجہ سے تعظیم پائی گئی، اس لئے تحیۃ المسجد بھی ساتھ ہی ساتھ ادا ہو جائے گی۔(بدائع الصنائع:۱/۱۹۰۔و رد المحتار:باب الوتر والنوافل،۵/۱۵۹)(واضح رہے کہ اصطلاح میں نوافل اور سنتوں میں فرق نہیں ہے بلکہ سنتوں پر بھی نفل کا اطلاق ہوتا ہے، اس لئے تحیۃ المسجد پر بھی نفل کا اطلاق صحیح ہے) کیونکہ احناف کہتے ہیں کہ یہ واجبات میں سے نہیں ہے، بلکہ سنن میں سے ہے، حصولِ فضیلت کے لئے ہے، اور اسی وجہ سے اس کو مکروہ اوقات جیسے عصر یا فجر کے بعد یا جمعہ کے بعد پڑھنے کی اجازت نہیں ہے، اگر یہ مستقلاً واجب ہوتی تو پھر ان اوقات میں بھی اسے پڑھنا ضروری ہوتا، معلوم ہوا کہ یہ واجب نہیں ہے، بلکہ سنت ہے۔(البحر الرائق:کتاب الصلاۃ:۱/۲۶۵)اس لئے یہ سنتوں کے ضمن میں بھی ادا ہو جائے گی۔

تحیۃ المسجد کا بدل:

ایک مسئلہ یہاں یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ بعض دفعہ آدمی ایسے موقع پر مسجد میں داخل ہوتا ہے کہ اسے تحیۃ المسجد ادا کرنے کا موقع نہیں ملتا، جماعت کھڑے ہونے کا وقت بالکل قریب ہوتا ہے، یا آدمی کو بھول ہو جاتی ہے، یا فجر یا عصر کے بعد وہ مسجد میں داخل ہوتا ہے تو اس موقع پر کیا کرنا چاہئے، آیا ان کو چھوڑ دیا جائے، یا اس کا کوئی نعم البدل بھی ہے؟ علماء نے لکھا ہے کہ اس موقع پر آدمی درود شریف، تسبیح، تحمید، اور تکبیر چار مرتبہ کہہ لے، انشاء اللہ اس سے تحیۃ المسجد کا حق ادا ہو جائے گا اور اس کا ثواب مل جائے گا۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

”مَنْ لَمْ يَتَمَكَّنْ مِنْهَا لِحَدِيْثٍ أَوْ غَيْرِهٖ يَقُوْلُ نَدْبًا كَلِمَاتِ التَّسْبِيْحِ الْأَرْبَعَ أَرْبَعًا“ (رد المحتار: باب الوتر والنوافل، ۵/۱۵۹)

دورانِ خطبہ تحیۃ المسجد کا حکم:

تحیۃ المسجد کا یہ حکم تو علماء احناف کے یہاں ہے، لیکن جو حضرات اسے واجب قرار دیتے ہیں تو ان کے نزدیک یہ نوافل کے ضمن میں ادا نہیں ہوگی، بلکہ اسے مستقلاً ادا کرنا پڑے گا، اور اسی وجہ سے وہ اس کے بھی قائل ہیں کہ تحیۃ المسجد دوران خطبہ بھی ادا کی جائے گی۔ مگر ہمارے پاس جائز نہیں ہے، بلکہ ہمارے یہاں یہ گناہ ہے۔ اگر پہلے سے پڑھ رہے ہوں اور خطبہ شروع ہو جائے تو گناہ نہیں ہے، جلدی سے اس کو مکمل کر کے خطبہ سننے میں مشغول ہو جائے۔ لیکن اگر خطبہ شروع ہو چکا ہے اور کوئی تحیۃ المسجد اس کے بعد شروع کرے تو وہ گنہگار ہو گا۔

دورانِ خطبہ خاموشی واجب ہے:

کیونکہ ہمارے یہاں خطبہ خاموشی کے ساتھ سننا واجب ہے، آپ ﷺ نے خاموش رہنے کا بھی حکم دیا ہے اور نماز پڑھنے سے بھی منع فرمایا ہے:

”إِذَا قَعَدَ الْإِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ فَلَا صَلَاةَ“ اور ایک روایت میں ہے: ”إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ وَالْإِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ فَلَا صَلَاةَ وَلَا كَلَامَ حَتّٰى يَفْرُغَ الْإِمَامُ“ (مصنف ابن ابی شیبۃ: ۵۲۱۳ وکنز العمال: ۲۱۲۱۲ بحوالۃ المعجم للطبرانی)

جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو کوئی نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

”إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَنْصِتْ، وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ“ (صحیح بخاری: ۹۳۴)

جب تو نے اپنے ساتھی سے جمعہ کے دن کہا کہ خاموش ہو جا، اس حال میں کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو اس نے بے کار عمل کیا۔

”إِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ فَلَا صَلَاةَ وَلَا كَلَامَ“ (کنز العمال: ۲۱۲۱۲ بحوالہ معجم طبرانی)

جب امام خطبہ کے لئے نکل جائے تو اب نہ نماز ادا کی جائے گی، اور نہ بات کی جائے گی۔

ان احادیث میں آپ ﷺ نے نماز کی صراحتاً نفی فرمائی ہے نیز خاموش رہنے کا بھی حکم دیا ہے، اور بعض روایات میں آپ ﷺ نے بات کرنے کی بناء پر فرمایا کہ اس کا جمعہ ہی نہیں ہوگا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خطبہ کے دوران خاموش رہنا اور خطبہ سننا واجب ہے، اور دورانِ خطبہ نماز پڑھنا خطبہ سننے کے بھی منافی ہے اس لئے دوران خطبہ نہ نماز پڑھی جائے گی، اور نہ بات کی جائے گی۔

مخالف روایت کا جواب:

البتہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک صحابی کو خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد ادا کرنے کا حکم دیا تھا، اور جس کی بناء پر ائمہ کرام دورانِ خطبہ تحیۃ المسجد ادا کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ ان صحابی کی یہ نماز خطبہ سے پہلے تھی، (تبیین الحقائق: ۱۹/۲) اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ خطبہ سے قبل آدمی سنتیں ادا کرلے، لیکن خطبہ شروع ہونے کے بعد تحیۃ المسجد ادا نہ کرے، ورنہ پھر آپ ﷺ کی ان احادیث صریحہ کی مخالفت لازم آئیگی۔

دورانِ خطبہ درودِ شریف پڑھنے کا حکم:

اسی اصول کی بنا پر یہ مسئلہ بھی ذہن میں رکھیں کہ خطبہ کے دوران جب خطیب آیت کریمہ: ”اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا“ (الاحزاب:۵۶) کی تلاوت کرے تو اس وقت سامعین کو جہراً درود شریف پڑھنے کی اجازت نہیں ہے، آہستہ دل ہی دل میں اسے پڑھنے کی گنجائش ہے ” لَا يَجُوْزُ اَنْ يُصَلُّوْا عَلَيْهِ بِالْجَهْرِ بَلْ بِالْقَلْبِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوٰى“ (ردالمحتار: باب الجمعة: ۱۱۳/۶)

کیونکہ اس وقت خطیب درود شریف پڑھوانے کیلئے وہ آیت نہیں پڑھتا ہے، بلکہ دورانِ خطبہ جیسے دوسرے احکام سناتا ہے اسی طرح اس آیت کے ذریعہ حضور پاک ﷺ پر درود شریف اہتمام کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیتا ہے۔ جیسے خطبہ میں یہ حکم سنایا جاتا ہے کہ نماز پڑھو،

زکوۃ دو، رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرو، انصاف قائم کرو، احسان کرو، صلہ رحمی کرو، فحش اور منکر سے بچو، ایسے ہی درود شریف پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ خطیب منبر پر درود شریف پڑھتا ہے تو وہ سب لوگوں کے لئے کافی ہوتا ہے، سب کا پڑھنا ضروری نہیں ہوتا، اگر پڑھنا ہو تو دل ہی دل میں پڑھا جائے، کیونکہ آپ ﷺ نے اس وقت خاموش رہنے کا حکم دیا ہے، نیز جب آپ ﷺ نے اس وقت نماز پڑھنے سے منع کیا ہے تو درودِ شریف کی کیسے اجازت ہوگی؟

کیونکہ حدیث شریف میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ وَالْإِمَامُ عَلَی الْمِنْبَرِ فَلَا صَلَاۃَ وَلَا کَلَامَ حَتّٰی یَفْرُغَ الْاِمَامُ“ (مصنف ابن ابی شیبۃ: ۵۲۱۳ و کنز العمال: ۲۱۲۱۲ بحوالۃ المعجم للطبرانی)

جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو نہ کوئی کلام کیا جائے اور نہ کوئی نماز پڑھی جائے۔ ظاہر ہے کہ درود شریف بھی اسی میں شامل ہے، اس لئے درود شریف بھی با آواز پڑھنا ممنوع ہوگا۔ اللہ پاک ہم سب کو صحیح علم اور عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

افادات: حضرت مفتی شاہ محمد نوال الرحمن صاحب دامت برکاتہم
ترتیب و تخریج: مفتی محمد عطاء الرحمن ساجد قاسمی

بمقام: شریعہ بورڈ آف امریکہ، مئی ۲۰۱۲ واگست ۲۰۰۹
ناشر: شریعہ بورڈ آف انڈیا۔

نمازِ جمعہ اور خطبہ سے متعلق چند غلط فہمیوں کا ازالہ

(حصہ دوم)

بعد از خطبہ مسنونہ:

برادرانِ اسلام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عربی کے علاوہ دوسری زبانوں میں خطبہ کا حکم:

اس سے قبل جمعہ میں آپ حضرات کے سامنے لوگوں میں پائی جانے والی چند غلط فہمیاں اور ان کی اصلاح سے متعلق چند باتیں عرض کی گئی تھیں، آج بھی انہیں میں سے چند باتوں کے مذاکرہ کا ارادہ ہے، ان میں سے ایک مسئلہ جمعہ کے عربی خطبہ کا ہے، جمعہ میں ایک خطبہ تو عربی خطبہ کے علاوہ اردو یا انگلش میں دیا جاتا ہے، اس میں لوگوں کی دینی رہنمائی اور ترغیب وترہیب سے متعلق مضامین بیان کئے جاتے ہیں، جس کو ہم تقریر اور وعظ وغیرہ کہتے ہیں، دوسرا خطبہ وہ ہوتا ہے جو عربی میں دیا جاتا ہے، آج کل کچھ لوگ اس خطبہ کے بارے میں یہ غلط فہمی پیدا کررہے ہیں کہ اس کو بھی عربی کے علاوہ انگلش یا اردو یادوسری اورزبانوں میں دیا جاسکتا ہے، عربی اس کے لئے ضروری نہیں ہے، اب اگر ہم شریعت میں اس کا ثبوت دیکھیں گے تو کہیں ہم کو خطبہ کے غیر عربی میں ہونے کا ثبوت نہیں ملے گا۔بس نفس پرستی اور خواہشات کی اتباع ہے۔اور پھر لوگوں کی تفہیم ہی مقصود ہو تو ساتھ میں اردو یا کسی اور زبان میں اس کو بیان بھی کیا جاتا ہے، اس کے باوجود خطبہ ہی کی زبان کو تبدیل کردینا بالکل نامناسب ہے، اگر آپ کو

غیر عربی میں خطبہ دینا ہے تو اس کا ثبوت دیں، کیا نبی ﷺ نے اس کی اجازت دی ہے، یا کہیں ذخیرۂ احادیث میں اس کا ثبوت ملتا ہے کہ خطبہ غیر عربی میں دے سکتے ہیں، قرآن و حدیث کا دعویٰ کرنے والے اب کہاں گئے؟ دراصل ان کا مقصد اتباعِ نبوی کے مقابلے میں عقل پرستی کو ترجیح دینا ہے۔

غیر عربی میں خطبہ جائز قرار دینے والوں کی دلیل:

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ غیر عربی میں خطبہ دے سکتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں سب لوگ عربی جانتے تھے اس وجہ سے اُس زمانے میں خطبہ بھی عربی زبان میں دیا جاتا تھا، آج لوگ عربی سے واقف نہیں، دوسری زبانیں جانتے ہیں، اور خطبہ کا مقصود لوگوں کی رہنمائی اور دین سے واقف کروانا ہے، اور ظاہر ہے کہ عربی خطبہ دے کر یہ مقصود حاصل نہیں کیا جاسکتا، اس وجہ سے آج خطبہ عربی کے بجائے دوسری زبانوں میں بھی دیا جاسکتا ہے۔

مخالفین کی دلیل کا جواب:

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات ہی صحیح نہیں ہے کہ اس زمانے میں لوگ عربی زبان ہی جانتے تھے، اس وجہ سے خطبہ بھی عربی میں دیا جاتا تھا، کیونکہ حضور ﷺ کے پاس مختلف قبائل کے لوگ آتے تھے، اور عربی کے علاوہ دوسری زبان جاننے والے بھی آتے تھے، لیکن کبھی آپ ﷺ نے ان کی رعایت میں عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں خطبہ نہیں دیا، نہ آپ نے کبھی کسی صحابی کو یہ کہا کہ فلاں قبیلہ کے لوگ آئے ہوئے ہیں ان کے لئے اس کا ترجمہ کردو یا خطبہ ان کی زبان میں دیدو، جب کہ آپ کے پاس کئی قبائل اور کئی ممالک کے لوگ آتے تھے، لیکن کسی ایک جگہ بھی آپ نے ان کی رعایت کرتے ہوئے غیر عربی میں خطبہ دینے کی بات نہیں فرمائی۔

کیا آپ ﷺ نے کبھی صحابہ کو غیر عربی میں خطبہ کا حکم دیا؟

دوسری بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کو تعلیم اور تبلیغ کے لئے دوسرے ممالک میں بھی بھیجا، بلکہ صحابہ نے دنیا کے گوشے گوشے میں اسلامی تعلیمات اور اسلامی احکامات کو پھیلایا، اور وہاں عربی کے علاوہ دوسری زبانیں رائج تھیں، لیکن آپ ﷺ نے کسی صحابی کو عربی کے علاوہ دوسری زبان میں خطبہ دینے کا حکم نہیں دیا، اور پھر آپ ﷺ کے بعد صحابہ کے زمانے میں اسلام عجم میں کافی پھیل گیا، اور اہلِ عرب کے علاوہ عجمیوں کی تعداد بھی کم نہ تھی، بلکہ عجمی ہی زیادہ تھے، اور پھر اسلام کی تبلیغ آج کے مقابلہ میں اس موقع پر زیادہ اہم تھی، اور آج سے زیادہ ضرورت اُس وقت تھی، لیکن کسی صحابی نے عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں خطبہ نہیں دیا۔ کیا اس ضرورت کا نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو احساس نہیں تھا؟ ظاہر ہے کہ ہم سے زیادہ احساس انہیں تھا، بلکہ وہ اس کے لئے وقف تھے! اس لئے آج اس فلسفہ کو پیش کرنا، سراسر غلط فہمی، جہالت اور گمراہی ہے۔

کیا صحابہ عربی کے علاوہ دوسری زبانیں نہیں جانتے تھے؟

اگر یہ کہا جائے کہ صحابہ دوسری زبانیں نہیں جانتے تھے تو یہ بھی غلط ہے، کیونکہ کئی صحابہ رضی اللہ عنہ عربی کے علاوہ دوسری زبانیں جانتے تھے اور اس زبان میں تقریر کرتے تھے، جیسا کہ کتابوں میں ان کے بارے میں فارسی رومی حبشی زبانیں جاننے کا ذکر ملتا ہے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فارس کے رہنے والے تھے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشہ کے رہنے والے تھے، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ روم کے رہنے والے تھے، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کئی زبانیں جانتے تھے، مولانا مناظر حسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفصیل لکھی ہے کہ کون کون صحابہ کو کونسی کونسی زبانیں اور کتنی زبانیں آتی تھیں، یہ سارے صحابہ لوگوں سے خطاب کرتے تھے، جمعہ پڑھاتے تھے، لیکن کسی ایک صحابی نے بھی دوسری زبان کی ضرورت ہونے کے باوجود اور

دوسری زبان سے واقفیت کے باوجود کبھی عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں خطبہ نہیں دیا، جو خود اس بات کی بین دلیل ہے کہ خطبۂ جمعہ عربی ہی میں دینا چاہیے، کسی اور زبان میں اس کی اجازت نہیں ہے۔

خطبۂ جمعہ کی حقیقت اور مقصد:

تیسری بات یہ ہے کہ خطبہ کا مقصد سمجھنے سے لوگ اندھیرے میں ہیں، کیونکہ خطبہ کا اصل مقصد ذکر اللہ، اللہ کی تعظیم اور اللہ کی بڑائی بیان کرنا ہے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ جمعہ کی آیت "فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سے مراد خطبہ اور نماز ہے۔

"وَالۡمُرَادُ بِذِکۡرِ اللّٰہِ الۡخُطۡبَۃُ وَالصَّلَاۃُ"

اور مراد ذکر اللہ سے خطبہ اور نماز ہے۔ (روح المعانی: ۹/۲۱)

عام مفسرین نے ذکر اللہ سے خطبہ ہی مراد لیا ہے، اس لئے خطبہ کی حقیقت دراصل ذکر اللہ ہے، اور اسی وجہ سے خطبہ میں صرف اللہ کی تعریف اور تحمید کی جائے تو خطبہ ادا ہو جاتا ہے۔

چنانچہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وَالثَّانِیۡ ذِکۡرُ اللّٰہِ تَعَالٰی کَذَا فِی الۡبَحۡرِ الرَّائِقِ وَکَفَتۡ تَحۡمِیۡدَۃٌ اَوۡ تَھۡلِیۡلَۃٌ اَوۡ تَسۡبِیۡحَۃٌ کَذَا فِی الۡمُتُوۡنِ ھٰذَا اِذَا کَانَ عَلٰی قَصۡدِ الۡخُطۡبَۃِ" (فتاویٰ ہندیہ: الباب السادس عشر فی صلاۃ الجمعۃ، ۱/۱۴۶)

"جمعہ میں دو چیزیں فرض ہیں (۱) خطبہ کا زوال کے بعد نماز سے پہلے ہونا، اگر کسی نے زوال سے پہلے یا نماز کے بعد خطبہ دیا تو جائز نہیں ہے۔ دوسرا فرض خطبہ میں ذکر اللہ کا ہونا ہے، اور اس میں صرف تحمید، تہلیل اور تسبیح کافی ہے"

خطبہ میں اگر کوئی ذکر بالکل نہ کرے، اللہ کی حمد و ثنا بیان نہ کرے، صرف وعظ و نصیحت کرتا رہے تو اس کا خطبہ ادا نہ ہو گا۔ اس سے پتہ چلا کہ خطبہ کا مقصد ذکر اللہ ہے، وعظ و تذکیر نہیں۔

خطبہ صحتِ جمعہ کے شرائط میں سے کیوں ہے؟

چوتھی بات یہ ہے کہ خطبہ صحتِ جمعہ کے شرائط میں سے ہے، اگر خطبہ نہ دیا جائے تو جمعہ صحیح نہیں ہوگا، نیز نماز کی طرح اس کا قبل از وقت دینا بھی صحیح نہیں ہے، اگر کوئی وقت سے قبل خطبہ دیدے تو اس کا اعادہ بھی ضروری ہے۔ (البحر الرائق:۲/۱۵۸)

اگر مقصود وعظ ہوتا تو اعادہ کی ضرورت کیوں ہے؟ اگر مقصود وعظ ہے تو وقت سے پہلے دینا کیوں ناجائز ہے؟ اگر مقصود وعظ ہے تو حاضرین اگر سو رہے ہیں تب بھی خطبہ کیوں ادا ہو جاتا ہے؟ اس سے پتہ چلا کہ خطبہ کا مقصودِ اصلی ذکر اللہ ہے۔

خطبہ کے ارکان، شرائط، مستحبات اور مسنونات کیوں ہیں؟

پانچویں بات یہ ہے کہ ابتداء میں خطبہ کے ارکان، شرائط، سنن، مستحبات، اور مکروہات وغیرہ بیان کئے گئے ہیں، جو اس بات کو بتلاتے ہیں کہ خطبہ کا مقصدِ اصلی وعظ و تذکیر نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصدِ اصلی ذکر اللہ ہے، یہ اور بات ہے کہ خطبہ میں وعظ و تذکیر ہونی چاہیے، اور آپ ﷺ اس کا لحاظ فرماتے تھے، لیکن وہ خطبہ کی حقیقت اور خطبہ کا رکن نہیں ہے۔ غرض اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ خطبہ کا حقیقی مقصد ذکر اللہ ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ثابت گیا کہ آپ ﷺ اور صحابہ کرام نے ہمیشہ خطبہ عربی ہی میں دیا ہے، کسی ملک یا کسی قبیلہ کے لوگوں کے لئے کسی اور زبان میں خطبہ دینے کا ذکر موجود نہیں، اگر چہ کہ سامعین میں عجمی بھی ہوتے تھے، لیکن پھر بھی کبھی دوسری زبان میں خطبہ دینا ثابت نہیں ہے، اس لئے خطبۂ جمعہ صرف عربی ہی میں دینا جائز ہوگا، کسی اور زبان میں دینا جائز نہیں ہوگا۔ اور یہ کہنا کہ افہام و تفہیم اور وعظ و تذکیر اس کا مقصد ہے، اور لوگ عربی زبان نہیں جانتے، جس کی وجہ سے خطبہ کا مقصد فوت ہو رہا ہے، اس لئے خطبہ کسی اور زبان میں دینے کی گنجائش ہوگی، یہ غلط ہے۔

کیا اذان کسی دوسری زبان میں دی جاسکتی ہے؟

چھٹی بات یہ ہے کہ ان کا یہ مدعیٰ اٹھانا بھی جہالت پر مبنی ہے، جیسے اگر کوئی کہے کہ اذان کا مقصد لوگوں کو نماز کے لئے بلانا ہے، اور لوگ اذان کا ترجمہ نہیں جانتے، اس لئے اذان کا ترجمہ

پکارا جائے، اور اسے انگریزی یا کسی اور زبان میں دیا جائے تاکہ لوگ اس کو سمجھ سکیں تو جیسے ان کی یہ بات بے وقوفی اور جہالت پر مبنی ہے ایسے ہی خطبہ کو غیر عربی میں دینے کی بات کرنا بھی بے وقوفی اور جہالت پر مبنی ہے۔

خطبہ نماز کے مشابہ ہے:

ساتویں بات یہ ہے کہ علماء نے لکھا ہے کہ خطبہ نمازِ ظہر کی دو رکعت کے قائم مقام ہے کیونکہ ظہر میں چار رکعتیں پڑھی جاتی ہیں، اور جمعہ میں دو رکعت پڑھی جاتی ہے اور دو رکعت کے قائم مقام خطبہ ہے، اس لئے جیسے نماز عربی میں ادا کرنا ضروری ہے، ایسے ہی خطبہ بھی عربی میں دینا ضروری ہے۔ اگر خطبہ سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے اس کو غیر عربی میں دے سکتے ہیں تو پھر نماز میں قرآن نہ سمجھ میں آنے کی وجہ سے اور اذان کا ترجمہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے ان کا بھی غیر عربی میں ادا کرنے کا جواز نکلے گا۔

اسی وجہ سے خطبہ کے کچھ احکام وہ ہیں جو نماز کے مشابہ ہیں، جیسے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اِذَا قَعَدَ الْاِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ فَلَا صَلَاةَ" (مصنف ابن ابی شیبۃ:۵۲۱۳ و کنز العمال:۲۱۲۱۲ بحوالۃ المعجم للطبرانی)

جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو کوئی نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

ایسے ہی ایک روایت میں فرمایا:

"اِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَنْصِتْ، وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ" (صحیح بخاری:۹۳۴)

جس نے اپنے ساتھی سے جمعہ کے دن کہا کہ خاموش ہو جاؤ اور امام اس وقت خطبہ دے رہا ہو تو اس نے لغو کیا۔

ان احادیث میں آپ ﷺ نے نماز کی صراحتاً نفی فرمائی ہے اور خاموش رہنے کا حکم دیا ہے، اور بعض روایات میں بات کرنے کی بناء پر آپ نے فرمایا کہ اس کا جمعہ ہی نہیں ہوگا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خطبہ کے دوران خاموش رہنا واجب ہے، اور دورانِ خطبہ نماز پڑھنا بھی خطبہ سننے کے منافی ہے اس لئے خطبہ کے دوران نہ نماز پڑھنے کی اجازت ہے اور نہ بات

کرنے کی اجازت ہے، نہ تلاوت کی اجازت ہے، نہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اجازت ہے، اگر خطبہ کا مقصد وعظ و تذکیر اور اسپیچ ہوتا جیسا کہ آج کے لوگ سمجھ رہے ہیں تو اس کا حکم اتنا سخت کیوں ہے؟ بات کرنے کی تک اجازت نہیں ہے، کسی کو خاموش کہنے تک کی اجازت نہیں ہے۔

اس لئے میرے دوستو! ذرا اس مضمون کو سمجھیں، اگر کسی کو خطبہ کا مضمون سمجھ میں نہیں آرہا ہے تو نہ آنے دو، کیونکہ اس کا مقصود ذکر اللہ ہے اور وہ ادا ہو رہا ہے، جیسے نماز سمجھ میں نہ آنے کے باجود اس کو ادا کرنا صحیح ہے، ایسے ہی چاہے یہ بھی سمجھ میں نہ آئے لیکن یہ عبادت ہے، اس لئے اس کو ادا کرنا ہے۔

آج ہمارے لوگوں کو یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے، دین کے جو کام ہیں ان میں نماز سب سے اہم فرض ہے، اب اس میں خود آدمی کو یہ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں پھر بھی اس کو پڑھتا ہے، اس نماز میں اس کو اعتراض نہیں ہو رہا ہے تو اس میں کیوں ہو رہا ہے؟ اس لئے چاہے ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے خطبہ کو عربی ہی میں دیا جائے گا۔ دوسری کسی اور زبان میں اس کا دینا جائز نہیں ہو گا۔

یہ کچھ تفصیل تو میں نے ذکر کر دی، اس کے علاوہ علماء نے باضابطہ اس پر کلام کیا ہے، بالخصوص حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے متعلق ایک استفتاء کا بڑا تشفی بخش اور مفصل جواب دیا ہے، اگر کسی کو تفصیل دیکھنی ہو تو وہاں دیکھ لیں۔

عربی خطبہ سے قبل اردو خطبے کی شرعی حیثیت:

اسی سے متعلق ایک مسئلہ بلکہ اعتراض اور اس کا جواب ذہن میں رکھیں، جس سے جو ساتھی عربی خطبہ کے سمجھ میں نہ آنے کی شکایت کرتے ہیں اور دوسری زبانوں میں خطبہ کے جائز ہونے کا ہنگامہ کھڑا کرتے ہیں، ان کی بھی شکایت دور ہو جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ جمعہ کے دن عربی خطبہ سے پہلے اردو زبان میں خطیب حضرات کچھ دیر بیان کرتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا

ہے؟ کیا شرعاً اس کا کائی ثبوت ہے؟ کیا یہ خلافِ سنت اور بدعت نہیں ہے؟ مسئلہ سمجھنے سے پہلے بدعت کی حقیقت کو جاننا ضروری ہے، جو اس سے پہلے کئی بار آپ کو بتائی گئی کہ بدعت ہر نئی چیز یا بعد میں پیدا شدہ چیز نہیں کہا جاتا ہے، بلکہ بدعت کہتے غیر ثابت کو ثابت اور غیر سنت کو سنت قرار دینا اور اس کو دین کا ضروری حصہ قرار دینا، اگر کوئی ایسا فعل جو حضور ﷺ یا صحابہ یا تابعین کے زمانے میں نہیں تھا، بعد میں لوگوں نے اسے اپنایا، لیکن اسے سنت قرار نہیں دیا اور اسے آپ ﷺ سے ثابت نہیں مانا بلکہ وقت کی ضرورت کی وجہ سے یا کسی مصلحت کی وجہ سے اسے کیا جارہا ہے تو وہ بدعت نہیں کہلائے گی، اگر اس کو دین کا حصہ سمجھ رہے ہیں یا آپ ﷺ سے ثابت مان رہے ہیں یا اس کو سنت سمجھ رہے ہیں تو وہ بدعت ہو گا۔ اس پسِ منظر میں اردو خطبہ کی شرعی حیثیت کو سمجھیں۔

عربی خطبہ سے قبل وعظ خلفاءِ راشدین سے ثابت ہے:

پہلی بات یہ ہے کہ کیا اس کا ثبوت قرنِ اول میں ہمیں ملتا ہے یا نہیں؟ یہ بات تو متعین ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں عربی خطبہ ہوتا تھا، کوئی اور وعظ اس سے قبل نہیں ہوتا تھا، لیکن حضرت عمر کے زمانے میں اس کی ابتداء ہوئی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا عمل:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے منبر کے پاس کھڑے ہو کر احادیث سنایا کرتے تھے۔

”فَإِذَا سَمِعَ حَرَكَةَ بَابِ الْمَقْصُوْرَةِ بِخُرُوْجِ الْإِمَامِ جَلَسَ“

پھر جب امام کے نکلنے کی آواز وغیرہ سنتے تو بیٹھ جاتے۔

چنانچہ مستدرکِ حاکم میں محمد بن زید کی یہ روایت ہے، اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام حاکم فرماتے ہیں، ”انما الغرض فيه استحباب رواية الحديث عند المنبر قبل خروج الامام“ (المستدرک علی الصحیحین: کتاب العلم، ۳۶۷، تعلیق الذهبي في التلخيص: فيه انقطاع)

اس حدیث میں امام کے نکلنے سے قبل منبر کے پاس ٹھہر کر حدیث بیان کرنے کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کا عمل:

اسی طرح حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں خطبہ سے پہلے وعظ فرمایا کرتے تھے۔امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ سب سے پہلے مسجد نبوی میں تمیم داری ہی نے وعظ کیا۔ ''وَكَانَ أَوَّلُ مَنْ قَصَّ تَمِيماً الدَّارِيَّ اسْتَأْذَنَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَنْ يَقُصَّ عَلَى النَّاسِ قَائِماً فَأَذِنَ لَهُ عُمَرُ'' (مسند احمد: ۱۶۱۲۶ و إسناده ضعيف من أجل بقية بن الوليد الحمصي، فهو مدلس، لیکن حسین سلیم اسد الدارانی موارد الظمآن کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: نقول: هذا إسناد صحيح، فقد صرح بقية بالتحديث فانتفت شبهة تدليسه. والزبيدي هو محمد بن الوليد (موارد الظمآن: ۱/۷۲۱، اگر بالفرض ضعف تسلیم بھی کیر لیا جائے تو متعدد طرق سے مروی ہونے کی وجہ سے اس کا ضعف ختم ہو جاتا ہے)

غرض وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے وعظ کے لئے اجازت مانگتے رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ انکار فرماتے رہے، انکار کی وجہ غالباً یہ ہوسکتی ہے کہ صحابہ و تابعین کے زمانہ میں عربی خطبہ ہی وعظ کے لئے کافی ہوتا تھا، کیونکہ عربی سمجھتے تھے، دوبار وعظ بے ضرورت تھا نیز ضبط و نظم کے لئے بھی انکار مناسب تھا۔ لیکن جب وہ بار بار اجازت چاہنے لگے تو حضرت عمر نے کہا کہ تم کیا چیزیں بیان کروگے؟ کہنے لگے کہ میں ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کروں گا، وعظ و نصیحت کی باتیں کروں گا، خیر کا حکم دوں گا اور شر سے روکوں گا، تو حضرت عمر نے ان کو اجازت دیدی، کیونکہ ہوسکتا ہے بعد میں اس کو مناسب سمجھا، اور فرمایا: ''عِظْ قَبْلَ اَنْ اَخْرُجَ لِلْجُمُعَةِ'' کہ میرے جمعہ کو نکلنے سے پہلے تم وعظ و نصیحت کرو، چنانچہ وہ ہفتہ میں ایک دن وعظ کرتے تھے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اجازت چاہی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی

اجازت دیدی، پھر اس کے بعد حضرت تمیم داری رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے ایک اور دن وعظ کرنے کی اجازت چاہی، تو حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے ایک اور دن کی اجازت دیدی۔ (تاریخ اسلام للذہبی:٣/٦١٦ تاریخ مدینۃ دمشق:١١/٨٨)

معلوم ہوا کہ صحابہ وخلفائے راشدین رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُم کے زمانے میں بھی جمعہ کے خطبہ سے پہلے وعظ کرنا ثابت ہے۔

اس لئے اگر کوئی آج جمعہ سے قبل کسی اور زبان میں جمعہ کے عربی خطبہ کی وضاحت کرے تو وہ بھی جائز ہوگا، کیونکہ خلفاء راشدین سے یہ ثابت ہے، اور ان کی اس پر نکیر نہیں بلکہ اجازت ہے، اور متعدد طرق سے مروی ہے، اگر بالفرض روایات کی سندی حیثیت پر کلام کرکے اس کو ثابت نہ مانے تو تب بھی یہ بدعت نہیں ہے، کیونکہ بدعت کا مطلب ابھی اوپر لکھا گیا، غیر ثابت یا غیر سنت کو سنت قرار دینا، اور اس کو ضروری سمجھنا، اور ہم اسے نہ سنت کہتے ہیں اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت مانتے ہیں، بلکہ عوام کے لئے اصلاحی باتیں سننے سے، کچھ ترغیب اور ترہیبی مضامین سننے سے عمل کا داعیہ پیدا ہو اور دین پر چلنا آسان ہو، اس پس منظر میں اس کی اجازت دیتے ہیں اس لئے یہ نہ صرف جائز بلکہ ممدوح بھی ہوگا۔

عربی کے علاوہ دوسری زبانوں میں خطبہ کا مناسب وقت:

رہی یہ بات کہ عربی کے علاوہ دوسری زبان میں خطبہ یا تقریر یا وعظ کب کیا جائے تو اس کا ایک بہتر وقت یہ ہے کہ نمازِ جمعہ کے بعد یہ وعظ کیا جائے، لیکن اگر ایسا دشوار ہو یا مناسب سمجھ میں نہ آئے یا لوگ نہ ٹھہر رہے ہوں تو جمعہ کے عربی خطبہ اور نماز سے قبل ممبر کے بجائے نیچے ٹہر کر اسے بیان کیا جائے اور لوگوں کو سنتوں کا موقع دیا جائے اس کے بعد امام منبر پر جائے اور اذان کے بعد عربی خطبہ دے اور نماز پڑھادے، یہ صورت بھی مناسب ہے، اور عام طور پر اسی کا رواج ہے۔

ایک مسجد میں دو مرتبہ جمعہ ادا کرنے کا حکم:

ایک غلطی نمازِ جمعہ سے متعلق یہ دیکھنے میں آرہی ہے کہ ایک ہی مسجد میں دو مرتبہ نمازِ جمعہ ادا کی جارہی ہے، وقتِ ضرورت ایک ہی مسجد میں دو مرتبہ جمعہ ادا کرنے کی علماء نے اجازت دی ہے، لیکن اس کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ پہلے جمعہ میں لوگ اتنے جمع ہوجائیں کہ تمام لوگوں کے لئے جگہ ناکافی ہو، اور اس کے علاوہ کوئی اور مسجد بھی نہ ہو تو پھر اس میں دو مرتبہ نماز جمعہ ادا کی جاسکتی ہے، لیکن بعض جگہوں پر میں نے دیکھا کہ پہلی جماعت میں دو صفیں پُر ہیں، اور بقیہ چھ آٹھ صفیں خالی ہیں، اس طرح دو مرتبہ کسی مسجد میں نماز جمعہ ادا کی جائے، تو پھر یہ صحیح نہیں ہے، یہ مسلمانوں کے اتحاد اور ان کی جمعیت کی شان میں افتراق پیدا کرنا، اور جماعت اور نماز کی اہمیت کو ختم کرنا ہے۔

نماز جمعہ اور شریعت کا منشا:

اس مسئلہ میں شریعت کا منشاء کیا ہے؟ جمعہ کی نماز کی حقیقت کیا ہے؟ جمعہ کو جمعہ کیوں کہا جاتا ہے؟ اس کی طرف دھیان ہی نہیں جاتا، نماز کے بارے میں فرمایا گیا کہ ”اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ“ (صحیح بخاری: کتاب الکسوف: ۱۰۵۱) نماز لوگوں کو جمع کرنے والی ہے، جمعہ کو جمعہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ سب لوگ اس دن جمع ہوتے ہیں، لیکن لوگ شریعت کے اس منشاء کی پرواہ ہی نہیں کرتے، اس لئے دو دو تین تین جماعتیں ایک ہی مسجد میں بنائی جارہی ہیں، ہاں اگر مسجد مختصر ہو اور لوگ بہت زیادہ آتے ہوں، اور جگہ ان سب کے لئے ناکافی ہو اور وہاں دیگر مساجد بھی نہ ہوں، تو اس مسجد میں متعدد جمعے ادا کئے جاتے ہوں تو علماء نے ضرورتاً اس کی گنجائش دی ہے، لیکن اگر نماز جمعہ میں کئی صفیں خالی ہوتی ہوں اور پھر اسی مسجد میں کئی جماعتیں ہوتی ہیں تو یہ ناجائز ہے، اس میں نہ دین کا کوئی پاس ولحاظ ہے اور نہ شریعت کے منشاء کی رعایت، بس نفس اور خواہشات کی پیروی ہے۔

زوال سے پہلے خطبہ یا نمازِ جمعہ کا حکم:

ایک غلط فہمی لوگوں میں اوقاتِ نماز سے متعلق بھی پائی جاتی ہے، جس کا شروع میں ذکر کیا جاچکا ہے، مسلمان آہستہ آہستہ نمازِ جمعہ یا خطبۂ جمعہ وقت سے پہلے ہی ادا کررہے ہیں، اس وجہ سے اس مسئلہ سے متعلق بھی کچھ وضاحت ضروری ہے۔

یاد رکھئے! کہ جو خطبہ اور جمعہ قبل از وقت ادا کیا جارہا ہے، وہ صحیح نہیں، اور اس جمعہ میں امام کی اقتدا بھی صحیح نہیں ہے۔ اسی وجہ سے کتب فتاویٰ میں خطبہ جمعہ کے بارے میں لکھا ہے:

"فَالْفَرْضُ شَيْئَانِ... اَلْوَقْتُ وَهُوَ بَعْدَ الزَّوَالِ وَقَبْلَ الصَّلَاةِ حَتّٰى لَوْ خَطَبَ قَبْلَ الزَّوَالِ اَوْ بَعْدَ الصَّلَاةِ لَا يَجُوْزُ هٰكَذَا فِي الْعَيْنِيِّ شَرْحِ الْهِدَايَةِ"

"خطبۂ جمعہ میں دو چیزیں فرض ہیں (۱) خطبہ کا زوال کے بعد نماز سے پہلے ہونا، اگر کسی نے زوال سے پہلے یا نماز کے بعد خطبہ دیا تو جائز نہیں ہے۔

وقت سے پہلے عبادت ادا ہی نہیں ہوتی:

اس لئے اگر کسی امام نے جمعہ وقت سے پہلے پڑھائی اور لوگوں نے اس کی اقتداء کی تو پھر ان سب کو دوبارہ جمعہ ادا کرنا ہوگا۔ کیونکہ نماز وقت سے پہلے فرض ہی نہیں ہوتی، اس لئے اگر اسے قبل از وقت ادا بھی کرلیا جائے تب بھی وہ کالعدم ہوگی، جیسے اگر کسی نے زکوٰۃ فرض ہونے سے قبل ہی دیدی تو اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ اسی طرح کسی بچہ نے نابالغی کی حالت میں حج کرلیا تو بالغ ہونے کے بعد اگر وہ صاحبِ استطاعت ہو تو دوبارہ اس کو حج ادا کرنا ضروری ہوگا، بچپن میں کئے ہوئے حج سے اس کا فریضہ ادا نہیں ہوگا، کیونکہ جو حج اس نے ادا کیا ہے وہ وقت سے پہلے ہوا ہے، ابھی اس پر حج فرض نہیں ہوا تھا، اس لئے دوبارہ اسے حج ادا کرنا ہوگا، اسی طرح اگر کسی نے رمضان کے بجائے کسی دوسرے مہینے میں روزہ رکھ لیا، تاکہ گرما کے زمانے میں تپتی ہوئی دھوپ اور پیاس کی شدت میں روزہ رکھنے سے بچ سکے، اور آسانی سے روزے مکمل ہو سکیں تو

اس کے روزے ادا نہیں ہوں گے؟ کیونکہ روزوں کا وقت مقرر ہے، اس وقت سے قبل یا اس کے بجائے کسی دوسرے وقت میں جس وقت وہ واجب نہ ہو اگر روزہ رکھا جائے تو وہ ادا نہیں ہوگا، یہی حال نماز کا ہے، اگر وقت سے قبل نماز ادا کی جائے، یا خطبہ دیا جائے تو نہ اس خطبہ کا اعتبار ہوگا اور نہ اس نماز کا اعتبار ہوگا۔ کیونکہ کبھی نہ آپ ﷺ نے زوال سے قبل اسے ادا فرمایا، اور نہ کسی صحابی نے۔

وقت سے پہلے جمعہ ادا کرنے والوں کی دلیل اور ان کا جواب:

جو لوگ وقت سے پہلے جمعہ ادا کرتے ہیں وہ اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ جمعہ کو مسلمانوں کی عید کہا گیا ہے، اور عید کی نماز کا وقت اشراق کے بعد شروع ہوتا ہے اس لئے جمعہ کا وقت بھی اشراق کے بعد شروع ہو جائے گا، اشراق کے بعد اس کو ادا کرنا صحیح ہوگا۔ اس کے ثبوت کے لئے نہ کوئی قرآن کی آیت پیش کرتے ہیں، نہ کوئی حدیث شریف، بلکہ ایک واہیات قسم کا قیاس پیش کرتے ہیں، جس کی تصریح علماءِ امت میں سے آج تک کسی نے نہیں کی۔

ان کی اس جہالت کا جواب بشکل سوال یہ ہے کہ بقول آپ کے جمعہ کو عید کہا گیا ہے، اور عید کی نماز طلوع شمس کے بعد ہوتی ہے، اس لئے جمعہ بھی طلوع شمس کے بعد ادا کیا جا سکتا ہے، تو سوال یہ ہے کہ کیا عید کے دن نمازِ عید کے بعد ظہر ادا کی جاتی ہے یا نہیں؟ اب جب کہ آپ نے جمعہ کو عید کہہ کر طلوع کے بعد ادا کر لیا اور عید کے دن نماز ظہر ہوتی ہے، تو جمعہ کے دن کی ظہر کہاں گئی؟ کیونکہ عید کے دن بھی ظہر ادا کی جاتی ہے۔

آپ ﷺ نے عید اور جمعہ علاحدہ کیوں ادا فرمایا؟

روایات میں صراحت ہے کہ آپ ﷺ نے جمعہ کے دن عید آنے پر عید کی نماز الگ پڑھی ہے، اور جمعہ کی نماز الگ پڑھی ہے، (صحیح مسلم: باب ما یقرأ في صلاة الجمعة: ٢٠٦٥) اگر جمعہ اور عید ایک ہی ہوتے تو پھر جمعہ کی ضرورت ہی نہیں تھی، سرکار دوعالم ﷺ نے اسے کیوں پڑھا؟

آپ کو بھی اسے ترک کرنا چاہئے تھا، پتہ چلا کہ دونوں کا حکم الگ ہے، جمعہ الگ ہے، اور عید الگ ہے، اس لئے یومِ جمعہ کو عید پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جمعہ دراصل ظہر کی جگہ میں ہے، اسی لئے دونوں کا وقت بھی ایک ہی ہے، اوراسی وجہ سے اگر کسی کا جمعہ چھوٹ جائے تو اس کو ظہر ادا کرنے کا حکم ہے، اس لئے اگراس کو قیاس کرنا تھا توظہر کی نماز پر مناسب تھانہ کہ عید کی نماز پر۔

جمعہ کو عید المومنین کہنے کی وجہ:

رہی یہ بات کہ اسے مومنین کی عید کہا گیاتو وہ اس کی فضیلت کے پیش نظر کہا گیا، جیسا کہ اس کی کچھ فضیلتیں اس سے قبل بھی بیان کی گئیں کہ "اللہ پاک کے نزدیک سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے"، اور جمعہ کے دن جس کی موت ہوتی ہے تو اس کا نام شہیدوں میں لکھا جاتا ہے، اور عذاب قبر سے اس کو محفوظ کر دیا جاتا ہے، اور جو لوگ حج ادا کرنے سے محروم ہیں تو اس دن کو ان کے لئے حج کا دن قرار دیا جاتا ہے، نیز حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں داخل کیا گیا، اسی دن وہ زمین پر تشریف لائے، اور قیامت بھی اسی دن آنے والی ہے، ان فضیلتوں کے پیش نظر اسے مؤمنین کی عید کہا گیاہے۔

تشبیہ اہمیت اور فضیلت کے اعتبار سے ہے:

تشبیہ سے مسائل میں تشبیہ مراد نہیں ہے، بلکہ اس کی فضیلت، اہمیت، عظمت اور خوشی کے اعتبار سے تشبیہ دینا مراد ہے۔ جیسے تمام مساجد کو بیت اللہ یعنی اللہ کا گھر کہا گیاہے، تو کیا ہر مسجد کا طواف کیا جائے گا؟ کیونکہ وہ سب بیت اللہ ہیں، ظاہر ہے کہ یہ مساجد کی اہمیت اور فضیلت بتانے کے لئے ہے، ایسے ہی یہاں بھی اسی اعتبار سے تشبیہ دی گئی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اوقات وغیرہ سے متعلق مسائل توقیفی ہیں، ان کے ثبوت کے لئے صریح نص کی ضرورت ہوتی ہے، جب تک اللہ اور اسکے رسول اس بارے میں صراحت نہ کریں اس وقت تک محض رائے کے

ذریعہ اس کو ثابت نہیں کیا جاسکتا، اگر اس میں قیاس اور اجتہاد سے کام لیا جائے تو وہ محض گمراہی، ضلالت اور قرآن و حدیث پر عمل کے بجائے خواہشات اور نفس کی پیروی ہے، اس لئے جو ظہر کا وقت ہے وہی جمعہ کا بھی وقت ہے، اس لئے وقت سے پہلے خطبہ دینا یا جمعہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔

لوگوں نے آج دین کا کھیل اور تماشہ بنا رکھا ہے، دین کے تعلق سے بالکل بے لگام ہو چکے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو اغراض دنیویہ کی خاطر ٹھکرا رہے ہیں، گمراہی اور ضلالت کو مذہب کا رنگ دے کر امت میں انتشار پیدا کر رہے ہیں۔ اس طرح گویا وہ دین اور شریعت کو چیلنج کر کے نفس پرستی اور دنیا پرستی کی بنیاد پر بگاڑ اور امتِ مسلمہ میں تفرقہ پیدا کر رہے ہیں۔ اللہ پاک اس ضلالت اور گمراہی سے ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

مسئلۂ جمع بین الصلاتین:

اسی طرح ایک اور گمراہی یہ پھیلائی جارہی ہے کہ لوگ نمازِ ظہر اور جمعہ کی ادائیگی کے بعد فوراً عصر کی نماز ادا کر رہے ہیں، یہ بھی ایک بہت بڑی گمراہی ہے۔ آج اس حقیر سی دنیا اور اس کے مال و دولت کے پیچھے اپنے اعمال کو بگاڑا جارہا ہے اور اپنی آخرت کو سنوارنے کے بجائے خراب کیا جارہا ہے، اور اپنی ملازمت اور جاب (Job) کے بہانے نمازوں کو تباہ و برباد کیا جارہا ہے اور وقت سے پہلے ہی ان کو ادا کیا جارہا ہے، دراصل یہ دین اور شریعت سے دوری اور دلوں میں اس کی اہمیت اور عظمت نہ ہونے کا نتیجہ ہے، جب لوگوں کے دلوں میں مال و دولت کی محبت رچ بس گئی تو اللہ اور اس کے رسول کی اہمیت اور عظمت دلوں سے رخصت ہوگئی۔ اور ان کے نازل کردہ احکام کی کوئی اہمیت نہیں رہی، یہ غلط فہمیاں دراصل اوقاتِ نماز سے ناواقفیت کا نتیجہ ہیں، اس لئے اوقات کے بارے میں قرآن و حدیث کیا کہتے ہیں اس کی کچھ وضاحت ضروری ہے، اس تعلق سے چند باتیں ذہن میں رکھیں۔

نمازوں کے اوقات منصوص ہیں:

پہلی بات یہ ہے کہ نمازوں کے اوقات قرآن وحدیث میں وضاحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، ان میں کسی قسم کی تقدیم وتاخیر جائز نہیں ہے، قرآن مجید میں اللہ پاک نے فرمایا ہے:

"إِنَّ الصَّلاَةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا" (النساء:۱۰۳)

"بے شک نماز مسلمانوں پر وقتِ مقررہ کے ساتھ فرض ہے"

اس کی ابتدا کا بھی ایک وقت ہے اور اس کے ختم ہونے کا بھی ایک وقت ہے، اور یہ وقت سب نمازوں کیلئے ہے، چاہے وہ فجر ہو، یا ظہر ہو، یا عصر ہو، یا مغرب ہو، یا عشاء ہو، یا جمعہ ہو۔

نمازوں میں سستی پر وعید:

"فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ۔ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلاَتِهِمْ سَاهُوْنَ" (الماعون:۴و۵)

"پھر بڑی خرابی ہے ان نماز پڑھنے والوں کے لئے جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں"

نمازوں میں سستی کی ایک صورت یہی ہے کہ ان کو وقت پر ادا نہ کیا جائے، اور اوقات میں تقدیم و تاخیر کرکے اس اعتبار سے نمازیں ادا کی جائیں، اور نمازوں کو قبل از وقت ہی ادا کرلیا جائے، یہ اس آیت کے عموم میں داخل ہے، گویا اس اعتبار سے یہ وعید ایسے لوگوں کو بھی شامل ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ احادیث میں آپ ﷺ کا دائمی عمل یہی بتایا گیا ہے کہ آپ ہمیشہ جمعہ کی نماز سورج کے زائل ہونے کے بعد یعنی ظہر کا وقت شروع ہونے کے بعد ادا فرماتے تھے۔

آپ ﷺ نے سوائے مزدلفہ کے کہیں جمع بین الصلاتین نہیں کیا:

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى صَلاَةً بِغَيْرِ (لِغَيْرِ) مِيْقَاتِهَا إِلَّا صَلاَتَيْنِ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَصَلَّى الْفَجْرَ قَبْلَ مِيْقَاتِهَا" (صحیح بخاری: باب من یصلی الفجر بجمع:۱۶۸۲)

میں نے نبی کریم ﷺ کو نہیں دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز اس کے وقت کے علاوہ میں پڑھی ہو، مگر دو نمازیں یعنی مغرب اور عشاء (مزدلفہ میں) آپ نے جمع فرمائیں اور فجر کو اس کے وقت مقررہ سے پہلے ادا کیا ہو ہے۔ (تحفۃ الاحوذی: باب ماجاء فی الاسفار بالفجر، ومرقاۃ: ۹/۱۵۷)

نیز خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل بھی یہی تھا، اور اسی پر مواظبت کے ساتھ وہ عمل پیرا تھے۔

اور پھر اوقات کا مسئلہ ایسا ہے کہ کبھی اس میں تبدیلی نہیں کی گئی، شریعت کے بہت سے احکام منسوخ ہیں، ابتداء میں حکم کچھ اور تھا، بعد میں اللہ پاک نے اس حکم کو منسوخ کر دیا، اور اس کی جگہ دوسرا حکم نازل فرمایا، لیکن اوقات میں کبھی تبدیلی نہیں کی گئی، کبھی اس میں تقدیم و تاخیر نہیں کی گئی۔

ان آیاتِ مبارکہ اور احادیث شریفہ سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ نمازوں کو ان کے وقتِ مقررہ پر ادا کیا جائے گا، ان میں تقدیم و تاخیر جائز نہیں ہوگی۔ اب ان ارشادات نبوی پر بھی روشنی ڈالتے ہیں جس میں نبی ﷺ نے دو نمازوں کو ایک ہی وقت میں جمع کرنے کا ذکر کیا ہے۔

جمع بین الصلاتین پر وعید:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

"مَنْ جَمَعَ بَيْنَ الصَّلاتَيْنِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ فَقَدْ أَتٰى بَابًا مِنْ أَبْوَابِ الْكَبَائِرِ" (سنن الترمذی: باب ماجاء فی الجمع بین الصلاتین فی الحضر: ۱۸۸)

"جو آدمی بغیر عذر کے دو نمازوں کو (ایک ہی وقت میں) جمع کرے (پڑھے) گا تو وہ کبیرہ گناہوں کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر پہونچ چکا۔

اس حدیث میں نبی ﷺ نے دو نمازوں کو ایک ہی وقت میں پڑھنے کو گناہِ کبیرہ قرار دیا ہے، ظاہر ہے کہ جو عمل گناہِ کبیرہ ہو وہ کیسے جائز ہو سکتا ہے، اس لئے ان نصوص میں لازماً تاویل کرنی پڑے گی جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے یا صحابہ کرام نے دو نمازوں کو صرف ایک ساتھ جمع کیا ہے۔

جمع بین الصلاتین کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان:

دوسری روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے، جس کی بنیاد بھی خود حدیثِ مبارکہ ہے، جس میں انہوں نے شاہی فرمان کے طور پر یہ شرعی حکم جاری فرمایا تھا، اور گورنروں اور امراء کو یہ خط لکھا تھا کہ:

"یَنْهَاهُمْ أَنْ یَّجْمَعُوْا بَیْنَ الصَّلَاتَیْنِ وَ یُخْبِرُهُمْ اَنَّ الْجَمْعَ بَیْنَ الصَّلَاتَیْنِ فِیْ وَقْتٍ وَّاحِدٍ کَبِیْرَةٌ مِّنَ الْکَبَائِرِ. اَخْبَرَنَا بِذٰلِکَ الثِّقَاتُ"۔(مؤطا محمد: باب الجمع بین الصلاتین فی السفر: ۲۰۵)

کہ امراء لوگوں کو جمع بین الصلاتین سے روکیں، اور ان کو بتادیں کہ جمع بین الصلاتین ایک ہی وقت میں کبیرہ گناہ ہے۔ اس روایت کو ثقہ روایوں نے ہم سے بیان کیا ہے۔

اگر اس کی اجازت ہوتی تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیوں روکتے؟ اور اللہ اوراسکے رسول کی طرف سے اجازت شدہ عمل کو کیوں ختم کرتے؟ پتہ چلا کہ جمع بین الصلاتین جائز نہیں ہے۔

جمع بین الصلاتین والی روایت قرآن کے معارض ہے:

(۱)اب رہی وہ احادیث جن میں سفر یا کسی اور عذر کی بناء پر دو نمازوں کو جمع کرنے کا ذکر ہے تو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ وہ قرآن سے متعارض ہے، کیونکہ قرآن مجید میں نماز کو اس کے وقتِ مقررہ پر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور اس حدیث میں وقت سے پہلے یا وقت کے بعد دو نمازوں کو ایک ساتھ پڑھنے کا ذکر ہے، اور ظاہر ہے کہ قرآن اور حدیث میں ٹکراؤ ہو تو قرآن کو ترجیح دی جاتی ہے، اس لئے ظہر اور عصر کی نماز کا جو وقت مقرر ہے اسی پر عمل کیا جائے گا، اور نمازیں اسی وقت میں ادا کرنا ضروری ہوگا، اور دو نمازوں کو جمع کرنے والی روایات کو ترک کر دیا جائے گا۔

روایات میں جمعِ صوری مراد ہے جمعِ حقیقی نہیں:

(۲)دوسرا جواب یہ ہے کہ ان روایات میں جمع کرنے سے صورتاً جمع کرنا مراد ہے حقیقتاً نہیں، اس کی وضاحت یہ ہے کہ ظہر کی نماز اتنی دیر سے پڑھی جائے کہ اس کا وقت ختم ہونے لگے، جیسے ہی ظہر کی نماز سے فراغت ہوئی، کچھ دیر انتظار کیا جائے، پھر جب عصر کا وقت شروع

ہو جائے تو عصر بھی پڑھ لی جائے، اسی طرح مغرب اور عشاء میں کیا جائے، اس صورت میں ظہر اپنے وقت میں پڑھی جائے گی، اور عصر اپنے وقت میں پڑھی جائے گئی۔ لیکن بظاہر ایسا محسوس ہو گا کہ دونوں ایک ہی ساتھ پڑھی گئیں۔ آپ ﷺ نے دو نمازوں کو اس طرح جمع فرمایا تو راویوں نے کہہ دیا کہ آپ نے دو نمازوں کو جمع فرمایا ہے۔ جب کہ اس کی حقیقت کچھ اور ہی تھی، جیسا کہ تفصیلی روایات میں اس کی وضاحت ملتی ہے۔

چنانچہ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

”رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِذَا اَعْجَلَهُ السَّیْرُ فِی السَّفَرِ یُؤَخِّرُ صَلاَةَ الْمَغْرِبِ حَتّٰی یَجْمَعَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ صَلاَةِ الْعِشَاءِ“ (صحیح مسلم: باب جواز الجمع بین الصلاتین فی السفر: ۱۶۵۹)

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ کو سفر پر جانے میں عجلت ہوتی تو مغرب کی نماز کو موٴخر کرتے یہاں تک کہ مغرب اور عشاء کو جمع فرماتے“

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”کَانَ رَسُوْلُ اللهِ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - اِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ اَنْ تَزِیْلَ الشَّمْسُ اَخَّرَ الظُّهْرَ اِلٰی وَقْتِ الْعَصْرِ ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ“ (صحیح مسلم: باب جواز الجمع بین الصلاتین فی السفر، ۱۶۵۹)

رسول اللہ ﷺ جب سورج کے زائل ہونے سے قبل سفر فرماتے تو ظہر کو موٴخر فرماتے عصر تک، پھر (سواری سے) اترتے، اور دونوں نمازوں کو جمع فرماتے، ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا دو نمازوں کو جمع فرمانا صورتاً تھا حقیقتاً نہیں۔ جس کی وضاحت ہم اس سے قبل کر چکے ہیں۔

اگر ہم ان روایات کو جمع صوری پر محمول کرتے ہیں تو تمام آیات اور روایات میں کوئی تعارض نہیں ہوتا ہے، اور اگر حقیقت پر محمول کرتے ہیں تو پھر آیاتِ مبارکہ اور احادیث مبارکہ کو ترک کرنا لازم آتا ہے، اس لئے اس کو جمع صوری پر محمول کیا جائے گا۔ تاکہ قرآن اور حدیث پر مکمل طور پر عمل ہو، اور ان میں باہم تضاد اور ٹکراؤ نہ ہو، اللہ پاک مجھے اور آپ کو صحیح علم اور صحیح عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

❊❊❊

افادات: حضرت مفتی شاہ محمد نوال الرحمن صاحب دامت برکاتہم

ترتیب و تخریج: مفتی محمد عطاء الرحمن ساجد قاسمی

بمقام: شریعہ بورڈ آف امریکہ، ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ۔

ناشر: شریعہ بورڈ آف انڈیا۔

جمعہ کے عربی خطبوں کا خلاصہ:

نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّہۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ وَاَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا کَثِیۡرًا۔ اَمَّا بَعۡدُ۔

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطَانِ الرَّجِیۡمِ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔

"اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ وَاِیۡتَآءِ ذِی الۡقُرۡبٰی وَیَنۡھٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ وَالۡبَغۡیِ یَعِظُکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ" (النحل:۹۰)

"بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ تم کو اس کے لیے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہید:

آج کے اس خطبے میں خطبہ کے مضامین اوراس آیت سے متعلق جو خطیب حضرات خطبہ میں پڑھتے ہیں اور جس کی تلاوت میں نے ابھی کی ہے چند باتیں ذکر کرنی ہیں، عام طور پر ہم عربی خطبہ تو سن لیتے ہیں لیکن اس میں بنیادی طور پر کیا کیا مضامین ہوتے ہیں اور کیا کیا باتیں بیان کی جاتی ہیں اس کا علم نہیں ہوتا، اور پھر بعض حضرات کو خطبہ کے بارے میں چند باتوں کا خلجان ہوتا ہے، اور بعض باتوں کو وہ بدعت سمجھنے لگتے ہیں اس لئے ارادہ ہوا کہ کچھ باتیں عربی

خطبوں سے متعلق بالترتیب کچھ تفصیل کے ساتھ آپ حضرات کے سامنے بیان کی جائیں، تاکہ خطیب جب خطبہ دے تو ان مضامین کا خلاصہ ہمارے ذہنوں میں آجائے۔ اور بار بار کے تکرار سے ہمارا ذہن بھی اسی طرح کا بن جائے اور اس کے مطابق زندگی گزارنا ہمارے لئے آسان ہو جائے۔ اور اس بارے میں ہمارے اشکالات اور اعتراضات اور خلجانات بھی دور ہو جائیں۔

خطبہ ٔ اولیٰ کا خلاصہ:

خطبہ اولیٰ میں تو عام وعظ و نصیحت کی باتیں ہوتی ہیں، اولاً مسنون خطبہ جو آپ ﷺ سے منقول ہے پڑھا جاتا ہے، جس میں اللہ پاک کی تعریف اور اللہ پاک سے استعانت، طلبِ مغفرت اور اللہ پاک پر توکل، نفس اور برے اعمال کے شر سے اللہ کی پناہ چاہی جاتی ہے، پھر اللہ کی وحدانیت اور رسول پاک ﷺ کی رسالت کی گواہی اور نبی ﷺ پر درود مبارکہ پڑھا جاتا ہے، اس کے بعد لوگوں کو خطاب کر کے توحید کی تعلیم دی جاتی ہے، کیونکہ آدمی کی کامیابی کا مدار توحید ہی پر ہے، اسکے بغیر نہ عقائد کا اعتبار ہوتا ہے اور نہ اعمال کا۔ اس کے بعد تقویٰ کا حکم ہوتا ہے، کیونکہ جب تک خوفِ خدا دل میں نہ آئے اس وقت تک عبادات اور طاعات پر عمل مشکل ہوتا ہے، اور منکرات اور محرمات سے بچنا مشکل ہوتا ہے۔

سب سے بہترین کلام:

اس کے بعد ظاہر ہے کہ آدمی کو دنیا میں زندگی گزارنا ہے تو زندگی گزارنے کے لئے اسے رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ کیسے زندگی گزارے؟ اور کن اصول و قواعد کے تحت وہ زندگی گزارے، تو بتایا جاتا ہے کہ سب سے بہترین چیز کلام اللہ ہے، فضیلت کے اعتبار سے بھی اور ہدایت اور رہنمائی کے اعتبار سے بھی۔

سب سے بہترین اسوہ:

لیکن اس کو بتانے کے لئے، اس کو سمجھانے کے لئے اور اس کے مطابق زندگی گزارنے کے لئے ایک نمونہ، ایک اسوہ اور ایک رہنما کی ضرورت ہوتی ہے، تو بتایا جاتا ہے کہ وہ بہترین رہنما، اور

بہترین اسوہ حضور ﷺ اور حضور ﷺ کی سنت اور سیرت ہے، پوری دنیا میں انسانوں کی رہنمائی رہنمائی کے لئے سب سے بہترین کتاب اور سب سے بہترین دستور اور بہترین نظامِ حیات وہ اللہ کی کتاب اور حضور ﷺ کی احادیثِ مبارکہ اس کی تفسیر اور توضیح میں ہے۔ گویا قرآن کا عملی نمونہ حضور پاک ﷺ کی ذات مبارکہ اور آپ کی سیرتِ مبارکہ ہے:

"اِنَّ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ کِتَابُ اللّٰہِ وَ خَیۡرَ الۡھَدۡیِ ھَدۡیُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ سَلَّمَ"

سب سے بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے، اور سب سے بہترین طریقہ اور سب سے بہترین راستہ حضور ﷺ کا راستہ اور حضور کا طریقہ ہے، کھانے پینے میں، پہننے اوڑھنے میں، رہنے سہنے میں، عادت اور عبادت میں، خوشی اور غم میں، سب چیزوں میں، ہر جمعہ خطیب یہی باتیں پڑھ کر سناتا ہے، تاکہ مسلمانوں میں تقویٰ اور پرہیز گاری آئے، اور خوفِ خدا پیدا ہو، اور حضور پاک کی سیرت مبارکہ کو وہ اپنا سکے، کیونکہ لوگوں میں حضور ﷺ کی سنتوں اور طریقوں کی کوئی اہمیت نہیں رہی، وہ حضور ﷺ کے طریقے اور حضور ﷺ کی تہذیب کے بجائے غیروں کے طریقے اور غیروں کی تہذیب کو ترجیح دے رہے ہیں، اور آج مسلمانوں کے تنزل، ان کی ذلت، ان کی رسوائی اور ان کی تباہ و بربادی کا سب سے بڑا سبب یہی ہے، کیونکہ عزت اور کامیابی حضور ﷺ ہی کے طریقے کو اپنانے میں ہے، اور ذلت ورسوائی غیروں کے طور طریقوں اور ان کی تہذیب میں ہے۔ اس لئے حضور ﷺ کی سیرت، حضور ﷺ کی تہذیب اور حضور ﷺ کی سنتوں اور ان کے طریقوں کو اپنانے کا حکم دیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ سچ اور حسن سلوک کی ترغیب اور اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کی تلقین کی جاتی ہے اور جھوٹ سے ڈرا کر اس کا نقصان بتایا جاتا ہے۔ اور دنیا اور مال کی محبت کو دل سے نکال کر ضرورت کے بقدر مال کمانے کی ترغیب وغیرہ ہوتی ہے، اس کے علاوہ حالاتِ حاضرہ اور امت کی ضرورت کے پیشِ نظر چند وعظ و نصیحت کی باتیں بیان کی جاتی ہیں، اور جو باتیں اردو بیان میں ذکر کی جاتی ہیں اس سے متعلق آیاتِ مبارکہ اور احادیث مبارکہ پڑھ کر استغفار پر خطبۂ اولیٰ کو ختم کیا جاتا ہے، کیونکہ خطبہ کا اختتام آپ ﷺ استغفار سے کیا کرتے تھے۔

خطبہ ثانیہ کا خلاصہ:

پھر اس کے بعد دوسرا خطبہ دیا جاتا ہے، اس میں وہی مسنون خطبہ پڑھا جاتا ہے، اس کے بعد نبی ﷺ پر درودِ مبارکہ بھیجا جاتا ہے، پھر حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بالخصوص خلفاءِ راشدین اور اہل بیت، حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرات حسنین رضی اللہ عنہما، آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور دیگر عشرۂ مبشرہ رضی اللہ عنہم کے فضائل بیان کئے جاتے ہیں، اور ان کے حق دعا کی جاتی ہے، اور ان صحابہ کے بارے میں بد گمانی، زبان درازی، طعن و تشنیع سے روکا جاتا ہے، اور ان کے بارے میں زبان درازی کرنے سے اللہ کے عذاب سے اور اللہ کی پکڑ سے ڈرایا جاتا ہے، کیونکہ کچھ لوگ اب بھی ایسے ہیں اور پہلے زمانے میں بھی ایسے تھے جو صحابہ کی شان میں گستاخی کرتے تھے اور آج بھی کرتے ہیں، اور بعض جاہل اور بد دین تو بہت ہی زیادہ ان صحابہ کے بارے میں زبان دراز ہوتے ہیں، جب کہ اللہ کے رسول نے ان صحابہ کی تربیت فرمائی ہے، ان کی بڑی بڑی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں، اور ان پر اعتماد ظاہر کیا ہے، اور ان کی اتباع کا حکم دیا ہے، اور ان سے محبت اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد میں سے ہے، اور ان سے نفرت کرنا یا ان پر طعن و تشنیع کرنا یا ان پر اعتراض اور تنقید کرنا منافقت ہے، اور اللہ اور اس کے رسول سے بغض رکھنے کے مرادف ہے، اس لئے ان کے کچھ مناقب اور فضائل بیان کئے جاتے ہیں، تاکہ ان کی قدر اور اللہ اور اس کے رسول کے ہاں ان کا مقام و مرتبہ لوگوں کی نظروں میں باقی رہے، اور ان صحابہ کی محبت اور عظمت دلوں میں باقی رہے، یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ خلفاء راشدین اہلِ بیت سے بھی زیادہ فضیلت والے ہیں، اور ان چاروں میں افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب کے اعتبار سے ہے۔ یعنی ان میں سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

صحابہ سے بدگمانی ایمان کے تنزل کا سبب ہے:

غرض ان خلفاء کا اور اہل بیت کا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ امت کو ان سے بد ظن اور بد گمان اور ان کے بارے میں بد عقیدگی سے بچایا جاسکے۔ کیونکہ اگر ہمارا ذہن صحابہ کے بارے میں صحیح نہ

ہو اور صحابہ کے بارے میں ہم تنقید کرنے لگیں اور ان پر اعتراضات کرنے لگیں تو یوں سمجھ لیجئے کہ اس وقت سے ہمارے ایمان اور دین کا تنزل شروع ہو گیا، اس زمانے میں جن لوگوں نے فتنے کی بنیاد ڈالی ہے انہوں نے یہیں سے شروعات کی ہے کہ صحابہ کی عظمت ذہن سے مٹائی جائے، علماء کی عظمت لوگوں کے ذہنوں سے نکالی جائے، کیونکہ یہی دین کے ستون اور علم بردار ہیں، انہیں کے ذریعہ دین لوگوں تک پہنچا ہے، اس لئے اگر ان ستونوں ہی کو ہٹا دیا جائے تو پھر دین کی عمارت منہدم ہو جائے گی، دین کمزور پڑ جائے گا، اور پھر فتنہ پھیلانا اور امت میں ضلالت اور گمراہی پیدا کرنا اور امت کو غلط راستے پر ڈالنا آسان ہو جائے گا۔

ایمان کی سلامتی اسلاف کو تھامنے میں مضمر ہے:

کیونکہ غلط راستہ پر آدمی اسی وقت چلتا ہے جب اسلاف کے راستے کو چھوڑ دیتا ہے، جب تک سلف کے راستے پر رہے گا اس وقت تک غلط راستے پر نہیں جائیگا، کیونکہ سلف کا راستہ سیدھا راستہ ہے، جن لوگوں کے ذریعہ دین ہم تک پہنچا ہے اور جس راستے کو ہم اپنائے ہوئے تھے اگر اسی راستے کو ہم چھوڑ دیں گے اور ان پر اعتماد نہیں کریں گے تو ظاہر ہے کہ ہمارے دین اور اسلام کی بنیاد ہی ختم ہو جائے گی، اور ہم کیسے اپنے دین اور اسلام کی عمارت کھڑی کر پائیں گے، بعض لوگوں نے اسی مقصد سے کتابیں لکھیں، لوگ اس کو سمجھتے نہیں ہیں کہ اس طرح کی کتابوں کے لکھنے کا کیا مقصد ہے؟ اور کیا ریزن ہے؟ اس سے در اصل امت میں پھوٹ ڈالنا اور امت کو غلطی کے راستے کی کنجی دینا مقصود ہوتا ہے۔

آیتِ مبارکہ کی جامعیت:

پھر اخیر میں ایک آیت پڑھ کر خطبہ ختم کیا جاتا ہے، جس کی میں نے ابتداء میں تلاوت کی ہے، وہ بہت ہی عجیب و غریب آیت ہے، اور قرآن پاک کی سب سے جامع اور اہم آیت ہے، اس آیت میں پورے دین کو سمیٹا گیا ہے، شریعت کے سارے مامورات اور سارے منہیات کو یہ شامل ہے، اور اسلام کے خلاصہ کے طور پر اور بریفنگ (Briefing) کے طور پر مسلمانوں کے ذہن میں اس آیت کا ترجمہ اور اس کا مضمون رہنا چاہیئے، ایک مسلمان کو بحیثیت

مسلمان ہونے کے اس کی مینٹا لیٹی (Mentality) کیسی ہونی چاہیے ؟ اس کی سوچ کیسی ہونی چاہیے ؟ اس کا انداز کیسا ہونا چاہیے اس آیت مبارکہ میں اس کا ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ اسلام کی پوری تفصیلات تو ایک آیت میں بیان نہیں کی جاسکتیں، ہاں اس کا خلاصہ بیان کیا جاسکتا ہے، اور وہ اس آیت میں ہے، اسی وجہ سے عرب صرف ایک ایک آیت کو سن کر دنگ رہ جاتے، کیونکہ وہ عربی زبان کو، اس کی باریکیوں کو اس کی فصاحت اور بلاغت کو جانتے تھے اس لئے ایک ایک آیت کا ان پر گہرا اثر ہوتا تھا اور ایک ایک آیت کو سن کر وہ اسلام قبول کر لیتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا:

”هٰذِهٖ اَجْمَعُ اٰيَةٍ فِي الْقُرْاٰنِ لِخَيْرٍ يُمْتَثَلُ، وَلِشَرٍّ يُجْتَنَبُ“ (تفسیر قرطبی: ۱۰/۱۶۵)

یہ قرآن میں خیر کے لئے کہ جس پر عمل کیا جائے اور شر کے لئے کہ جس سے بچا جائے سب سے جامع آیت ہے۔

اسلام کی ترجمانی کے لئے یہ آیت کافی ہے:

بعض مرتبہ لوگ آفس میں یا کسی مقام پر پوچھ لیتے ہیں کہ اسلام کیا سکھاتا ہے؟ اس موقع پر ہمیں تفصیلا کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے، بس یہ آیتیں، اس کا ترجمہ اور اس کا مفہوم سنادیں، سارے اسلام کی ترجمانی کے لئے یہی کافی ہے، اس سے اسلام کی بریفنگ (Briefing) ہو جائیگی، اگر کوئی غیر مسلم ہم سے پوچھ لے جیسے سفر میں اس طرح کے مواقع پیش آتے ہیں پلین اور ٹرین میں یا دعوتوں میں لوگ پوچھ لیتے ہیں کہ اسلام کیا ہے؟ اسلام کیا سکھاتا ہے؟ آپ صرف اس آیت کا ترجمہ کر دیجئے، بس یہی کافی ہے۔

ابو جہل کا اقرار:

اس کی جامعیت کا مسلمان تو مسلمان کفار نے بھی اقرار کیا ہے، جب ابو جہل نے اس آیت کو سنا تھا تو کہنے لگا:

"اِنَّ اِلٰهَهٗ لَيَاْمُرُ بِمَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَهِيَ اَجْمَعُ اٰيَةٍ فِي الْقُرْاٰنِ لِلْخَيْرِ وَالشَّرِّ" (تفسیر نسفی: ۱۷۶/۲)

بے شک ان کا معبود مکارمِ اخلاق کا حکم دیتا ہے، اور یہ قرآن میں خیر اور شر کے لئے سب سے جامع آیت ہے۔

جب کفار اس کا اقرار کر رہے ہوں تو آپ اندازہ لگایئے کہ اس کی کتنی اہمیت ہے؟ اور کتنی اس میں جامعیت ہے؟ البتہ اس آیت کا کچھ مفہوم اور مضمون سیکھ لینا چاہیے، اور سمجھ لینا چاہئے، تب اس کا پیغام اور اس کا خلاصہ اور اس کی جامعیت کا صحیح بتانا اور صحیح سمجھانا آسان ہو جاتا ہے، جس کا ذہن جتنا زیادہ کھلا ہوا ہوتا ہے وہ اتنا ہی اس کو اچھے انداز میں پیش کر سکتا ہے، جس سے سننے والے پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔

قبیلۂ اکثم کے اسلام لانے کا واقعہ:

حدیثوں میں ہے کہ بعض قبیلے والوں نے اسی آیت کو سن کر اسلام قبول کیا تھا، حضرت اکثم بن صیفی ایک صحابی ہیں، جو قبیلے کے سردار تھے، جب حضور ﷺ کے بارے میں انہیں اطلاع ملی تو انہوں نے ارادہ کیا کہ جا کر حضور ﷺ سے ملاقات کر آئیں، تاکہ پتہ چلے کہ کیسے آدمی ہیں؟ کیا کہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے اسی وقت نبوت کا اعلان کیا تھا، ان کے قبیلے والوں نے کہا کہ آپ قبیلہ کے سردار ہیں آپ کے ساتھ کہیں بیہودگی نہ ہو جائے، اور پھر پورے قبیلے والوں کی عزت کا مسئلہ نہ ہو جائے، اور پتہ نہیں آپ کے ساتھ کیا برتاؤ ہو، اس لئے آپ نہ جائیں بلکہ اپنے نمائندے کے طور پر کسی کو بھیج دیں، چنانچہ انہوں نے دو انتہائی سمجھدار آدمیوں کا انتخاب کیا، اور حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا، اور انہیں یہ نصیحت بھی کی کہ جا کر محمد (ﷺ) سے دو سوال کریں، (۱) "مَنْ اَنْتَ"؟ آپ کون ہیں؟ (۲) اور دوسرا "مَا اَنْتَ"؟ کہ آپ کہتے کیا ہیں؟ آپ کی دعوت کیا ہے؟ وہ دو نمائندے حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور پوچھا "مَنْ اَنْتَ" تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں محمد بن عبداللہ ہوں، اس کے بعد انہوں نے پوچھا: "مَا اَنْتَ"؟

آپ ﷺ نے فرمایا میں اللہ کا بندہ ہوں اور اللہ کا رسول ہوں، اور اللہ کا نمائندہ ہوں، انہوں نے پوچھا کہ اللہ کی نمائندگی میں آپ کیا کہتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے ان کے سامنے یہ آیت پڑھی:

”إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ“ (النحل:۹۰)

وہ لوگ یہ سن کر واپس چلے گئے اور انہوں نے جاکر کہا کہ جب ہم نے ”مَنْ اَنْتَ“ کہا تو انہوں نے صرف اپنا نام بتایا، دراصل عربوں میں یہ عادت تھی کہ اپنے تعارف میں اپنا اور اپنے باپ دادا اور سارے خاندان کا تعارف کرواتے اور ان کے کارنامے سناتے، تاکہ اپنی امیج (Image) بنے، اور اپنی عزت ہو، اور سننے والا یہ سمجھے کہ میں کوئی چھوٹا موٹا آدمی نہیں ہوں، حضور ﷺ ظاہر بات ہے کہ ہر اعتبار سے بڑے ہیں، لیکن آپ ﷺ نے اس کو چھیڑا ہی نہیں، صرف کہا کہ محمد ابن عبد اللہ ہوں، انہوں نے کہا کہ یہ بات ہمارے لئے بہت ہی سرپرائز (Surprise) کرنے والی تھی کہ ایک آدمی سے ہم پوچھ رہے ہیں: ”مَنْ اَنْتَ“؟ اور وہ صرف اپنا اور اپنے والد کا نام کہہ رہا ہے، پھر ہم نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ یہ قوم کے اعتبار سے، نسب کے اعتبار سے اور شرافت وبلندی کے اعتبار سے سب سے بڑے خاندان کے آدمی ہیں، دوسری بات جب ہم نے ان سے پوچھی: ”مَا اَنْتَ“ تو انہوں نے دو باتیں کہیں: ایک یہ کہ میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں اور دوسری یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ اس میں بھی ایک قصہ یہ ہوا کہ جب حضور پاک ﷺ نے یہ آیت سنائی تو انہوں نے کہا کہ ہم اس بات کو اپنی قوم میں نقل کرنے والے ہیں، اس لئے ہمیں بار بار سنا دیجئے تاکہ ذہن نشین ہو جائے، تو حضور ﷺ نے ان کے سامنے یہ آیت اتنی مرتبہ دہرائی کہ ان کو یاد ہوگئی، انہوں نے جاکر اپنے سردار کو یہ آیت سنادی، جب حضرت اکثم نے یہ سنا تو کہا کہ وہ تو مکارم اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں، اور بری چیزوں سے روکتے ہیں۔

"فَكُوْنُوْا فِيْ هٰذَا الْاَمْرِ رُءُوْسًا، وَلَا تَكُوْنُوْا فِيْهِ اَذْنَابًا"

لٰھذا اے میری قوم کے لوگو! تم پہل کرو تاکہ تم لوگ بعد میں شامل ہونے والوں میں نہ ہو، تم پہلوں میں ہو جاؤ، تاکہ تمہارا مرتبہ بڑا ہو جائے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۵۹۶/۴)

اس وقت حضرت اکثم اور ان کے پورے قبیلے والوں نے ایک ساتھ اسلام قبول کیا، پہلے قبیلوں میں یہی ہوتا تھا کہ جو سردار کہہ دیتا سب اسی کو مان لیتے، جب انہوں نے کہا کہ یہ مذھب صحیح ہے، اس کو قبول کرلو تو سب نے قبول کرلیا، غرض اس ایک آیت کو سن کر سارے قبیلے والوں نے اسلام قبول کرلیا، اس سے آپ اندازہ لگائیے کہ اس میں کتنی جامعیت ہے؟

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ پر آیتِ مبارکہ کا اثر:

اسی طرح مفسرین نے اس آیت کے ذیل میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کا قصہ بھی نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ شروع میں اگرچہ مسلمان ہو گیا تھا، اور وہ بھی بار بار میرے ساتھیوں کے ذکر کرنے کی وجہ سے، لیکن میرے دل میں اسلام راسخ نہیں ہوا تھا، حتی کہ ایک دن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو اچانک آپ پر وحی کے نازل ہونے کے آثار ظاہر ہوئے، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا قاصد میرے پاس آیا اور یہ آیت مجھ کو سنائی، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کو دیکھ کر اور آیت سن کر میرے دل میں ایمان مضبوط اور مستحکم ہوا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی۔

ابو طالب کا حق کی دعوت دینا:

میں ابو طالب کے پاس آیا، اور اس واقعہ کی خبر دی تو ابو طالب کہنے لگے:

يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اِتَّبِعُوْا ابْنَ اَخِيْ تَرْشُدُوْا وَلَئِنْ كَانَ صَادِقاً اَوْ كَاذِباً فَاِنَّهٗ مَا يَاْمُرُكُمْ اِلَّا بِمَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ"

اے قریش کے لوگو! میرے بھتیجے کی بات مان لو تو تم راہ یاب ہو جاؤ گے، وہ سچا ہو یا جھوٹا لیکن تم کو مکارم اخلاق کی تعلیم دیتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سنا تو ابو طالب سے کہا:

"یَاعَمَّاہ اَتَاْمُرُ النَّاسَ اَنْ یَّتَّبِعُوْنِیْ وَتَدَعُ نَفْسَکَ وَجَھِدَ عَلَیْہِ"

اے چچاجان! کیا آپ دوسروں کو میری تو اتباع کا حکم دے رہے لیکن آپ خود اپنے آپ کو چھوڑ رہے ہیں، اس کے باجود بھی وہ اسلام قبول نہیں کئے۔(تفسیرِ رازی:۹/۴۵۱)

ولید ابن مغیرہ کا بے تامل اقرار:

ولید بن مغیرہ جو مشرک تھا اور بڑا سمجھدار اور بڑا ذہین بھی تھا، مشرکین نے اس کو بھیجا کہ جاکر بات کرکے آؤ کہ محمد ہم کو ہمارے معبودوں سے الگ کرنا چاہتے ہیں، یا مال چاہتے ہیں، یا کوئی اور مقصد ہے؟ جو وہ کہیں ہم اس کو پورا کرنے کے لئے تیار ہیں، جب وہ آپ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی، اس نے کہا کہ پھر سنایئے، آپ نے دوبارہ سنایا تو وہ جاکر کہنے لگا:

"وَاللّٰہِ مَا فِیْکُمْ رَجُلٌ اَعْلَمُ بِالْأَشْعَارِ مِنِّیْ، وَلَا اَعْلَمُ بِرَجْزِہٖ وَلَا بِقَصِیْدَتِہٖ مِنِّیْ، وَلَا بِاَشْعَارِ الْجِنِّ، وَاللّٰہِ مَا یُشْبِہُ الَّذِیْ یَقُوْلُ شَیْئًا مِنْ ھٰذَا"

اللہ کی قسم تم میں کوئی مجھ سے زیادہ اشعار جاننے والا نہیں ہے، اور تم میں سے کوئی مجھ سے زیادہ قصیدوں اور رجز کو جاننے والا نہیں ہے، اور تم میں سے کوئی جنوں کے اشعار کو جاننے والا نہیں ہے، اللہ کی قسم یہ کلام ان میں سے کسی کے مشابہ نہیں ہے، بعض روایتوں میں ہے کہ وہ کہنے لگا:

"اِنَّ لَہٗ لَحَلَاوَۃً وَاِنَّ عَلَیْہِ لَطَلَاوَۃً، وَإِنَّہٗ لَمُثْمِرٌ أَعْلَاہُ مُغْدِقٌ أَسْفَلُہٗ، وَاَنَّہٗ لَیَعْلُوْ وَمَا یُعْلٰی، وَاِنَّہٗ لَیُحَطِّمُ مَاتَحْتَہٗ وَمَا یَقُوْلُ ھٰذَا بَشَرٌ" (دلائل النبوۃ:۵۰۱،ومستدرکِ حاکم:۳۸۷۲)

"خدا کی قسم اس میں ایک خاص حلاوت ہے اور اس کے اوپر ایک خاص رونق اور نور ہے اس کی جڑ سے شاخیں اور پتے نکلنے والے ہیں اور شاخوں پر پھل لگنے والا ہے یہ کسی انسان کا کلام ہر گز نہیں ہو سکتا" پھر کہنے لگا:

"دَعْنِیْ حَتّٰی اُفَکِّرَ، فَلَمَّا فَکَّرَ قَالَ: ھٰذَا سِحْرٌ یُؤْثَرُ، یَأْثُرُہٗ مِنْ غَیْرِہٖ"

مجھے سوچنے دو، چنانچہ تھوڑی دیر سوچ کر کہنے لگا کہ یہ جادو ہے، جس کا اثر دوسروں میں منتقل کیا جارہا ہے۔(الجامع الصحیح للسنن والمسانید: ۱۴/ ۲۸۴)

جس آدمی پر ٹرسٹ کرکے اس کی ذہانت اور اس کی فہم کے پیش نظر اس کو بھیجا گیا تھا وہ خود اس کلام کو سن کر حیرت میں پڑ گیا، کوئی جواب نہ بن پڑا تو کہنے لگا کہ یہ جادو ہے۔

خطبہ میں آیتِ مذکورہ کی ابتدا کب اور کیوں ہوئی؟

چونکہ یہ آیت خطبہ میں پڑھی جاتی ہے اس لئے اس کی جامعیت اور فضیلت سے متعلق چند باتیں ذکر کی گئیں، اور آیت میں کیا کیا مضامین ہیں انشاء اللہ وہ بھی بیان کئے جائیں گے، لیکن اس سے قبل ایک بات اس آیت سے متعلق یہ ذہن میں رکھیں کہ کیا اس آیت کی تلاوت آپ ﷺ کے زمانے میں کی جاتی تھی، یا بعد میں اس کی ابتدا ہوئی؟ اگر بعد میں اس کی ابتدا ہوئی تو کیوں ہوئی؟ اور کیا یہ بدعت نہیں ہے؟

اس کا جواب علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا ہے کہ در اصل بنو امیہ کے خلفاء سنہ (۴۱ ہجری جس میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت کو چھوڑ کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی تھی) سے لے کر سنہ ۹۹ ہجری یعنی سلیمان بن عبد الملک کے زمانہ کے آخر تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منبروں پر برا بھلا کہتے تھے، یہ بات تو طے ہے کہ بنو امیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرتے تھے، لیکن سنہ ۴۱ھ سے ۹۹ھ تک منبروں پر خطبہ کے دوران یہ عمل کچھ قابل تامل ہے، غرض جب حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ ہوئے تو ان کے اس طرز کو بند کیا، اور اپنے نائبین کے پاس یہ لکھ کر بھیجا کہ خطبے میں اس آیت: "اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْىِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ " کی تلاوت کی جائے، تاکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ لوگوں کی نظر میں قائم رہے، اور لوگ ان پر لعن وطعن اور سب وشتم سے رک جائیں، چنانچہ ان کے کہنے پر اس بے ہودہ رواج کا خاتمہ

ہوا، اور اس آیت کی تلاوت کی جانے لگی، اور اس وقت سے خطباء اپنے خطبوں میں اس آیت کی تلاوت کرنے لگے، اور ابھی تک بھی اس پر عمل جاری ہے۔ (تاریخ الخلفاء: ۱ / ۲۰۱)

نیز یہ قرآن کی آیات میں بہت ہی جامع آیت ہے، شریعت کا ہر مامور اور منکر اس میں داخل ہے، صحابہ تو صحابہ کفار بھی اس کا اقرار کرتے تھے، جیسا کہ اس سے پہلے بھی اس کا ذکر گزر چکا ہے، اس لئے اس پس منظر میں اس کی ابتداء کی گئی اور اب تک امت پر اس کا عمل ہے۔ (تفسیر نسفی: ۲/۱۷۶)

لیکن یہ سنت نہیں ہے، حضور ﷺ کے زمانے میں اس کی تلاوت نہیں کی جاتی تھی، اگر ہم اس کو سنت کہیں اور آپ ﷺ سے ثابت مانیں تو یہ بدعت ہوگا، کیونکہ بدعت کی حقیقت ہے غیر ثابت کو ثابت ماننا، غیر دین کو دین کا حصہ بنانا اور اسے لازمی قرار دینا، اور غیر سنت کو سنت سمجھنا، لیکن ہم تو نہ اس کو سنت کہتے ہیں اور نہ آپ ﷺ سے ثابت مانتے ہیں، اور نہ خطبوں میں اس کے پڑھنے کو ضروری قرار دیتے ہیں، اس لئے یہ کیسے بدعت ہوگا؟

یہ چند باتیں خطبے میں پائے جانے والے مضامین وغیرہ سے متعلق عرض کی گئیں، انشاء اللہ چند جمعوں تک ان مضامین کو کچھ تفصیل کے ساتھ سنایا جائے گا، تاکہ ہمیں بھی پتہ چلے کہ خطیب کیا پڑھتے ہیں اور کیوں پڑھتے ہیں، اور ہم کیا سنتے ہیں؟ اور کیا سمجھتے ہیں؟ اور کتنا اس پر عمل کرتے ہیں؟ اللہ پاک مجھے اور آپ کو صحیح علم اور عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

* * *

خطبہ میں خلفاء راشدین کا ذکر کیوں؟

افادات: حضرت مفتی شاہ محمد نوال الرحمن صاحب دامت برکاتہم

ترتیب وتخریج: مفتی محمد عطاء الرحمن ساجد قاسمی

بمقام: شریعہ بورڈ آف امریکہ، جمادی الثانی ۱۴۳۶ھ۔

ناشر: شریعہ بورڈ آف انڈیا۔

خطبہ میں خلفاءِ راشدین کا ذکر کیوں؟

نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ۔

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

”یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ“ (الجمعۃ:۹)

” اے ایمان والو جب جمعہ کے روز نماز (جمعہ) کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز وخطبہ) کی طرف (فوراً) چل پڑا کرو اور خرید و فروخت (اور) اسی طرح دوسرے مشاغل جو نماز کیلئے جانے سے مانع ہوں) چھوڑ دیا کرو۔ یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم کو کچھ سمجھ ہو (کیونکہ اس کا نفع باقی ہے اور بیع وغیرہ کا فانی)“

برادرانِ اسلام!

اس جمعہ میں آپ حضرات کے سامنے جمعہ کے خطبۂ ثانیہ میں خلفاءِ راشدین کے ذکر سے متعلق چند باتیں عرض کرنے کا ارادہ ہے، بہت سے لوگوں کے دلوں میں یہ سوال ہوتا ہے کہ کیا نبی ﷺ نے اپنے خطبہ میں خلفاء راشدین کا نام لیتے تھے؟ کیا کبھی صحابہ اپنے خطبوں میں یہ

نام لیتے تھے، جب ان کا ثبوت ہی نہیں ہے تو جمعہ کے خطبہ میں کیوں خلفاءِ راشدین کا ذکر کیا جاتا ہے؟اس کی ابتداء کب ہوئی؟ کیوں ہوئی؟ کیسے ہوئی؟اس سے متعلق چند باتیں ذہن میں رکھنا چاہئے۔

کیا خطبہ میں خلفاءِ راشدین کا ذکر بدعت ہے؟

پہلی بات یہ ہے کہ اہل حق علماء میں سے کوئی اس کی سنیت کا قائل نہیں ہے، بلکہ سب اس کو مستحسن اور مستحب کہتے ہیں۔ہاں اگر اس کو سنت کہا جائے اور نبی ﷺ سے ثابت مانا جائے تو یہ بدعت شمار ہوگی، لیکن سنیت کا اعتقاد رکھے بغیر اس کو وقت کی ضرورت اور ان خلفاء اور اہلِ بیت کی عظمت اور محبت کو دل میں برقرار رکھنے کے لئے اس کا ذکر کیا جائے تو مستحب اور مستحسن اور باعثِ اجر وثواب ہے، کیونکہ قرآن وحدیث میں ان کی بے شمار فضیلتیں بیان کی گئی ہیں، اور ہمارے اس معاشرہ میں چند جاہل ان خلفاء کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہیں جس سے شبہ ہوتا ہے کہ کہیں ان کے دل میں نفاق تو نہیں ہے، وہ ان صحابہ کے بارے میں بدگمانی پھیلاتے ہیں، ان کو برا بھلا کہتے ہیں، ان پر لعن طعن کرتے ہیں، حتی کہ کچھ ان کو کافر تک قرار دیتے ہیں اور ان کی یہ باتیں فرمانِ نبی اور شہادت رسول کے خلاف بلکہ صحابہ، اللہ اور رسول سے بغض کی علامت ثابت ہوتی ہیں، احادیث میں نبی ﷺ نے تو ان کے لئے جنتی ہونے کی اور مقتدا ہونے کی شہادت دی ہے، قرآن ان کے پاکیزہ اور ہدایت یافتہ ہونے کی شہادت دے رہا ہے اور اللہ پاک ان کے تقوی اور طہارت کے اعلان کے ساتھ ساتھ اپنی رضا کا پروانہ ان کے حق میں سنا رہے ہیں، اور ان کی شان میں آیاتِ قرآنیہ نازل کی جارہی ہیں، اور احادیث مبارکہ ان کی اتباع اور ان کی سنتوں کو اپنانے کا حکم دے رہی ہیں، اور ان سے بغض رکھنے، ان کو گالی دینے، ان کو تکلیف دینے ان کو برا بھلا کہنے کو اللہ اور اس کے رسول کو گالی دینے اور اللہ اور رسول کو برا بھلا کہنے کے مرادف قرار دے رہی ہیں، اور ادھر ان مقدس صحابہ کے بارے میں کچھ بددینوں اور جاہلوں کی زبان درازی "وَلَعِنَ آخِرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ اَوَّلَهَا" کی مصداق ہے، اس لئے اس پس منظر

میں خطبوں میں ان خلفاء کا ذکر مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اور اس کی شرعی حیثیت پر روشنی ڈالنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

خطبہ میں خلفاء راشدین کے ذکر کی ابتداء کب اور کیوں ہوئی؟

اس کی باضابطہ ابتدا تو حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں انہیں کے حکم سے ہوئی، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وجہ یہ نقل کی ہے کہ ایک طرف تو بنو امیہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو خطبوں میں سنہ ۴۱ ہجری سے ۹۹ ہجری یعنی سلیمان بن عبد الملک کے زمانے کے آخر آخر تک برا بھلا کہتے تھے، اور ان کو خلافت کا مستحق ہی نہیں سمجھتے تھے، اور دوسری طرف خوارج حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق بغض پالنے لگے۔ بلکہ ان کو نعوذ باللہ کافر قرار دینے لگے، اور تیسری طرف ان میں سب سے بدتر اور شر پسند روافض حضرات شیخین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرنے لگے، اور حد درجہ آگے بڑھتے ہوئے حضرات شیخین کو کافر قرار دینے لگے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں اتنا غلو کرنے لگے کہ ان کو شیخین سے افضل قرار دینے لگے، اور تینوں خلفاء کو برا بھلا کہنے لگے، ان پر تہمتیں اور الزامات لگانے لگے، بلکہ کچھ تو حد کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کے قائل ہوگئے، اس لئے جب حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ آیا، اور وہ خلیفہ ہوئے تو باضابطہ اپنے اطراف و اکناف میں نائبین اور گورنرس کو یہ تحریر لکھ کر بھیجی کہ خطبہ میں خلفاءِ راشدین کا ذکر کیا جائے، اور اس کے ساتھ بدلہ میں یہ آیت پڑھی جائے: ''اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ'' الخ

تاکہ جو مختلف باطل فرقے ان جلیل القدر خلفاءِ راشدین کے بارے میں کیچڑ اچھال رہے ہیں اور ان کے پاکیزہ نفوس کو مجروح کرنے کی سازش میں ہیں ان کا قلع قمع کیا جاسکے۔ لوگوں میں ان کی وقعت اور عظمت کو برقرار رکھا جاسکے۔ لوگ ان پر لعن طعن اور بد کلامی سے رک جائیں، ان فتنوں کا سد باب ہو، اسلام کی حفاظت ہو، اور آج بھی چونکہ ایسے لوگ، اور ایسا ذہن

اور ایسے فرقے پائے جاتے ہیں، اور ان صحابہ کی محبت میں کمی پائی جاتی ہے، اور ان کی عقیدت دلوں سے جاتی جارہی ہے، اور ان مقدس ہستیوں پر زبان درازی آسان ہوگئی ہے، اس لئے آج بھی اس کی سخت ضرورت ہے کہ ان کا ذکرِ خیر کیا جائے، اور ان فتنوں کا سدباب کیا جائے، اور ان بد دین اور جاہلوں کے منفی خیالات اور ان کی جانب سے پھیلائی جانے والی گمراہی سے امت کو بچایا جاسکے۔ (منهاج السنة النبوية: ۴/ ۸۰)

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ:

اس بارے میں علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے، منہاج السنۃ میں ان کا یہ فتویٰ مذکور ہے:

"فَإِذَا قُدِّرَ أَنَّ الْوَاجِبَاتِ الشَّرْعِيَّةَ لَا تَقُوْمُ إِلَّا بِإِظْهَارِ ذِكْرِ الْخُلَفَاءِ وَأَنَّهُ إِذَا تُرِكَ ذٰلِكَ ظَهَرَ شِعَارُ أَهْلِ الْبِدَعِ وَالضَّلَالِ صَارَ مَأْمُوْرًا بِهِ فِيْ مِثْلِ هٰذِهِ الْأَحْوَالِ" (منهاج السنة النبوية لابن تيمية: ۴/ ۷۹ تا ۸۷)

جب یہ بات مان لی گئی کہ شرعی واجبات قائم نہیں کی جاسکتیں مگر خلفاء کے ذکر سے، اور جب اس کو ترک کیا جائے تو اہل بدعت اور گمراہ لوگوں کے شعائر ظاہر ہوں گے تو ان کا ذکر بھی مامور بہ ہوگا ان جیسے احوال میں۔

خود ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے وقت کی ضرورت کے پیش نظر ان خلفاء کے ذکر کو دین کے شعائر میں سے قرار دے رہے ہیں، لیکن ان جاہلوں کو کون سمجھائے کہ ان کے مقتداؤں نے تو اس کو دین کا شعار قرار دیا اور یہ بدعت قرار دے رہے ہیں۔

خطبہ میں خلفاء کے ذکر کی ابتداء صحابہ سے ثابت ہے:

بلکہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس کی ابتدا تو حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوگئی تھی، اور اس کا واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن بصرہ کے منبر پر خطبہ کے لئے کھڑے ہوتے تو حضرت عمر کی تعریف کرتے، اور ان کے لئے دعا کرتے، ایک مرتبہ ضبہ بن محصن العنزی کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہیں اور ان کو حضرت ابو بکر صدیق پر فضیلت دیتے ہیں، اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کرتے؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ضبہ کا مکالمہ:

اس طرح کئی مرتبہ ہوا اور ان دونوں میں جھگڑا ہوا تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر کو خط لکھا اور کہا کہ ضبہ ہم پر لعن طعن کرتا ہے، حضرت عمر نے ان کو مدینہ بھیجنے کا حکم فرمایا، یہ مدینہ آئے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس داخل ہوئے تو حضرت عمر نے کہا:

”لَا مَرْحَبًا بِضَبَّةَ وَلَا اَهْلًا“

ضبہ اور اس کے اہل کے لئے خوشی اور مبارک بادی نہیں ہے، ضبہ نے کہا کہ بہر حال خوشی تو اللہ دینے والا ہے، اور رہی آل کی بات تو میرے پاس آل اور مال نہیں ہے، حضرت عمر نے کہا کہ

”مَا الَّذِیْ شَجَرَ بَیْنَکَ وَبَیْنَ عَامِلِکَ“؟

تمہارے اور تمہارے گورنر کے درمیان کیا بات ہوئی؟ کہنے لگے کہ اے امیر المؤمنین! بات در اصل یہ ہے کہ جب ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ خطبہ دیتے ہیں تو پہلے اللہ پاک کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درودِ مبارکہ بھیجتے ہیں، پھر آپ کی تعریف اور آپ کے لئے دعا کرتے ہیں، تو مجھے یہ بات ناگوار ہوئی کہ وہ آپ کا ذکر تو کریں اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر چھوڑ دیں، گویا وہ آپ کو حضرت ابو بکر پر فضیلت دے رہے ہیں، بس یہ بات تھی، انہوں نے اس کی شکایت آپ سے کر دی، یہ سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور کہنے لگے: ”اَنْتَ وَاللّٰہِ اَوْفَقُ مِنْہُ وَاَرْشَدُ مِنْہُ“ اللہ کی قسم تم ان سے زیادہ صحیح ہو، پھر کہنے لگے کہ کیا تم مجھے معاف کر دوگے؟ ضبہ کہنے لگے: کہ اے امیر المؤمنین اللہ پاک آپ کی مغفرت فرمائیں گے۔

ابو بکر کا ایک دن اور ایک رات عمر اور آلِ عمر سے بہتر ہے:

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ”وَاللّٰہِ لَلَیْلَۃٌ مِنْ اَبِیْ بَکْرٍ وَیَوْمٌ خَیْرٌ مِنْ عُمَرَ وَآلِ عُمَرَ“

اللہ کی قسم ابو بکر کی صرف وہ ایک رات اور دن عمر اور آلِ عمر سے بہتر ہے، اس کے بعد کہنے لگے کہ کیا میں تم کو اس رات اور دن کے بارے میں نہ بتاؤں؟ میں نے کہا ضرور اے امیر المومنین! ضرور بتلایئے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بے چینی:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کے لئے نکلے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے، کبھی وہ آپ کے آگے چلتے، کبھی پیچھے چلتے، کبھی دائیں چلتے تو کبھی بائیں چلتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ”مَاھٰذَا یَا اَبَابَکْرٍ مَا اَعْرِفُ ھٰذَا مِنْ فِعْلِکَ“

” اے ابو بکر یہ کیا ہے؟ تمہارے عمل کا مطلب میں نہیں سمجھا“

انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! کبھی مجھے راستہ کا خیال آتا ہے تو آپ کے آگے چلتا ہوں اور جب آپ کی فکر ہوتی ہے تو آپ کے دائیں، بائیں اور پیچھے چلتا ہوں، پھر جب آپ چلتے چلتے تھک گئے تو انگلیوں کے اطراف پر چلنے لگے یہاں تک کہ وہ گھس گئے۔

تکلیف پہلے مجھے پہنچے:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب یہ دیکھا تو آپ کو اپنے کاندھوں پر اٹھالیا، یہاں تک کہ جب غار کے منھ پر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتار دیا، اس کے بعد کہنے لگے:

”وَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ لَاتَدْخُلُہُ حَتّٰی اَدْخُلَہُ فَاِنْ کَانَ فِیْہِ شَیْءٌ یَبْدَأُبِیْ قَبْلَکَ“

قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا آپ میرے داخل ہونے سے پہلے مت داخل ہویئے، اگر اس میں کوئی چیز ہو جو نقصان دہ ہو تو وہ آپ سے پہلے مجھ تک پہنچ جائے، جب غار میں داخل ہوئے اور ڈر اور خوف نہ رہا تو آپ کو اٹھایا اور غار میں داخل ہوئے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے معیتِ الٰہی کا پروانہ:

اس غار میں ایک سوراخ تھا، جس میں سانپ تھے، جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھا تو اپنی ایڑی وہاں رکھ دی، سانپ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ڈس دیا، تکلیف کی شدت کی وجہ سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے آنسو نکل کر بہنے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”لَاتَحْزَنْ یَا اَبَابَکْرٍ اِنَّ اللہَ مَعَنَا“ (منہاج السنۃ النبویۃ: ۴/۷۹)

”اے ابو بکر غم مت کرو بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں“

پھر اللہ پاک نے حضرت ابو بکر کو سکون اور اطمینان عطا فرمایا، بس یہ وہ رات ہے جس کے سامنے عمر اور آلِ عمر کچھ نہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دین میں تصلب:

رہا ان کے اس ایک دن کی فضیلت کا مسئلہ جو عمر اور آلِ عمر سے بہتر ہے، تو وہ وہ دن ہے جس دن آپ ﷺ اس دارِ فانی کو رخصت کر کے چلے گئے تو کچھ عرب مرتد ہو گئے، کچھ کہنے لگے کہ ہم نماز تو پڑھیں گے لیکن زکوۃ نہیں دیں گے، کچھ کہنے لگے کہ ہم زکوۃ دیں گے لیکن نماز نہیں پڑھیں گے، میں ان کے پاس آیا، تو حضرت ابو بکر نے کہا کہ میں کسی کو چھوڑوں گا نہیں، میں نے کہا:

”یَا خَلِیْفَةَ رَسُوْلِ اللهِ تَأَلَّفِ النَّاسَ وَارْفُقْ بِهِمْ“

اے اللہ کے رسول کے خلیفہ لوگوں کے ساتھ کچھ نرمی کیجیے، تو حضرت ابو بکر نے مجھ سے کہا:

”اَجَبَّارٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَخَوَّارٌ فِي الْإِسْلَامِ قُبِضَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَارْتَفَعَ الْوَحْيُ وَاللهِ لَوْ مَنَعُوْنِيْ عِقَالًا كَانُوْا يُعْطُوْنَهُ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَيْهِ فَقَاتَلْنَا مَعَهُ فَكَانَ وَاللهِ رَشِيْدَ الْأَمْرِ فَهٰذَا يَوْمُهُ“

زمانۂ جاہلیت میں تو بڑے بے رحم تھے اور اسلام کے بعد بڑے نرم دل اور پست حوصلہ کا مظاہرہ کر رہے ہو؟ اللہ کے نبی کی روح قبض کر لی گئی، وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا، اللہ کی قسم اگر وہ مجھ سے ایک رسی کا ٹکرا بھی روک دیں گے جو وہ نبی ﷺ کو دیتے تھے تو میں ان سے قتال کروں گا، پھر ہم سب نے مل کر مانعینِ زکوٰۃ سے قتال کیا، اللہ کی قسم وہ ہدایت یافتہ راہِ راست پر قائم، بالغ النظر اور دور رس تھے“ یہ وہ دن تھا جس کے مقابلہ میں عمر اور آلِ عمر کچھ نہیں۔

پھر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور ان کو تنبیہ کی۔ اس واقعہ سے بتلانا یہ ہے کہ صحابہ کے زمانے میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خطبۂ ثانیہ میں ذکر کیا جانے لگا تھا، اور غالباً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس تنبیہ کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا بھی وہ نام لینے لگے۔ (منہاج السنة النبویة: ۴/۷۷ تا ۷۹)

خلفاءِ راشدین کے اجتماعی فضائل:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بھی قرآن وحدیث میں ان کے مقام اور مرتبہ کے پیش نظر ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کا ذکر کرنے لگے تھے، اور بگمان ابن تیمیہ بعد میں وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر کرنے لگے، اور چونکہ ان فتنوں کا وجود آج بھی ہے، جو ان ناپاک سازشوں میں آج بھی لگے ہوئے ہیں، جب کہ قرآن وحدیث میں ان خلفاء کے فضائل بے شمار ہیں، اس لئے خطبوں میں ان سب کے ذکر کی ضرورت محسوس ہونے لگی، جیسا کہ اس سے پہلے بھی اس کا ذکر کیا گیا، اور اسی بنیاد پر ان کے چند فضائل جو احادیثِ مبارکہ میں منقول ہیں آپ کے سامنے ذکر کئے جارہے ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے خلفاء کے اجتماعی طور پر جو فضائل منقول ہیں ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضور کی سنت کے ساتھ خلفاء کی سنت بھی لازم پکڑنے کا حکم:

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّيْنَ الرَّاشِدِيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ“ (سنن ابی داؤد: کتاب السنة: ۴۶۰۹)

تم میری اور خلفاءِ راشدین، مہدیین کی سنت کو لازم پکڑو، اور اس کو تھام لو، اور ڈاڑھوں کے ذریعہ اس کو مضبوط پکڑ لو۔

خلفاءِ راشدین کے لئے حضور ﷺ کی دعا:

ایک اور روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”رَحِمَ اللّٰهُ أَبَا بَكْرٍ زَوَّجَنِي ابْنَتَهُ وَحَمَلَنِيْ إِلَى دَارِ الْهِجْرَةِ وَأَعْتَقَ بِلَالًا مِنْ مَالِهِ رَحِمَ اللّٰهُ عُمَرَ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَإِنْ كَانَ مُرًّا تَرَكَهُ الْحَقُّ وَمَالَهُ صَدِيْقٌ رَحِمَ اللّٰهُ عُثْمَانَ تَسْتَحْيِيْهِ الْمَلَائِكَةُ رَحِمَ اللّٰهُ عَلِيًّا اَللّٰهُمَّ أَدِرِ الْحَقَّ مَعَهُ حَيْثُ دَارَ“ (سنن ترمذی: کتاب المناقب: ۳۷۱۴)

اللہ ابو بکر رضی اللہ عنہ پر رحم کرے انہوں نے اپنی لڑکی کا نکاح میرے ساتھ کر دیا اور مجھے دارالہجرت (مدینہ) تک سہارا دے کر لائے۔ اور بلال رضی اللہ عنہ کو اپنے مال سے آزاد کیا۔ اللہ عمر رضی اللہ عنہ پر رحم

کرے وہ سچ کہتے ہیں اگرچہ تلخ ہو، حق نے اس حال میں چھوڑ دیا ہے کہ ان کا کوئی دوست نہیں۔ اللہ عثمان رضی اللہ عنہ پر رحم کرے ان سے فرشتے حیا کرتے ہیں۔ اللہ علی رضی اللہ عنہ پر رحم کرے، اے اللہ! حق اسی طرف پھیر دے جس طرف علی رضی اللہ عنہ پھریں۔

حدیثِ عشرۂ مبشرہ:

حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَبُوْ بَکْرٍ فِي الْجَنَّةِ وَعُمَرُ فِي الْجَنَّةِ وَعُثْمَانُ فِی الْجَنَّةِ وَعَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ وَطَلْحَةُ فِی الْجَنَّةِ والزُّبَيْرُ فِی الْجَنَّةِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابنُ عَوْفٍ فِی الْجَنَّةِ وَسَعْدُ بْنُ اَبِی وَقَّاصٍ فِی الْجَنَّةِ وَسَعِيْدُ بْنُ زَيْدٍ فِی الْجَنَّةِ وَاَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِي الْجَنَّةِ۔ (سنن ابو داؤد: کتاب السنۃ، ۴۶۴۹)

ابو بکر (رضی اللہ عنہ) جنت میں جائیں گے۔ اور عمر (رضی اللہ عنہ) جنت میں جائیں گے۔ اور عثمان (رضی اللہ عنہ) جنت میں جائیں گے۔ اور علی (رضی اللہ عنہ) جنت میں جائیں گے۔ اور طلحہ (رضی اللہ عنہ) جنت میں جائیں گے۔ اور زبیر (رضی اللہ عنہ) جنت میں جائیں گے۔ اور عبد الرحمن بن عوف (رضی اللہ عنہ) جنت میں جائیں گے۔ اور سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) جنت میں جائیں گے۔ اور سعید بن زید (رضی اللہ عنہ) جنت میں جائیں گے۔ اور ابو عبیدۃ بن الجراح (رضی اللہ عنہ) جنت میں جائیں گے۔

یہ چند اجتماعی فضیلتیں ان خلفاء کی ہیں، اس کے علاوہ انفرادی طور بھی ان کے بے شمار فضائل مروی ہیں۔ چنانچہ افضلیت کی ترتیب کے اعتبار سے ہر خلیفہ کے چند فضائل ذکر کئے جا رہے ہیں۔

فضائلِ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ محبوب:

حضرت عمرو بن ابو العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے غزوۂ ذات السلاسل کے موقع پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا! اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ اور ان کے سوال کا سبب یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما

کی موجودگی میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو سردار لشکر بنایا تو ان کو خیال ہوا کہ شاید حضور مجھے سب سے زیادہ چاہتے ہیں، اس لئے انھوں نے سوال کیا کہ آپ کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ آپ نے فرمایا: "عَائِشَةُ"، پھر میں نے کہا کہ "مِنَ الرِّجَالِ" مردوں میں کون سب سے زیادہ محبوب ہیں؟ آپ نے فرمایا: "اَبُوْهَا" ان کے باپ یعنی ابو بکر۔ (صحیح بخاری: کتاب فضائل الصحابة: ۳۶۶۲)

امت پر سب سے زیادہ مہربان:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"أَرْحَمُ أُمَّتِي بِأُمَّتِي اَبُوْ بَكْرٍ" (سنن ترمذی: کتاب المناقب، ۴۱۵۹)

میری امت میں سب سے زیادہ میری امت پر مہربان ابو بکر (رضی اللہ عنہ) ہیں۔

حوض کوثر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یار کون؟

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:

أَنْتَ صَاحِبِيْ فِي الْغَارِ وَصَاحِبِيْ عَلَى الْحَوْضِ۔ (سنن ترمذی: کتاب المناقب، ۴۰۳۳)

تم غار میں میرے ساتھ رہے اور حوض کوثر پر بھی میرے ساتھ رہو گے۔

ابو بکر کے ہوتے ہوئے دوسرے کو امامت زیبا نہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک روایت میں فرماتی ہیں، نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"لَا يَنْبَغِيْ لِقَوْمٍ فِيْهِمْ اَبُوْ بَكْرٍ اَنْ يَّؤُمَّهُمْ غَيْرُهٗ" (سنن ترمذی: کتاب المناقب، ۴۰۳۶)

جس جماعت میں ابو بکر (رضی اللہ عنہ) موجود ہوں اس کے لیے زیبا نہیں کہ ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کے سوا کوئی دُوسرا اس کی امامت کرے۔

حضور کے بعد کس سے رجوع ہوں؟

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس نے کسی معاملہ میں گفتگو کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم دیا کہ وہ لوٹ جائے،

پھر اس نے کہا یا رسول اللہ اس کے بعد میں آؤں، اور آپ کو نہ پاؤں یعنی آپ کی وفات ہو جائے تو کس کے پاس جاؤں؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: فَإِنْ لَمْ تَجِدِيْنِيْ فَأْتِيْ اَبَا بَكْرٍ۔ (صحیح مسلم: فضائل الصحابة، ۶۳۳۰) اگر تو مجھے نہ پائے تو پھر ابو بکر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے پاس جانا۔

اہلِ جنت کے سردار:

حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بن ابی طالب سے روایت ہے کہ رسول خدا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

اَبُوْ بَكْرٍ وَ عُمَرُ سَيِّدَا كُهُوْلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ مَا خَلَا النَّبِيِّيْنَ وَ الْمُرْسَلِيْنَ۔ (سنن ترمذی: کتاب المناقب، ۴۰۲۸)

ابو بکر (رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ) اور عمر (رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ) جنت کے بڑی عمر والوں کے سردار ہیں سوائے انبیاو مرسلین کے۔

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جنت میں جو لوگ بڑی عمر کے ہوں گے، حضرت ابو بکر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اور عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ان کے سردار ہوں گے، اس لیے کہ جنت میں کوئی بڑی عمر کا نہ ہو گا، سب نوجوان ہوں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس وقت یہ حدیث ارشاد فرمائی گئی اس وقت جو مستحقین جنت بڑی عمر کے تھے ان کے سردار ہوں گے۔ ایسا ہی مطلب اس حدیث کا بھی ہے جس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرات حسنین رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا جوانانِ جنت کے سردار ہوں گے۔

انبیاء کے بعد سب سے بہتر کون؟

حضرت علی بن ابی طالب رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

خَيْرُ الْاُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا اَبُوْ بَكْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ثُمَّ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ۔ (مسند احمد: مسند علی، ۸۴۶۔ صحیح بخاری: ۳۶۷۱)

اس امت میں نبی کے بعد سب سے بہتر ابو بکر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ہیں پھر عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ہیں۔

حضرت ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کہتے ہیں:

كُنَّا نُخَيِّرُ بَيْنَ النَّاسِ فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَنُخَيِّرُ أَبَا بَكْرٍ، ثُمَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، ثُمَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔ (صحیح بخاری: فضائل الصحابة، ۳۶۵۵)

ہم لوگ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زمانے میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کو سب سے افضل قرار دیتے تھے، پھر ان کے بعد حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اور ان کے بعد حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کو۔

اور معجم طبرانی میں یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس مقولہ کو سنتے تھے اور انکار نہ فرماتے تھے۔(فتح الباری: ج۷، ص۱۴)

تمام زمین والوں کا ایمان ابو بکر کے ایمان کے سامنے ہیچ ہے:

"لَوْ وُزِنَ اِیْمَانُ اَبِیْ بَکْرٍ بِاِیْمَانِ اَھْلِ الْاَرْضِ لَرَجَحَ بِھِمْ" (شعب الایمان: ۶۳)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تمام اہل زمین کے ایمان کا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان کے ساتھ وزن کیا جائے تو ابو بکر کا پلڑا جھک جائے گا اور وہ سب سے وزنی ہو گا۔

یہ چند فضائل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہیں، اس کے بعد چند فضائل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پیش ہیں۔

فضائلِ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاروق:

شیطان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھتا تو راستہ بدل دیتا:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یَا ابْنَ خَطَّابٍ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا لَقِیَکَ الشَّیْطَانُ سَالِکًا فَجًّا قَطُّ اِلَّا سَلَکَ فَجًّا غَیْرَ فَجِّکَ (صحیح بخاری: فضائل الصحابۃ، ۳۶۸۳)۔ وفی الترمذی اِنَّ الشَّیْطَانَ لَیُخَافُ مِنْکَ یَا عُمَرُ (سنن ترمذی: کتاب المناقب، ۴۰۵۴)

اے ابن خطاب رضی اللہ عنہ! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ شیطان جب تم کو کسی راستے میں چلتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستے پر چلنے لگتا ہے۔

اور ترمذی کی روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عمر! بیشک شیطان تم سے ڈرتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کسی بات میں شیطان کا دخل نہیں ہو سکتا، یہ صفت اگر عصمت نہیں تو ظل عصمت ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔

اس فرمانِ نبی کو دیکھئے، کہ حضرت عمر کے بارے کیا ارشاد فرما رہے ہیں؟ اور آج کے بعض جاہل اور زندیق نعوذ باللہ حضرت عمر کو بدعتی اور ان کی سنتوں کو بدعت کہنے لگتے ہیں!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا محل:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کی بیوی رُمیصاء رضی اللہ عنہا کو دیکھا اور میں نے کسی کے چلنے کی آواز سنی تو پوچھا یہ کون ہے؟ فرشتوں نے کہا یہ بلال رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور میں نے ایک محل وہاں دیکھا جس کے صحن میں ایک لونڈی تھی، تو پوچھا یہ کس کا ہے؟ تو لوگوں نے کہا عمر بن خطاب کا ہے، میرا ارادہ ہوا کہ اس محل کو اندر جا کر دیکھوں مگر مجھ کو اے عمر تمہاری غیرت کا خیال آگیا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَعَلَیْکَ اَغَارُ" (صحیح بخاری: کتاب بدأ الخلق، ۳۲۴۲)

یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں کیا میں آپکے اوپر غیرت کرتا؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دین کی شہادت:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا:

بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ رَاَیْتُ النَّاسَ یُعْرَضُوْنَ عَلَیَّ قُمُصٌ مِنْھَا مَا یَبْلُغُ الثَّدِیَّ وَمِنْھَا مَا دُوْنَ ذٰلِکَ وَعُرِضَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلَیْہِ قَمِیْصٌ یَجُرُّہٗ قَالُوْا: فَمَا اَوَّلْتَ ذٰلِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ: اَلدِّیْنَ۔ (صحیح بخاری: کتاب الایمان، ۲۳)

میں سو رہا تھا اور لوگ میرے سامنے پیش کیے جا رہے ہیں اور لوگ قمیص پہنے ہوئے ہیں کسی کا قمیص پستان تک ہے اور کسی کا اس سے کچھ نیچا اور عمر بن خطاب جو میرے سامنے لائے گئے تو ان کا قمیص اتنا نیچا تھا کہ چلنے میں زمین پر گھسٹتا جاتا تھا تو لوگوں نے کہا یارسول اللہ! اس کی تعبیر آپ نے کیا لی؟ فرمایا دین!

معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سراپا دین تھے ان کا دین اُن کی ہستی سے بھی زائد تھا۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَقَدْ کَانَ فِیْمَا قَبْلَکُمْ مِنَ الْاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ یَکُ فِیْ اُمَّتِیْ اَحَدٌ فَاِنَّہٗ عُمَرُ۔ (صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء، ۳۴۶۹)

تم سے پہلے کی امتوں میں کچھ لوگ محدث ہوتے تھے یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے ان پر الہام ہوتا تھا، یا فرشتے سے ہم کلامی انہیں نصیب ہوتی تھی، میری امت میں اگر کوئی ایسا ہے تو یقیناً وہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ (شرح نووی علی مسلم:۱۵:۱۶۶)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علم حضور کی زبانی:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا اس حال میں کہ میں سورہا تھا مجھے ایک جام دودھ کا دیا گیا، میں نے پیا، ”حَتّٰی اِنِّی لَارَیَ الرِّیَّ یَخْرُجُ مِنْ أَطْرَافِیْ“ یہاں تک کہ سیرابی کو میں نے دیکھا کہ میرے ناخنوں سے نکلنے لگی پھر میں آپ نے اس کی کیا تعبیر لی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نے اپنا بچا ہوا عمر بن خطاب کو دے دیا، لوگوں نے کہا: ”فَمَا أَوَّلْتَ ذٰلِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ“ یا رسول اللہ فرمایا کہ علم! (صحیح بخاری: کتاب التعبیر، ۷۰۰۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ علم دین میں بڑی فوقیت رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب آپ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ علم کے دس حصوں میں سے نو حصے لے گئے، کسی نے کہا ابھی اجلۂ صحابہ رضی اللہ عنہ موجود ہیں اُن کے ہوتے ہوئے آپ ایسا کہتے ہیں؟ تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ علم نہیں مراد لیتا ہوں جو تم سمجھتے ہو بلکہ علم باللہ مراد لیتا ہوں۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں ایک کنویں پر کھڑا ہوں اور اس پر ڈول رکھا ہے میں نے اس کنویں میں سے جس قدر ڈول خدا کو منظور تھے نکالے پھر ابو بکر نے اُس ڈول کو لے لیا اور انہوں نے ایک ڈول بلکہ دو ڈول اس کنویں سے نکالے اور ان کے نکالنے میں کچھ کمزوری تھی اللہ ان کی کمزوری کو معاف کرے پھر وہ ڈول پُر ہو گیا اس کو عمر نے لے لیا، میں نے کسی طاقتور انسان کو نہیں دیکھا کہ عمر کی طرح پانی بھر سکتا ہو، یہاں تک کہ تمام لوگ سیراب ہو گئے۔ (صحیح بخاری: فضائل الصحابۃ، ۳۶۷۶)

حضرت عمر کی حق گوئی کی شہادت:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِہٖ وفی روایۃ ابی داؤد عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ وَضَعَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ یَقُوْلُ بِہٖ۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب، ۴۰۴۶، سنن ابی داؤد: کتاب الخرج، ۲۹۶۴)

اللہ نے عمر کی زبان اور ان کے دل پر حق کو قائم کر دیا ہے اور ابوداؤد میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر حق رکھ دیا ہے وہ جو کہتے ہیں حق ہوتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ہم لوگ اس بات کو بعید نہ سمجھتے تھے کہ سکینہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر بولتا ہے۔

حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی ہوتے تو عمر ہوتے:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لکانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ۔ (سنن ترمذی: کتاب المناقب، ۳۶۸۶)

اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو یقیناً وہ عمر بن خطاب ہوتے۔

حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما نبی ﷺ کے دائیں اور بائیں سے اٹھیں گے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نب ﷺ ایک روز گھر سے باہر نکل کر مسجد تشریف لے گئے اور آپ ﷺ کے ہمراہ ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے، ایک آپ ﷺ کے داہنی جانب اور دوسرے بائیں جانب تھے اور آپ اُن دونوں کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، اسی حالت میں آپ ﷺ نے فرمایا: "ھٰکَذَا نُبْعَثُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ" کہ ہم تینوں قیامت کے دن اسی طرح اٹھائے جائیں گے۔ (سنن ترمذی: کتاب المناقب، ۴۰۳۲)

حضور کے دو وزیر:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ نَبِیٍّ اِلَّا لَہٗ وَزِیْرَانِ مِنْ اَھْلِ السَّمَاءِ وَوَزِیرَانِ مِنْ اَھْلِ الْاَرْضِ فَاَمَّا وَزِیْرَایَ مِنْ اَھْلِ السَّمَاءِ فَجِبْرِیْلُ وَمِیْکَائِیلُ وَاَمَّا وَزِیرَایَ مِنْ اَھْلِ الْاَرْضِ فَاَبُوْ بَکْرٍ وَعُمَرُ۔ (سنن ترمذی: کتاب المناقب، ۴۰۴۴)

کہ ہر نبی کے دو وزیر آسمان والوں میں سے ہوتے ہیں اور دو وزیر زمین والوں میں سے میرے دو وزیر آسمان والوں میں جبرئیل و میکائیل ہیں اور دو وزیر زمین والوں میں سے ابو بکر و عمر ہیں۔

اس کے بعد حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے چند فضائل پیش ہیں۔

فضائل حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ:

فرشتے بھی عثمان سے حیا کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا:

"اَلَا اَسْتَحْیِ مِنْ رَجُلٍ تَسْتَحِیْ مِنْهُ الْمَلَائِکَةُ" (الادب المفرد: کتاب المریض، ۶۰۳)

کہ میں اس شخص سے کیوں نہ حیا کروں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں۔

جنت میں نبی کے رفیق:

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لِکُلِّ نَبِیٍّ رَفِیْقٌ وَ رَفِیْقِیْ فِی الْجَنَّةِ عُثْمَانُ" (سنن ترمذی: کتاب المناقب، ۴۰۶۳)

ہر نبی کے کچھ رفیق ہوتے ہیں اور میرے رفیق جنت میں عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔

آج کے بعد عثمان کے لئے کوئی گناہ نقصان دہ نہیں:

حضرت عبد الرحمن بن سمرة رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کے موقع پر سامان جمع فرمارہے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپ کے پاس ایک ہزار اشرفیاں لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں ڈال دیں، پس میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ان اشرفیوں کو الٹتے پلٹتے تھے اور فرماتے تھے "مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الیَوْمِ مَرَّتَیْنِ" (سنن ترمذی: کتاب المناقب، ۴۰۶۶) کہ عثمان کو اب کچھ نقصان نہیں ہو سکتا، آج کے بعد جو چاہیں کریں دُو مرتبہ یہی فرمایا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی پیشین گوئی:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اُحد پہاڑ پر چڑھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابو بکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ تھے، پہاڑ ہلنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اپنے پاؤں سے اس کو اشارہ کیا، اور فرمایا: "اُثْبُتْ اُحُدُ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَ صِدِّيْقٌ وَ شَهِيْدَانِ" اے احد ٹھہر جا تیرے اوپر ایک نبی اور ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ (صحیح بخاری: فضائل الصحابۃ، ۳۶۷۵)

خلفاءِ ثلاثہ کے لئے جنت کی شہادت:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا، مدینہ کے باغوں میں سے ایک باغ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے اجازت چاہی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اِئْذَنْ لَهٗ وَ بَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ" کہ ان کو اجازت دے دو اور ان کو جنت کی خوشخبری سنا دو میں نے دروازہ کھول دیا اور دیکھا کہ ابو بکر تھے، میں نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق خوشخبری سنادی، انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا، پھر ایک شخص اور آیا اور اس نے اجازت چاہی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں بھی اجازت دے دو، اور ان کو بھی جنت کی خوشخبری سنا دو چنانچہ میں نے دروازہ کھولدیا اور دیکھا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ تھے میں نے ان کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق خوشخبری سنادی انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا پھر اور ایک شخص آیا اور اس نے دروازہ کھلوایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اِئْذَنْ لَهٗ وَ بَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ عَلٰى بَلْوٰى تُصِيْبُهٗ" ان کو اجازت دے دو، اور ان کو بھی جنت کی خوشخبری سنا دو ایک مصیبت پر جو ان کو پہنچے گی، وہ عثمان رضی اللہ عنہ تھے میں نے ان کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق خوشخبری سنادی انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا پھر کہا کہ اللہ میری مدد کرے۔ (صحیح بخاری: فضائل الصحابۃ: ۳۶۷۴)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت الرضوان کا حکم دیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد بن کر مکہ گئے ہوئے تھے کہ لوگوں نے بیعت شروع کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اِنَّ عُثْمَانَ فِيْ حَاجَةِ اللهِ وَ حَاجَةِ رَسُوْلِهٖ فَضَرَبَ بِاِحْدٰى يَدَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى فَكَانَتْ يَدُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ لِعُثْمَانَ خَيْرًا مِنْ اَيْدِيْهِمْ لِاَنْفُسِهِمْ" (سنن ترمذی: کتاب المناقب، ۴۰۶۷)

بے شک عثمان اللہ اور اس کے رسول کے کام سے گئے ہوئے ہیں، پھر آپ ﷺ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا اور فرمایا کہ یہ بیعت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہے پس رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ جو عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیعت کے لیے تھا لوگوں کے ہاتھوں سے بہتر تھا۔

تینوں خلفاء کیلئے خلافت کی پیشین گوئی:

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے:

”کَاَنَّ مِیزَ انًانَزَلَ مِنَ السَّمَاءِفَوُزِنْتَ اَنْتَ وَ اَبُوْ بَکْرٍ فَرُ جِحْتَ اَنْتَ وَوُزِنَ اَبُوْ بَکْرٍ وَ عُمَرُ فَرُ جِحَ اَبُوْ بَکْرٍ وَوُزِنَ عُمَرُ وَ عُثْمَانُ فَرُ جِحَ عُمَرُ ثُمَّ رُفِعَ“ (سنن ابو داود: کتاب السنۃ:۴۶۳۷)

گویا ایک ترازو آسمان سے اتری اور آپ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ تولے گئے تو آپ کا وزن زیادہ رہا، ابو بکر و عمر تولے گئے تو ابو بکر کا وزن زیادہ رہا، اور عمر اور عثمان تولے گئے تو عمر کا وزن زیادہ رہا، پھر وہ ترازو اٹھالی گئی۔ اس خواب کو سن کر رسول اللہ ﷺ رنجیدہ ہوئے اور فرمایا: هٰذِہٖ خِلَافَةُ نُبُوَّةٍ ثُمَّ یُؤْتِی اللّٰہُ الْمُلْکَ مَنْ یَشَاءُ۔

یہ خلافتِ نبویہ ہے، اس کے بعد اللہ جس کو چاہے گا بادشاہت دے گا۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چند فضائل پیش ہیں۔

فضائلِ حضرت علی رضی اللہ عنہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا رتبہ:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی“ (صحیح بخاری: فضائل الصحابۃ، ۳۷۰۶)

کہ تم میری طرف سے اس مرتبہ پر ہو جس مرتبے پر ہارون موسیٰ کی طرف سے تھے مگر بات یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہو گا۔

حضرت علی سے بغض نفاق کی علامت ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”وَالَّذِیْ فَلَقَ الْحَبَّۃَ وَبَرَءَ النَّسَمَۃَ اَنَّہٗ لَعَھِدَ النَّبِیُّ الْأُمِّیِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِلَیَّ اَنْ لَا یُحِبُّنِیْ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا یُبْغِضُنِیْ اِلَّا مُنَافِقٌ“ (صحیح مسلم: کتاب الایمان، ۲۹۴)

”قسم ہے اس کی جس نے دانے کو پھاڑ کر درخت نکالا اور جان کو پیدا کیا، نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ مجھ سے وہی محبت کرے گا جو مومن ہو گا اور مجھ سے وہی بغض رکھے گا جو منافق ہو گا۔

حضرت علی کے لئے اللہ اور رسول کی جانب سے محبت کا پروانہ:

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر کے دن فرمایا:

”لَأُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ“

کل میں یہ جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ فتح دے گا وہ شخص اللہ سے اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہو گا، اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت رکھتا ہو گا، پھر جب صبح ہوئی تو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے سب لوگ اس بات کی امید رکھتے تھے کہ جھنڈا اُس کے ہاتھ میں دیا جائے گا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اَيْنَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ؟ لوگوں نے کہا کہ ان کو آشوب چشم ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو بلواؤ چنانچہ وہ لائے گئے، ”فَبَصَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فِيْ عَيْنَيْهِ فَبَرَاَ حَتّٰى كَاَنْ لَمْ يَكُنْ بِهٖ وَجَعٌ فَاَعْطَاهُ الرَّايَةَ“ (صحیح بخاری: کتاب المغازی، ۴۲۱۰)

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگا دیا تو وہ اچھے ہو گئے، گویا کہ کوئی تکلیف تھی ہی نہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جھنڈا دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام مومنین کے مولیٰ ہیں:

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ” اِنَّ عَلِيًّا مِنِّيْ وَاَنَا مِنْهُ وَهُوَ وَلِيُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ “ (سنن ترمذی: کتاب المناقب، ۴۰۷۷)

کہ علی میرے ہیں اور میں اُن کا ہوں اور وہ تمام مومنوں کے محبوب ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور تمنا:

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کہیں بھیجا جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہاتھ اٹھائے ہوئے یہ دعا مانگتے سنا: ”اَللّٰھُمَّ لَا تُمِتْنِیْ حَتّٰی تُرِیَنِیْ عَلِیًّا“ (سنن ترمذی: کتاب المناقب، ۴۱۰۲) کہ یا اللہ مجھے موت نہ دینا جب تک علی کو (واپس آتا) نہ دیکھ لوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں افراط اور تفریط کی پیشین گوئی:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

”فِیْکَ مَثَلٌ مِنْ عِیْسٰی اَبْغَضَتْهُ الْیَهُوْدُ حَتّٰی بَهَتُوْا اُمَّهٗ وَاَحَبَّتْهُ النَّصَارٰی حَتّٰی اَنْزَلُوْهُ بِالْمَنْزِلَةِ الَّتِیْ لَیْسَتْ لَهٗ“

کہ تم میں کچھ مشابہت عیسیٰ کی ہے اُن سے یہودیوں نے بغض کیا یہاں تک کہ ان کی ماں پر بہتان لگایا اور نصاریٰ نے اُن سے محبت کی یہاں تک کہ ان کو اس مرتبہ پر پہنچا دیا جس پر وہ نہ تھے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

”یَهْلِکُ فِیَّ رَجُلَانِ مُحِبٌّ مُفْرِطٌ یُقَرِّظُنِیْ بِمَا لَیْسَ فِیَّ وَمُبْغِضٌ یَحْمِلُهٗ شَنَاٰنِیْ عَلٰی اَنْ یَبْهَتَنِیْ“ (مسند احمد: مسند علی، ۱۳۹۲)

”میرے متعلق دو قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے ایک محبت میں غلو کرنے والا جو میری ایسی تعریف کریگا جو مجھ میں نہیں ہے اور دوسرا بغض رکھنے والا کہ میری عداوت اس کو میرے اوپر بہتان لگانے پر آمادہ کرے گا“

اس قول سے معلوم ہوا کہ اہل سنت کا جو اعتقاد آپ رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے وہی حق ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں افراط اور تفریط سے بچنا چاہئے، خوارج اور روافض یہ دو فرقے ایسے ہیں جنھوں نے یا تو افراط کیا یا تفریط، اور دونوں ہی ہلاک ہوئے۔ خوارِج نے ان سے عداوت کی یہاں تک کہ اُن کے ایمان کا ہی انکار کر دیا، اور روافض نے اُن کی شان میں اتنا غلو کیا کہ ان

کے ایک فرقے نے ان کو خدا ہی مان لیا، اور نبی سے آپ کو افضل قرار دیا، اور آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کر دیا۔ یہ خلفاءِ راشدین کی فضیلت سے متعلق چند احادیث مبارکہ نقل کی گئی ہیں، جن سے آپ کو اندازہ ہوا ہوگا کہ ان خلفاء کا شریعت میں کیا مقام ہے؟ اور اللہ اور رسول کے ہاں ان کی کتنی عظمت اور اہمیت ہے؟ اور اللہ اور رسول کے ہاں ان کا علم، ان کا دین، ان کا تقویٰ اور اللہ اور رسول کا ان پر اعتماد کتنا ہے؟ اور ان خلفاء کی شان میں گستاخی کرنا، ان پر کیچڑ اچھالنا اور ان پر تنقید کرنا کتنا برا ہے؟ اور ان کی تردید کتنی ضروری ہے؟ اور ان کے مقام و مرتبے کو لوگوں کے سامنے بیان کرنا کتنا ضروری ہے؟

سیرتِ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ:

اب حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت مبارکہ سے متعلق، اور فقہاء و محدثین کے نزدیک ان کا مقام اور مرتبہ، ان کا تقویٰ و طہارت سے متعلق چند باتیں ذکر کی جارہی ہیں، کیونکہ خطبہ میں ان خلفاءِ راشدین کے ذکر کی ابتداء دراصل حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ ہی نے کی ہے، اس لئے آپ کی سیرت اور آپ کی فقاہت، آپ کا تقویٰ اور طہارت، اور آپ کی علمی اور عملی حیثیت کے بارے میں علماء اور محدثین کے چند اقوال کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ تاکہ آپ کی جانب سے اس فعل کی ابتداء کی اہمیت کو سمجھا جاسکے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ آپ اجلِ تابعین میں سے ہیں، صحابہؓ کرام سے آپ نے بالراست روایات بیان کی ہیں، اور آپ سے ابن شہاب زھری رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے روایات نقل کی ہیں، (فتح الباب فی الکنی والالقاب:۱/۲۰۹) ۶۱ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۹۹ ہجری یا بقول بعض ۱۰۱ ہجری میں ماہِ رجب یومِ جمعہ آپ کی وفات ہوئی۔ فن حدیث کی تدوین کا سبب خود آپ تھے، آپ ہی نے سب سے پہلے حدیث کی تدوین کا حکم دیا تھا، جس کی تکمیل ابن حزم اور ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے، (التعدیل والتجریح:۳/۹۴۱) تقریباً تمام ہی محدثین نے آپ سے روایتوں کو نقل کیا ہے۔ اور تمام علماء نے آپ کے نہج کو اختیار کیا۔ اور آپ کی ڈھائی

سالہ خلافت کو دیکھ کر آپ کو عمرِ ثانی کہا جانے لگا، اور آپ کی خلافت کو خلافتِ راشدہ سے تعبیر کیا جانے لگا، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ آپ کی خلافت کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرح قرار دیتے تھے، (التاریخ الاوسط للبخاری: ۳/۱۷) اور آپ کا عدل و انصاف ایسا تھا کہ آپ کے زمانے میں شیر اور بکری ایک ہی گھاٹ پر پانی پیتے تھے، محمد ابن عیینہ کہتے ہیں کہ ہم اپنی بکریوں کو حضرت عمر بن عبد العزیز کی خلافت میں جہاں چرواتے تھے وہاں بھیڑیے اور درندے بھی چرتے تھے، حتیٰ کہ ایک دن ایک وحشی جانور نے ایک بکری پر حملہ کر دیا تو ہم نے کہا: ”مَا اَرَی الرَّجُلَ الصَّالِحَ اِلاَّ قَدْ ھَلَکَ“ کہ ایسا لگتا ہے کہ اس نیک آدمی کا آج انتقال ہو گیا، (الطبقات الکبریٰ: ۵/۳۸۷) اور ان کے زمانے میں زکوۃ کی ادائیگی اور غرباء کو ان کا حق دینے اور ان میں مال کی تقسیم کا ایسا نظام تھا کہ اس زمانے میں زکوۃ لینے والا نہیں ملتا تھا۔ اور یہ تعریف شاعروں کی طرح مبالغہ آمیز نہیں بلکہ مبنی بر حقیقت ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں علماء و محدثین کے اقوال:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے بارے میں کہا: ”ھُوَ اِمَامُ الْھُدیٰ وَ اَنَا اَقْتَدِیْ بِہٖ“ (کتاب المدخل: ۲/۷۵)

”وہ امام الہدیٰ ہیں اور میں ان کی اقتداء کرتا ہوں“

میمون بن مہران آپ کے بارے میں کہتے ہیں:

”کَانَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِیْزِ مُعَلِّمَ الْعُلَمَاءِ“ (التعدیل والتجریح لمن خرج لہ البخاری فی الجامع الصحیح: ۳/۹۴۱)

”عمر بن عبد العزیز علماء کے استاذ ہیں“

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے بارے میں کہا:

”اَلْخُلَفَاءُ خَمْسَۃٌ: اَبُوْ بَکْرٍ وَ عُمَرُ وَ عُثْمَانُ وَ عَلِیٌّ وَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِیْزِ“ (سنن ابی داؤد: کتاب السنۃ: ۴۶۳۳)

”خلفاء پانچ گزرے ہیں، ابو بکر، عمر، عثمان، علی اور عمر بن عبد العزیز“

ایک اور جگہ سفیان ثوری سے منقول ہے:

”کَانَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِیْزِ مِنْ اَئِمَّۃِ الْھُدیٰ“ (مقدمۃ الجرح والتعدیل: لابن ابی حاتم: ۱/۴۸)

اور وہب ابن منبہ فرماتے ہیں:

"اِنْ كَانَ فِيْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ مَهْدِيٌّ فَهُوَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ"

اگر امت میں کوئی اور مہدی ہوتا تو وہ عمر بن عبد العزیز ہوتے۔

ابو بکر ابن عیاش کہتے ہیں:

"وَكَانَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ ثِقَةً مَأْمُوْنًا، لَهٗ فِقْهٌ وَعِلْمٌ، وَوَرَعٌ، وَرَوٰى حَدِيْثًا كَثِيْرًا، وَكَانَ إِمَامَ عَدْلٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَرَضِيَ عَنْهُ" (تکملة الطبقات الکبریٰ:۹/۹۲)

عمر بن عبد العزیز ثقہ تھے، مامون تھے، ان کے پاس فقہ تھا علم تھا، ورع تھا، اور بہت سی احادیث بیان کی ہیں، اور وہ امام عادل تھے، اللہ ان پر رحم کرے اور ان سے راضی ہو جائے۔

امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ اس صدی کے مجدد تھے۔

(موسوعة اقوال امام احمد:۶/۱۹۷)

ابو قلابہ کہتے ہیں کہ مجھ سے دس صحابہ نے کہا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مشابہ تھی۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال:۴/۲۷۰) یہی قول حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

خلیفۂ وقت اور احتیاج:

مسلمہ بن عبد الملک کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں عمر بن عبد العزیز کی عیادت کے لئے گیا تو ان پر ایک ہی میلی کچیلی قمیص تھی، تو میں نے ان کی بیوی فاطمہ بنت عبد الملک سے کہا: "اَلَا تَغْسِلُوْنَ قَمِيْصَهٗ؟ کہ اس قمیص کو دھو کیوں نہیں دیتیں؟ وہ کہنے لگیں: وَاللّٰهِ مَا لَهٗ قَمِيْصٌ غَيْرُهٗ"

کہ اللہ کی قسم ان کے پاس اس قمیص کے علاوہ کوئی اور قمیص ہی نہیں ہے۔

امیر المومنین اور فکرِ آخرت:

عون بن معمر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ عمر بن عبد العزیز اپنی بیوی کے پاس داخل ہوئے اور کہنے لگے کہ اے فاطمہ! کیا تمہارے پاس ایک درہم ہے جس سے میں انگور خرید سکوں؟ انہوں نے کہا کہ نہیں، پھر ساتھ ہی کہنے لگیں کہ آپ تو امیر المومنین ہیں، اور آپ کے پاس ایک

درہم بھی نہیں ہے کہ انگور خرید سکیں؟ کہنے لگے: ''هٰذَا اَهْوَنُ عَلَيْنَا مِنْ مُعَالَجَةِ الْاِغْلَالِ غَدًا فِيْ جَهَنَّمَ'' کہ یہ میرے لئے آسان ہے اس بات سے کہ کل جہنم میں مجھے طوق میں جکڑ دیا جائے''

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی احتیاط کے دو واقعے:

حضرت عطا خراسانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے غلام سے کہا کہ ان کے لئے پانی گرم کرے، وہ گیا اور عام لوگوں کے مطبخ سے ایک قمقم (تانبے کے گھڑے) میں پانی گرم کرکے لایا، عمر بن عبد العزیز نے حکم دیا کہ ایک درہم کی لکڑی خرید کر اس مطبخ میں رکھ دی جائے، تاکہ پانی گرم کرنے میں عوام کا جو خرچ ہوا اس کا حساب چکتا کیا جائے، اور کل قیامت میں ان کی حق تلفی کے الزام میں نہ پکڑے جائیں۔ (الطبقات الکبریٰ:۶۸۴۳)

''كَانَ عُمَرُ يَسْرِجُ عَلَيْهِ الشَّمْعَةَ مَا كَانَ فِيْ حَوَائِجِ الْمُسْلِمِيْنَ فَإِذَا فَرَغَ مِنْ حَوَائِجِهِمْ اَطْفَاهَا ثُمَّ اَسْرَجَ عَلَيْهِ سِرَاجَهٗ'' (الطبقات الکبری:۶۸۴۴)

عمر بن مہاجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز مسلمانوں کی ضروریات کے لئے شمع روشن کرتے تھے، جب گ کی ضروریات سے فارغ ہو جاتے تو اس کو بجھا دیتے اور اپنا چراغ جلا دیتے۔ تاکہ لوگوں کا مال اپنی ذات کے استعمال میں نہ آئے۔

یہ خلفاءِ راشدین کی اہمیت اور عظمت اور اللہ اور اللہ کے حبیب کی نظر میں ان کے مقام و مرتبہ سے متعلق چند احادیث مبارکہ اور حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت اور ان کے بارے میں علماء و محدثین کے چند اقوال ذکر کئے گئے، تاکہ ان کی اس سنت اور ان کے اس اقدام کو بدعت کا نام نہ دیا جائے، اللہ پاک ہم کو صحیح سمجھ اور صحیح فہم کی توفیق نصیب فرمائے، اور ان خلفاء کی اہمیت اور عظمت کو ہمارے دلوں میں برقرار رکھے، اور باطل فرقوں سے اور ان کی گمراہیوں سے ہم سب کو محفوظ رکھے، اور دین پر چلنے میں اپنے سلف کے نہج کو اپنانے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

❋ ❋ ❋

افادات: حضرت مفتی شاہ محمد نوال الرحمن صاحب دامت برکاتہم

ترتیب وتخریج: مفتی محمد عطاء الرحمن ساجد قاسمی

بمقام: شریعہ بورڈ آف امریکہ، جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ۔

ناشر: شریعہ بورڈ آف انڈیا۔

عدل کے تقاضے:

نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلیَّ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَعَلیٰ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ۔

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

”اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ“ (النحل:۹۰)

”بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ تم کو اس کے لیے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو“

برادرانِ اسلام!

اس آیت کی فضیلت اور اس کی جامعیت اس سے قبل آپ کے سامنے ذکر کی گئی، اب اس کی مختصر تشریح بھی سن لیں۔

عدل کسے کہتے ہیں؟

سب سے پہلی بات جو اس آیت میں ذکر کی گئی وہ عدل ہے، عدل وانصاف اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہیں، اس کو قرآن نے دوسرے لفظ میں قسط سے بھی تعبیر کیا ہے، سورۂ رحمٰن میں ہے:

”وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ“ (الرحمن:۱۰)

اور انصاف (اور حق رسانی) کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول کو گھٹاؤ مت۔

عدل لغت میں ہر شئی میں افراط اور تفریط، کمی اور زیادتی کے بغیر برابری کرنا اور ہر چیز میں اعتدال، میانہ روی اور درمیانی راہ اختیار کرنے کا نام ہے۔ (تفسیر خازن: ۴/ ۲۰۴)

عام طور پر ہم اس کا ترجمہ انصاف سے کرتے ہیں، یہ صحیح ہے، لیکن اس کا دائرہ ہم بالکل محدود کر لیتے ہیں کہ صرف ظلم اور جھگڑے وغیرہ کا موقعہ ہی اس کا محل سمجھتے ہیں، جب کہ اس کے مفہوم میں بہت زیادہ وسعت ہے۔ مفسرین نے اس کی کئی تفسیریں لکھی ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہاں عدل سے مراد توحید اور کلمۂ شہادت کا اقرار ہے۔ (ابن کثیر: ۴/ ۵۹۵)

عدل کی حقیقت:

لیکن تفاسیر میں اس کی ایک مختصر اور جامع تفسیر لکھی ہے:

"إِعْطَاءُ الْحَقِّ إِلَى صَاحِبِهِ" (التحریر والتنویر: ۱۴/ ۲۵۴)

"صاحبِ حق کو اس کا حق دینا"۔ چاہے وہ خالق ہو یا مخلوق ہو، اور مخلوق میں اپنی ذات ہو، یا اپنی ذات کے علاوہ دوسرے انسان ہوں، پھر اس مخلوق کی دو قسمیں ہیں، ذوی العقول جیسے جنات اور انسان، اور غیر ذوی العقول جیسے جانور، سب اس کے عموم میں داخل ہیں، سب کے حقوق ادا کرنا عدل ہے اور ان میں کمی کوتاہی کرنا ظلم ہے، اور ایسے ہی ہر معاملہ میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنا اور افراط و تفریط سے بچنا عدل ہے اور اس کے خلاف کرنا ظلم ہے۔

سعادت کے چار بنیادی امور:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ سعادت کی چار بنیادیں ہیں، اگر کسی کو یہ چار چیزیں حاصل ہو جائے تو اس کو سعادت مل جائے گی، اور ہر بندے کو یہی کوشش کرنی چاہیے کہ اسے سعادت کی یہ بنیادیں حاصل ہو جائیں، ان میں سے پہلی چیز طہارت ہے، اسلام میں سب سے اہم چیز جس کو ترجیح دی گئی وہ طہارت ہے۔ دوسری چیز اخبات ہے، اخبات کے معنٰی ہیں فرمانبرداری کرنا، نرم ہو جانا، سیر نڈر ہو جانا، بات مان لینا، طبعیت میں تواضع ہونا۔ تیسری چیز سماحت ہے، سماحت شح اور بخل کے مقابلہ میں ہے، یعنی سماحت سخاوت کو کہتے ہیں،

لیکن سماحت جب مالیات میں ظاہر ہو تو سخاوت ہے لیکن وہی سماحت جب اخلاقیات میں آئے تو وہ عفت ہے، مختلف اعتبارات سے اس کے مختلف نام ہیں، وہ ایک مرکزی وصف ہوتا ہے، خلاصہ اس کا قربانی اور جذبۂ ایثار ہے۔ چوتھی چیز عدالت ہے، جس کا ذکر قرآن پاک کی اس آیت میں ہے۔

غرض اس امت میں اعتدال کی تعلیم ہے، اور یہ اعتدال ہر چیز میں مطلوب ہے، عبادات ہوں یا عقائد، معاملات ہوں یا معاشرت، اخلاقیات ہوں یا سیاست، اقوال ہوں یا اعمال۔ اپنوں کے ساتھ ہو یا غیروں کے ساتھ، ہر چیز میں اعتدال مطلوب ہے، اور اعتدال کا مطلب یہ ہے افراط اور تفریط کے بغیر ان چیزوں کو ان کے حقوق کے ساتھ ادا کرنا۔

عقائد میں اعتدال:

عقائد میں عدل یہ ہے کہ عقیدۂ توحید اختیار کیا جائے، نہ فرقۂ معطلہ کی طرح باری تعالیٰ کے بے کار اور مخلوق کے ساتھ عدمِ تعلق کا عقیدہ رکھا جائے اور نہ مشرکین کی طرح باری تعالیٰ کی ذات یا صفات اور افعال میں کسی کو شریک سمجھا جائے، ایسے ہی تقدیر کے مسئلہ میں بندوں کو نہ مجبور محض مانا جائے اور نہ مختار محض سمجھ کر تقدیر ہی کا انکار کر دیا جائے۔ (روح المعانی: ۱۰/ ۲۷۹)

نبی کو اعمال میں اعتدال کا حکم:

ایسے ہی اعمال میں بھی اعتدال کی تعلیم ہے، نہ افراط کی گنجائش ہے اور نہ تفریط کی، جیسا کہ نبی علیہ السلام نے جب عبادات میں مبالغہ کیا تو اللہ پاک نے سورۂ طٰہ کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں، ابتداء میں رسول اللہ ﷺ تمام رات عبادت کے لئے کھڑے رہتے اور نماز تہجد میں تلاوت قرآن میں مشغول رہتے تھے یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کے قدمین مبارک پر ورم آجاتا تھا، تو اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرمائی:

”طٰهٰ مَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰى“ (طٰہ: ۱، ۲)

کہ ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت اور تکلیف میں پڑ جائیں۔

اعمال میں تفریط پر تنبیہ:

دوسری طرف جب لوگ بہت زیادہ کاہل ہو گئے تو یہ تنبیہ فرمائی:

"أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا" (المؤمنون: ۱۱۵)

سو کیا تم خیال رکھتے ہو کہ ہم نے تم کو بنایا کھیلنے کو اور تم ہمارے پاس پھر کر نہ آؤ گے؟ (تفسیر رازی: ۹/۴۵۴)

مال خرچ کرنے میں اعتدال:

ایسے ہی مال خرچ کرنے میں قرآن کی یہ ہدایت ہے:

"وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا"

اللہ کے مقبول بندوں کی صفت مال خرچ کرنے میں یہ ہوتی ہے کہ "وہ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی (بخل) کرتے ہیں، اور ان کا خرچ کرنا اس (افراط و تفریط) کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے"

مال خرچ کرنے میں اعتدال کا فائدہ:

ویسے بھی مال خرچ کرنے میں اعتدال کا بہت فائدہ ہوتا ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ" (شعب الایمان: ۶۱۴۹، باب الاقتصاد فی النفقۃ وتحریم اکل المال الباطل)

یعنی جو آدمی مال خرچ کرنے میں میانہ روی اور اعتدال پر قائم رہتا ہے تو وہ کبھی فقیر اور محتاج نہیں ہوتا۔

امتِ محمدیہ کی خصوصیت:

یہ اعتدال کی چند مثالیں ہیں۔ اسی اعتدال کی وجہ سے اللہ پاک نے اس امت کا نام امت وسط رکھا۔ اور اس کو امت محمدیہ کی خصوصیت قرار دیا، قرآن مجید میں اللہ پاک نے اس کا نام امت وسط بتایا ہے:

”وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَسَطًا“ (البقرۃ:۱۴۳)

”اور ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنادیا ہے جو (ہر پہلو سے) نہایت اعتدال پر ہے“

گذشتہ مذاہب اور ادیان میں وہ اعتدال نہیں تھا، جتنا اس امت میں ہے، نہ اس میں زیادہ سختی رکھی گئی ہے اور نہ زیادہ نرمی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں سختی:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بہت زیادہ سختی تھی، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بہت زیادہ نرمی تھی، لیکن اس امت میں اعتدال کی تعلیم ہے، اسی وجہ سے مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں اگر کوئی کسی کو قتل کرتا تو قصاص لازم تھا، مقتول کے اولیاء کو معاف کرنے یا دیت لینے کا حق نہیں تھا، ایسے ہی عورتوں کے ناپاکی والے ایام میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں اتنا سخت حکم تھا کہ ان سے نہ صحبت جائز تھی اور نہ ان کا پکایا ہوا کھانا وغیرہ جائز تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں نرمی:

دوسری طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں قتل کا بدلہ قصاص یا دیت نہیں تھی بلکہ معافی تھی، ایسے ہی ان کی امت میں حائضہ کا کھانا تو دور کی بات ہے اس سے صحبت بھی جائز تھی۔

امتِ محمدیہ کا اعتدال:

لیکن اللہ پاک نے اس امت میں اعتدال رکھا کہ قتل کا بدلہ قصاص بھی رکھا، لیکن اگر اولیاءِ مقتول دیت لینا چاہیں یا معاف کرنا چاہیں تو اس کا بھی اختیار دے دیا، ایسے ہی حائضہ عورتوں سے صحبت تو جائز نہیں رکھی، لیکن ان سے بالکل دور ہونے اور اجنبیت کا احساس دلانے کی اجازت بھی نہیں دی، بلکہ ان کا پکایا ہوا کھانے کو اور ان کے ساتھ سونے کو جائز قرار دیا اور ایک حد تک ان سے استمتاع کی بھی اجازت دے دی لیکن ان سے صحبت جائز نہیں رکھی گئی۔

(تفسیر رازی:۹/۴۵۴)

یہ امتِ محمدیہ کی خصوصیت ہے، اس میں اعتدال کو بنیاد بنایا گیا ہے، اسی وجہ سے جو اسلامی تعلیمات اور ہدایات ہیں ان سب میں آپ کو عدل ہی نظر آئے گا، اور اگر آپ اسلامی تعلیمات سے ہٹ جائیں تو اس میں آپ کو عدل نظر نہیں آئے گا۔

عدل کی ضد:

عدل کی جو ضد ہے وہ ظلم ہے، اور ظلم کے بارے میں اللہ پاک نے فرمایا:

''وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ'' (فصلت:۴۶)

''اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے''

اس لئے رب نے جو علوم دئے ہیں، اور جو تعلیمات دی ہیں اس میں ظلم نہیں ہو سکتا، اس میں عدل ہی ہو گا، چاہے اس کا نظام انفرادی ہو یا اجتماعی، معاشی نظام ہو یا سیاسی نظام ہو، معاشرتی نظام ہو یا اخلاقی نظام ہو، سب عدالت پر مبنی ہیں۔

ظلم کی حقیقت:

ہم ظلم کے مفہوم میں بھی بہت تنگی کر دیتے ہیں، مار پیٹ، لڑائی جھگڑا اور گالی گلوچ ہی کو ظلم سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن صرف اس کا نام ظلم نہیں ہے، بلکہ ظلم کہتے ہیں:

''وَضْعُ الشَّيْئِ فِيْ غَيْرِ مَحَلِّهٖ'' شئی کو اس کے غیر محل میں رکھنا۔

یعنی چیز کا جو مقام اور مرتبہ ہے، اور اس کا جو محل ہے، اور اس کا جو حق ہے وہ اس کو نہ دینا۔ اب اس کے عموم میں ساری چیزیں داخل ہیں، جس چیز کے حق میں کمی کوتاہی ہو اس کے ساتھ وہ ظلم ہے، اس کو اس کا مقام نہ دینا ظلم ہے، اس کو جیسے استعمال کرنا چاہئے ویسا استعمال نہ کرنا ظلم ہے، اس کی رعایت نہ کرنا ظلم ہے۔

سب سے بڑا ظلم:

اور سب سے بڑا ظلم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ہے، قرآن پاک میں ہے:

"إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ" (لقمان:۱۳)

"بے شک شرک کرنا بڑا بھاری ظلم ہے"

سب گناہ تو معاف ہو جائیں گے لیکن شرک کبھی معاف نہیں ہو گا:

"إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰى إِثْمًا عَظِيمًا" (النساء:۴۸)

"بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں جس کے لیے منظور ہو گا وہ گناہ بخش دیں گے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے وہ بڑے جرم کا مرتکب ہوا"

شرک سب سے بڑا گناہ کیوں؟

اگر کوئی کسی کا قتل کر دے تو اللہ پاک اس کو بخش دیں گے، لیکن شرک اور کفر کو کبھی نہیں بخشیں گے، یہ سزا کیوں؟ اس لئے کہ انسان اللہ کو اللہ کا حق نہیں دے رہا ہے، اللہ کے حق میں وہ عدل نہیں بلکہ ظلم کر رہا ہے، کیونکہ ظلم کہتے ہیں "وَضْعُ الشَّيْئِ فِيْ غَيْرِ مَحَلِّهٖ" کو، یعنی شئ کو اس کے غیر محل میں رکھنا، یہاں چونکہ انسان مخلوق کو خالق کی جگہ میں رکھ دیتا ہے، اور خالق کو مخلوق کے برابر قرار دیتا ہے اس لئے یہ سب سے بڑا ظلم ہے۔

اللہ کی نافرمانی اللہ کے ساتھ ظلم ہے:

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ ظلم کہتے ہیں کسی چیز کو اس کا حق نہ دینے کو، تو اسی سے یہ بات بھی سمجھ جائیں کہ اللہ کی نافرمانی کرنا بھی ظلم ہے، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ لڑائی ہو، جھگڑا ہو، مار پیٹ ہو اور اس میں کسی کو دبایا جا رہا ہو تو وہ ظلم ہے، یہ بھی ظلم ہے، لیکن ظلم کا یہ ایک حصہ ہے، ہم نماز پڑھتے ہیں، اور اس میں یہ پڑھتے ہیں: "اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيرًا"

"اے اللہ میں نے اپنے اوپر بہت ظلم کیا"

اور نماز کے بعد کہتے ہیں: ”رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا“

”اے ہمارے رب ہم نے اپنے نفسوں پر بہت ظلم کیا“

ہم یہاں اپنے ظلم کا اقرار کیوں کرتے ہیں؟ جب کہ ہم نے نہ لڑائی کی، نہ جھگڑا کیا، نہ مار پیٹ کی، اگر ہم ظالم نہ ہوتے تو ”ربنا ظلمنا“ کیوں کہتے ہیں؟ اور ”اللھم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا“ کیوں کہتے ہیں؟ ہر نماز میں اسے پڑھتے ہیں، کیوں؟ اس لئے کہ ہم معاصی میں ڈوبے ہوئے ہیں، ہم سے ایسی حرکتیں ہوتی رہتی ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کی اور بندوں کی حق تلفی ہوتی رہتی ہے، کہیں خالق کے حقوق ادا نہیں ہوتے ہیں تو کہیں مخلوق کے، کہیں معاشرت تباہ اور برباد ہے تو کہیں معاملات گڑبڑ ہیں، کہیں بیوی بچوں کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے تو کہیں بڑوں کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے، کہیں ماں باپ کے ساتھ بد سلوکی ہو رہی ہے تو کہیں بھائی بہنوں کا حق دبایا جا رہا ہے، کہیں پڑوسیوں کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے تو کہیں رشتہ داروں کو بھولا جا رہا ہے۔ اس لئے ہم اس کو پڑھتے ہیں کہ اے اللہ! ہم سے ظلم ہوتے رہتے ہیں، آپ ہمیں معاف فرما دیجئے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا نسیان بھی ظلم تھا:

حضرت آدم علیہ السلام سے بھول ہو گئی تھی، اور بھول کر انہوں نے جنت کا پھل کھالیا تھا، اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہو کر انہیں دنیا میں بھیج دیا، وہ دعا کرنے لگے:

”رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ“ (الاعراف: ۲۳)

اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر بڑا ظلم کیا، اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو یقیناً ہم گھاٹا اٹھانے والوں میں ہو جائیں گے۔

کیا یہاں انہوں نے کسی کو مارا تھا، یا گالی دی تھی، یا لڑائی جھگڑا کیا تھا، نہیں، بس حکمِ خداوندی کو بھول گئے تھے، یہی ان کی خطا تھی، یہی ان کا ظلم تھا، تو ظلم کہتے ہیں حقوق کی عدمِ رعایت کو، یا اس میں کمی اور کوتاہی کو۔ چاہے وہ خالق کے ہوں یا مخلوق کے۔ اس لئے اللہ کی اطاعت نہ کرنا بھی ظلم ہے، ان کی بندگی نہ کرنا بھی ظلم ہے۔

اللہ ہی کی عبادت کیوں؟

کیونکہ بندگی ان کا حق ہے، اور ہم کو بندگی ہی کے لئے پیدا کیا گیا، اور اسی نے ہم کو پیدا کیا ہے، کسی اور نے نہیں، اور وہی ہمارا مالک ہے، سب اسی کی ملکیت میں ہیں، اور ہمارے جسم کے ذرہ ذرہ کا وہ مالک ہے، ہم کو ہمارے ماں باپ نے نہیں خریدا ہے، بلکہ اس ذات نے ہم کو پیدا کیا ہے:

”أَأَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُوْنَ“ (الواقعہ:۵۹)

تو آدمی تم بناتے ہو یا (اس کے) بنانے والے ہم ہیں؟

بتاؤ جب تم رحم مادر میں منی ٹپکاتے ہو تو تم پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرتے ہیں؟ تم کو کیا پتہ کہ پیٹ میں کیا ہو رہا ہے؟ بچہ دانی میں کیا ہو رہا ہے؟ نہ عورت کو پتہ ہوتا ہے اور نہ مرد کو، پھر اس سے اللہ پاک ایک انسان کو وجود بخشتے ہیں، وجود دینے کے بعد پھر اس کو باقی رکھتے ہیں، اور ہر ہر لمحہ ہزاروں نعمتوں سے نوازتے رہتے ہیں، جسم کا ہر ہر ذرہ، خون کا ہر قطرہ، ہر ہر رگ، گوشت اور پوست کا ہر ہر ذرہ، ہڈی، دل اور دماغ پٹھے ہر ہر چیز اور ان سب کا نظام اپنے وجود میں اپنی بقا میں اپنے نفع میں اور نقصان سے حفاظت میں اللہ کا محتاج ہوتا ہے، جسم اسی کا ہے، مال اسی کا ہے، ساری نعمتیں اسی کی ہیں، سارے احسانات اسی کے ہیں، کوئی چیز حقیقۃً کسی انسان کی نہیں۔

پنجِ الوہیت:

سب کے خالق اور مالک اللہ ہیں، اور سب کے حاکم اور رب اللہ ہیں، اور جس ذات میں یہ صفات ہوں وہی لائق عبادت اور لائق استعانت ہوتی ہے، اسی لئے اللہ ہی لائقِ عبادت ہے، اسی لئے مدد اور استعانت بھی اسی سے چاہنا چاہئے۔ ان پانچ چیزوں کو صوفیہ کی اصطلاح میں پنج الوہیت کہتے ہیں، اسی لئے اس کی نافرمانی جائز نہیں ہے۔ بچپن ہو یا جوانی، ادھیڑ عمر ہو یا بڑھاپا، بیماری ہو یا تندرستی، خوشی ہو یا غم اسی کے حکم کو ماننا پڑے گا، اور اس کے حکم سے سرِ مو انحراف اس کے ساتھ ظلم ہوگا۔

اپنے نفس کی رعایت نہ کرنا بھی ظلم ہے:

جیسے اللہ کے ساتھ یہ معاملہ ہے ایسے ہی مخلوق کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے، مخلوق کے حقوق میں کمی کوتاہی بھی ظلم ہے، بلکہ انسان کو اپنی ذات پر بھی ظلم سے روکا گیا ہے، اور ذات کی رعایت نہ کرنے سے منع کیا گیا ہے، اور اس کی ذات کے ساتھ بھی عدل کی تعلیم ہے، ذات سے عدل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جس سے ذات کو نقصان پہنچے، نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں، جس عمل سے نقصان ہو یا جس عمل سے حقوق میں کمی کوتاہی ہو وہ ذات کے ساتھ ظلم ہوگا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کا قصہ:

اسی وجہ سے حدیث میں ہے:

"فَإِنَّ لِجَسَدِکَ عَلَیْکَ حَقًّا، وَإِنَّ لِعَیْنِکَ عَلَیْکَ حَقًّا" (صحیح بخاری: کتاب النکاح: ۵۱۹۹)

"بے شک تیرے جسم کا تجھ پر حق ہے اور تیری آنکھوں کا تجھ پر حق ہے"

واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کا نکاح کیا، چند دن بعد بہو کے پاس آئے اور بہو سے پوچھا کہ تمہارا شوہر کیسا ہے؟ انہوں نے کہا کہ بہت نیک آدمی ہے، رات بھر سوتا نہیں ہے، عبادت میں مصروف رہتا ہے، اور دن بھر روزہ رکھتا ہے، وہ سمجھ گئے کہ بیٹا بہو کا حق ادا نہیں کر رہا ہے، اس کی خبر نبی علیہ السلام کو دی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سو، کیونکہ آنکھوں کا بھی حق ہوتا ہے، نیند کی ان کو ضرورت ہوتی ہے، اس کا لحاظ کرنا چاہئے، بدن کو آرام کی ضرورت ہوتی ہے، اس کی رعایت کرنی چاہئے، بیوی کے بھی حقوق ہوتے ہیں، ان کو ادا کرنا چاہئے۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اتنا زیادہ بھی عبادت میں مشغول نہیں ہونا چاہیئے کہ بدن کا حق ادا نہ ہو، پتہ چلا کہ اپنے نفس کے ساتھ اور بدن کے ساتھ بھی زیادتی اور ان کے حق میں کمی کوتاہی درست نہیں ہے۔

اور نہ اتنا زیادہ آرام اور اتنا زیادہ نفس کی رعایت کہ آخرت کو بھول جائیں یہ بھی جائز نہیں ہے، دنیا میں تو مزے میں ہیں، ہر طرح کا آرام اور سہولتیں مہیا ہیں، اور اسی میں وہ مستی کر رہا ہے، بد عملی، عیاشی اور فحاشی میں مبتلا ہے، اور آخرت کی کوئی پروا نہیں ہے، یہ بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ اسے اپنی بد عملی کا انجام دیکھنا پڑے گا، جہنم میں جلنا پڑے گا، اپنے اعمال کی سزا بھگتنی پڑے گی، یہ بھی اپنی ذات کے ساتھ ظلم ہے، آج یہاں کوئی اپنی ذات میں اور اس کے حقوق میں کمی کوتاہی نہیں ہو رہی ہے لیکن کل قیامت کے دن یہ چیز اس کو جہنم میں لے جائے گی، اور اس کو وہاں جلنا پڑے گا، وہاں اس کو سزا ملے گی، اس لئے یہاں کی بد عملی بھی ظلم ہے، اس سے بھی بچنا ہے، تاکہ کل ہمارا نقصان اور خسارہ نہ ہو، اسی وجہ سے ہم کو یہ دعا سکھلائی گئی:

”رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ“ (الاعراف:۲۳)

”کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ کریں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو واقعی ہمارا بڑا نقصان ہو جائے گا“

ہماری معصیت سے اللہ بے نیاز ہیں:

یہاں معصیت کو ظلم کہا گیا، کیونکہ اس میں ہمارا ہی نقصان ہے، اور ہماری معصیت سے اللہ تعالیٰ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اور نہ اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان ہوتا ہے، بلکہ اس کا نقصان ہمیں ہی بھگتنا پڑتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰى أَنْفُسِكُمْ“ (یونس:۲۳)

اے لوگو یہ تمہاری سرکشی تمہارے ہی اوپر (الٹ پڑنے والی) ہے

تمہاری سرکشی کا نقصان تمہیں ہی ہوگا، اللہ تو غنی ہیں، اللہ بے نیاز ہیں، نعوذ باللہ ساری دنیا کے انسان مل کر بھی اگر اللہ پاک سے انتہائی بدتمیزی کریں اور بے ہودگی کریں تو اس سے اللہ کی بڑائی میں اور اللہ کی کبریائی میں اور اللہ کی عظمت میں کوئی کمی نہیں آئیگی۔ بلکہ اس کا نقصان خود ہم کو ہونے والا ہے، تو جب ہمیں خود اپنے نفس کے ساتھ عدل کا حکم ہے، اور ظلم سے بچنے

کی تاکید ہے، تو اندازہ لگایئے کہ دوسروں کے ساتھ عدل کی اور ظلم سے بچنے کی کتنی تاکید ہوگی، دوسروں کے حقوق کی کتنی اہمیت ہوگی، اور اسلام میں ہر ایک کے الگ الگ حقوق ہیں، بڑوں کے، چھوٹوں کے، ماں باپ کے، اولاد کے، شوہر کے، بیوی کے، مرد کے، عورت کے، بھائی کے، بہنوں کے، اپنوں کے، پڑوسیوں کے، مسلمانوں کے، غیر مسلموں کے سب کے حقوق ہیں۔

جانوروں کے ساتھ بھی عدل کا حکم ہے:

انسان تو انسان جانوروں کے ساتھ بھی عدل کا حکم ہے، ایک حدیث شریف میں ہے:

”عُذِّبَتِ امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ حَبَسَتْهَا حَتّٰى مَاتَتْ جُوْعًا فَدَخَلَتْ فِيْهَا النَّارَ“ (صحیح بخاری: کتاب المساقاۃ، ۲۲۳۶)

”ایک عورت کو ایک بِلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا، جس نے اس بلی کو باندھ رکھا تھا، یہاں تک کہ وہ بھوک کی وجہ سے مر گئی، اور اس عورت کو جہنم میں داخل کیا گیا“

پتہ چلا کہ جس کسی کے گھر میں بلی ہو اور وہ اس کی صحیح دیکھ بھال نہ کرتا ہو یا جس آدمی کے گھر میں پرندہ ہو اور وہ وقت پر اس کو غذا اور پانی نہ دیتا ہو تو چاہے وہ کتنا ہی نیک کام کرے لیکن وہ گنہگار ہوگا۔ اولاً تو انہیں قید ہی نہیں کرنا چاہیئے، اگر انہیں پنجرہ میں قید کیا جائے تو ان کی غذا اور پانی کا انتظام بھی ضروری ہے، اگر اس کا صحیح انتظام نہ کیا ہو تو وہ گنہگار ہوگا، اور ظالم شمار ہوگا، چاہے اس کے ساتھ کتنے ہی نیک اعمال کا ذخیرہ کیوں نہ ہو۔ اس سے آپ اندازہ لگایئے کہ عدل کے مفہوم میں کتنی وسعت ہے؟ اور یہ کتنا بڑا لفظ ہے؟ اور اس چھوٹے سے لفظ میں کتنی بڑی ذمہ داری ہم پر ڈالی گئی ہے، زندگی کے ہر شعبہ میں اسی اعتدال کی تعلیم دی گئی ہے، باتوں میں اعتدال، کاموں میں اعتدال، خوشیوں میں اعتدال، غم میں اعتدال، کمانے میں اعتدال، خرچ کرنے میں اعتدال، ہر جگہ عدل ہی عدل ہے، پورے دین کا نظام عدالت پر قائم ہے، دین بلکہ دنیا کا بھی نظامِ عدل پر قائم ہے۔

نظام عالم کے عدل پر قائم ہونے کا مطلب:

ایک بات یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ نظام عالم کے عدل پر قائم ہونے کا کیا مطلب ہے؟ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ نظامِ عالم کے عدل پر قائم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم

میں جو چیزیں بنائی ہیں ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے اعتدال سے بنایا ہے، ان میں افراط اور تفریط نہیں ہے، مثلاً سورج کو اللہ نے بنایا ہے، زمین سے اس کی جتنی مسافت اور دوری ہے اگر وہ اس مقدار سے زیادہ دور ہوتا جتنا کہ اب ہے تو سارے عالم میں ٹھنڈک ہی ٹھنڈک ہوتی اور سارا عالم برف والا ہو جاتا، اور اگر سورج موجودہ مسافت سے زیادہ قریب ہوتا تو گرمی کی شدت کی وجہ سے سارے عالم میں گرمی ہو جاتی اور گرمی کی وجہ سے ہر چیز جل جاتی، ایسے ہی چاند اور ستاروں کا مسئلہ ہے، یہ سب ایک معتدل نظام کے ساتھ چلتے ہیں، اگر اس میں فرق آجائے تو نظامِ عالم بدل جائے، اور ان کے مصالح فوت ہو جائیں، اور سارا عالم ستیاناس اور فنا ہو جائے۔ یہ مطلب ہے عالم کے عدل پر قائم ہونے کا۔ (تفسیر رازی: ۹/۴۵۴)

عدل کو بھی وزن کیا جائے گا:

ایک اور بات آپ کو بتادوں، بہت عجیب ہے، میرا ذہن ابھی ادھر منتقل ہوا، امید ہے کہ تفاسیر کی کتب میں وہ مل جائے گی، وہ یہ ہے کہ اللہ پاک قیامت میں اعمال کا جو وزن کریں گے تو وہ انصاف قائم کرنے کے لئے کریں گے، القسط اس کا مفعول لہ ہوگا، لیکن ایک معنیٰ یہ بھی سمجھ میں آتے ہیں کہ اللہ پاک ترازو رکھیں گے تو خود عدل کو دیکھنے کے لئے بھی ترازو قائم کریں گے کہ اسمیں کتنا عدل تھا؟ وہ صحیح تھا یا نہیں، اس کی باتوں میں کتنا انصاف تھا؟ اس کے کاموں میں کتنا انصاف تھا؟ اس کی عادتوں میں کتنا انصاف تھا؟ اس کے اخلاق میں کتنا انصاف تھا؟ اس کے حقوق کے جاننے میں اور اس پر عمل کرنے میں کتنا انصاف تھا؟ اللہ اور اس کے نبی کے حق کو پہچاننے میں کتنا انصاف تھا؟ اور اس کے دین کے حق کو پہچاننے میں کتنا انصاف تھا؟ جہاں انصاف کیلئے وزن کیا جائیگا، اور ترازو اس کے لئے رکھا جائے گا، ایسے ہی یہ ترازو انصاف کو تولنے کے لئے بھی ہوگا۔

آخرت کا پلصراط دنیا میں دین ہے

اب آپ سوچیے کہ دین پر عمل کتنا مشکل ہے؟ اسی لئے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آخرت کا پل صراط دنیا میں دین ہے، آخرت کا پل صراط بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے

زیادہ تیز ہو گا، اس پر چلنا بہت مشکل ہے، بس ایمان والا ہی اس پر چل سکے گا، لیکن ایمان والا اس وقت چل سکے گا جب دنیا میں وہ دین پر عمل کرے گا، جیسے وہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے ایسے ہی دنیا میں دین پر چلنا بھی اتنا ہی باریک ہے، اب جب دنیا میں اس نازک دین پر چلیں گے تو آخرت میں اس پل پر چلنا آسان ہو گا، اسی وجہ سے جو آدمی دنیا میں پابندی سے نماز پڑھتا ہے اس کو پل صراط پر سے بجلی کی رفتار سے بھی زیادہ تیز رفتار کے ساتھ گذارا جائے گا۔

ایک دیہاتی کا قصہ:

ایک صاحب دیہات والوں کے سامنے بیان کر رہے تھے، بیان میں انہوں نے آخرت کے احوال شروع کر دیئے، اور آخرت کے احوال سناتے ہوئے انہوں نے کہا کہ دیکھو کل قیامت میں ایک برج رکھا جائیگا جس کا نام پلصراط ہے، اس کے اوپر سے آدمی کو چلنا پڑیگا اور وہ تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے، تب جا کر جنت آئیگی، دیہات کے لوگ تو بھولے ہوتے ہیں کسی نے کہا مولوی جی! یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ جنت دینے کا ارادہ ہی نہیں ہے، اس پر کون چل سکے گا؟ اور کون جنت میں جا پائے گا؟ ہاں ابتداء میں آدمی کو مشقت ہوتی ہے، لیکن جب عادت ہو جاتی ہے تو پھر اس پر عمل آسان ہو جاتا ہے، غرض اللہ پاک ہمارے اعمال میں اعتدال دیکھنا چاہتے ہیں کہ بندے درمیانی راہ پر چلیں، اور ذرا بھی اِدھر اُدھر نہ ہونے پائیں، اور غلط راستے پر نہ پڑجائیں، اور افراط اور تفریط میں مبتلا نہ ہو جائیں، اس سے اندازہ کیجئے کہ یہ ایک آیت کتنی جامع ہے، اور اس کا ایک ایک جملہ کتنا جامع ہے، اور اس کے اندر کتنی معنویت ہے، اور اس میں کتنے مضمون چھپے ہوئے ہیں، سارے دین کو اللہ پاک نے اس ایک جملہ میں سما دیا ہے، اس سے آپ کو قرآن کی جامعیت اور اس کے اعجاز کا بھی اندازہ ہو گا، اللہ پاک مجھے اور آپ کو صحیح علم اور صحیح عمل کی توفیق نصیب فرمائے، اور ہر چیز میں اعتدال کے ساتھ چلنے کی ہم سب کو توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

❊ ❊ ❊

افادات: حضرت مفتی شاہ محمد نوال الرحمن صاحب دامت برکاتہم
ترتیب و تخریج: مفتی محمد عطاء الرحمن ساجد قاسمی

بمقام: شریعہ بورڈ آف امریکہ، جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ۔

ناشر: شریعہ بورڈ آف انڈیا۔

احسان کسے کہتے ہیں؟

نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَاوَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَامَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ۔

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

”اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ“ (النحل:۹۰)

”بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ تم کو اس کے لیے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو“

احسان کی ضرورت:

اس سے قبل عدل سے متعلق کچھ تفصیل آپ کے سامنے عرض کی گئی، اب احسان کے بارے میں چند باتیں ذکر کرنے کا ارادہ ہے۔ شریعت میں یہ وصف بھی مطلوب ہے، اور لوگوں میں اس کی بہت زیادہ ضرورت بھی ہے۔ آج ہماری عبادتیں ہو یا معاملات، معاشرت ہو یا اخلاقیات سب کی سب اس وصف سے خالی ہیں، بلکہ عبادتوں کو تک ہم اس انداز میں ادا کرتے ہیں جیسے کسی شاعر نے کہا ہے:

”لوگ کہتے ہیں کہ بس فرض ادا کرنا ہے
ایسا لگتا ہے کوئی قرض لیا ہو رب سے“

ہماری عبادات آج صرف قرض لینے کی طرح ہوگئی ہیں کہ کسی طرح اس کو ادا کر دیا جائے، اور ذمہ سے بری ہو جائیں، اس لئے جیسے تیسے اس کو ادا کر دیتے ہیں اور نکل پڑتے ہیں، اور کوئی حسن، کوئی زینت، کوئی خوبی، کوئی کمال اس میں ہم پیدا کرنا ہی نہیں چاہتے، ایسا محسوس ہوتا ہے گویا صفتِ احسان سے ہمارا کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

احسان کی تفسیر:

اب سوال یہ ہے کہ احسان کسے کہتے ہیں؟ ہم اردو میں اس کا مطلب نیکی، حسن سلوک، بھلائی، مہربانی، عملِ خیر سے بیان کرتے ہیں، لیکن عربی میں احسان کا یہ مفہوم نہیں ہے، بلکہ عربی میں احسان کے اس معنٰی کے لئے لفظ ''مَنٌّ'' استعمال کیا جاتا ہے، لفظ احسان کے اگرچہ یہ معانیٰ بھی آتے ہیں لیکن زیادہ تر لفظ ''مَن'' استعمال ہوتا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں اللہ پاک نے فرمایا: ''یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی'' (البقرۃ:۲۶۴)

''اے ایمان والو تم احسان جتلا کر یا ایذا پہنچا کر اپنی خیرات کو برباد مت کرو''

عربی میں احسان کا مطلب ہے کسی کام کو عمدگی کے ساتھ اور بہتر سے بہتر طریقے پر کرنا۔ علماء نے اس کی مختلف تفسیریں بیان کی ہیں۔

(۱) احسان سے مراد یہ ہے کہ فرائض ادا کئے جائیں۔

(۲) نوافل ادا کئے جائیں۔

(۳) باطن ظاہر سے اچھا ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور احسان کی تفسیر:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے احسان کی ایک تفسیر منقول ہے، لکھا ہے:

کَانَ عِیْسٰی بْنُ مَرْیَمَ علیہ السلام یَقُوْلُ اِنَّ الْاِحْسَانَ لَیْسَ اَنْ تُحْسِنَ اِلٰی مَنْ اَحْسَنَ اِلَیْکَ اِنَّمَا تِلْکَ مُکَافَاۃٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَلٰکِنَّ الْاِحْسَانَ بِاَنْ تُحْسِنَ اِلٰی مَنْ اَسَاءَ اِلَیْکَ'' (الزھد لاحمد ابن حنبل:۱:۵۷۔ وروح:۱۰/۲۷۹)

حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے فرمایا: احسان یہ نہیں ہے کہ تم اس کے ساتھ احسان کرو جو تمہارے ساتھ احسان کرے، کیونکہ وہ تو مکافات اور بدلہ ہے، بلکہ احسان یہ ہے کہ تم اس کے ساتھ حسن سلوک کرو جو تمہارے ساتھ برائی کرے۔

عدل اور احسان میں فرق:

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے احسان کی تعریف اس انداز میں کی ہے:

احسان ہر فعل مندوب کو کہتے ہیں، اور کبھی وہ فرض ہوتا ہے اور کبھی مستحب، مگر یہ کہ اس فعل کو اس کے اجزائے حقیقی یعنی ارکان کے ساتھ ادا کرنا عدل ہے، اور ان ارکان کے علاوہ اور امور کے ساتھ مکمل اور بہتر طریقے پر انجام دینا احسان ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۰/۱۴۷)

گویا علامہ قرطبی نے فعل کے دو جزء بتلائے ہیں، ایک فعل کا وہ رکن جس سے فریضہ ساقط ہو جائے، اور جس کی ادائیگی کی وجہ سے بندہ ذمہ سے بری ہو جائے، اور ایک ہے اس میں حسن، خوبی اور کمال پیدا کرنا۔ پہلی صفت کا نام عدل ہے اور دوسری صفت کا نام احسان ہے۔

احسان کمیت اور کیفیت دونوں میں ہوتا ہے:

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ احسان کیفیت اور کمیت دونوں میں ہوتا ہے، اعمال میں اور عبادتوں میں احسان یہ ہے کہ اس کو مناسب طریقے پر اس کیفیت کے ساتھ بجالایا جائے جیسا کہ حدیثِ احسان سے معلوم ہوتا ہے، اور کمیت میں احسان یہ ہے کہ نوافل وغیرہ ادا کئے جائیں، تاکہ اس سے واجبات اور فرائض میں جو نقص رہ گیا اس کی تلافی ہو جائے۔ (روح المعانی: ۱۰/۲۷۹)

احسان کی حقیقت:

ان سب کا خلاصہ اور ان سب کی حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی مامور کو پورے خشوع اور خضوع کے ساتھ، اس کے آداب، سنن، مستحبات کی رعایت کے ساتھ، پوری توجہ، دھیان اور اخلاص کے ساتھ اس طرح ادا کیا جائے کہ حق تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا مشاہدہ ہو، اور عبادت کی ادائیگی کے وقت یہ کیفیت پیدا ہو جائے تو یہی احسان ہے۔

حدیثِ جبرئیل میں احسان کے یہی معنیٰ بیان کئے گئے ہیں: ''اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ'' (صحیح بخاری: کتاب فضائل الصحابہ: ۴۷۷۷)

احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو، یعنی اگر تم اللہ کو دیکھ رہے ہوتے تو جیسی عبادت کرتے ہو ویسی ہی عبادت کرو، جیسے اگر کوئی کام میں مشغول ہو اور اسے حاکمِ وقت یا اس کا نائب یا اس کا باس (Boss) دیکھ رہا ہو اور ہم بھی اس کو دیکھ رہے ہیں تو اس وقت جس کیفیت اور دھیان کے ساتھ اور جس خوبی اور کمال کے ساتھ اور جس محنت اور لگن کے ساتھ اس فعل کو ہم انجام دیتے ہیں اسی طرح حق تعالیٰ کا استحضار رکھ کر آدمی دین اور دنیا دونوں پر عمل کرے۔

احسان کا اعلیٰ درجہ:

احسان کی یہ کیفیت ہر کسی کو حاصل نہیں ہوتی کہ حق تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا مشاہدہ اسے نصیب ہو، اور اس کا غلبہ اس پر ہو، اور اپنے ہر فعل کو آدمی اس کیفیت کے ساتھ ادا کرے، یہ احسان کا اعلیٰ درجہ ہے، ہاں کسی کسی کو یہ کیفیت نصیب ہو جاتی ہے، شاید اسی کیفیت کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیثِ مبارکہ میں اشارہ کیا ہے:

''جُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلَاۃِ'' (سننِ نسائی: کتاب عشرۃ النساء: ۳۹۴۰)

میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی ہے۔

احسان کا ادنیٰ درجہ:

اگر کسی پر یہ کیفیت طاری نہ ہو تو کم از کم یہ کیفیت تو اس کو اپنے اندر پیدا کرنا چاہیے جو حدیث کے دوسرے جملہ میں مذکور ہے: ''فَاِنْ لَمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ'' کہ تم اگر حق تعالیٰ کا مشاہدہ نہ کر سکے تو حق تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے، یہ احسان کا ادنیٰ درجہ ہے۔

اور قرآن مجید میں بھی اللہ پاک نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''اَلَّذِیْ یَرَاکَ حِیْنَ تَقُوْمُ۔ وَتَقَلُّبَکَ فِی السَّاجِدِیْنَ'' (الشعراء: ۲۱۸)

”جو آپ کو جس وقت کہ آپ (نماز کے لیے) کھڑے ہوتے ہیں اور (نیز نماز شروع کرنے کے بعد نمازیوں کے ساتھ آپ کی نشست وبرخاست کو دیکھتا ہے“

”وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ“(یونس:٦١)

”اور آپ (خواہ) کسی حال میں ہوں اور من جملہ ان احوال کے آپ کہیں سے قرآن پڑھتے ہوں اور (اسی طرح اور لوگ بھی جتنے ہوں) تم جو کام بھی کرتے ہو ہم کو سب کی خبر رہتی ہے جب تم اس کام کو کرنا شروع کرتے ہو اور آپ کے رب (کے علم) سے کوئی چیز ذرہ برابر بھی غائب نہیں، نہ زمین میں اور نہ آسمان میں (بلکہ سب اس کے علم میں حاضر ہیں)

حدیثِ جبرئیل اور احسان سے متعلق ایک غلط فہمی:

بعض لوگ اس حدیث کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ اس میں احسان کے حصول کا طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ آدمی کو اگر احسان پیدا کرنا ہے تو یہ تصور اور یہ کیفیت اپنے اندر پیدا کرے کہ وہ حق تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے، اور اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اتنا تصور کر لے کہ حق تعالیٰ اسے دیکھ رہے ہیں، جب کہ حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے، حدیث میں احسان کے حصول کا طریقہ نہیں بتایا گیا بلکہ اس میں عینِ احسان کو بیان کیا گیا ہے کہ آدمی کے اعمال اور عبادات میں یہ کیفیت پیدا ہو جانا احسان ہے، اور اسے اپنی عبادات اور اعمال میں حق تعالیٰ کا مشاہدہ یا کم از کم حق تعالیٰ کے اسے دیکھنے کا دھیان نصیب ہو جانا احسان ہے۔

جانوروں میں بھی احسان مطلوب ہے:

غرض احسان اس کو بھی کہتے ہیں کہ مامورات کو بجالایا جائے، اور احسان میں یہ بھی داخل ہے کہ ان مامورات میں وہ کیفیت پیدا کی جائے جو حدیث میں مطلوب ہے، اور احسان میں یہ بھی شامل ہے کہ کسی کے ساتھ حسن سلوک اور خیر خواہی کی جائے، اور یہ حسن سلوک صرف

انسانوں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ جانورں میں بھی مطلوب ہے، اگر کسی کے گھر میں بلی ہو یا پنجرے میں پرندہ ہو تو اس کے ساتھ بھی حسن سلوک کا حکم ہے۔اس کی دیکھ بھال کا حکم ہے، اور ان کے ساتھ حسن سلوک نہ کرنے پر وعید ہے، ایک حدیث میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک عورت نے بلی کو پانی نہیں پلایا، اور اسی پیاس کی وجہ سے اس کی موت ہوگئی، اللہ پاک نے اس بلی کے ساتھ حسن سلوک نہ کرنے پر اس عورت کو جہنم میں بھیج دیا۔(صحیح بخاری: کتاب المساقاۃ: ۲۳۶۵)

قتل اور جانوروں کے ذبح میں بھی احسان کا حکم ہے:

ہر چیز میں اللہ نے احسان رکھ دیا ہے، حتیٰ کہ قتل میں اور ذبیحہ میں بھی۔ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ فَاِذَا قَتَلْتُمْ فَاَحْسِنُوا الْقِتْلَۃَ وَاِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذَّبْحَ وَ لْیُحِدَّ اَحَدُکُمْ شَفْرَتَہٗ فَلْیُرِحْ ذَبِیْحَتَہٗ“ (صحیح مسلم: کتاب الصید و الذبائح: ۵۱۶۷)

بے شک اللہ پاک نے احسان لکھ دیا ہے ہر چیز میں، جب تم کسی کو قصاص یا حد کے طور پر قتل کرو تو اچھے طریقے پر قتل کرو، اور جب تم ذبح کرو تو اچھے طریقے پر ذبح کرو، اور چاہیے کہ تم اپنی چھری کو تیز کر لو اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ۔

احسان کے دس فضائل:

احسان کی بہت ساری فضیلتیں اللہ پاک نے قرآن مجید میں بیان فرمائی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جو بندہ دوسروں کے ساتھ احسان کرتا ہے تو اللہ پاک بھی اس کے ساتھ احسان کرتے ہیں، اسی وجہ سے فرمایا:

”ھَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ“ (الرحمن: ۶۱)

کیا احسان کا بدلہ احسان کے علاوہ کچھ اور ہو سکتا ہے؟

ایک اور جگہ فرمایا: ”وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللّٰهُ إِلَيْكَ “(القصص:۷۷)
”جس طرح اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی (بندوں کے ساتھ) احسان کیا کر“
(۲) احسان کی دوسری فضیلت یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں اس آدمی کے لئے بھلائی کا پروانہ جاری کر دیا گیا۔
”لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ “(النحل:۳۰)
جن لوگوں نے نیک کام کیے ہیں ان کے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور عالم آخرت تو اور زیادہ بہتر ہے۔
(۳) احسان کی تیسری فضیلت یہ ہے کہ محسن حق تعالیٰ کی رحمت کے قریب ہوتا ہے۔
”إِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ “(الاعراف:۵۶)
”بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت نزدیک ہے نیک کام کرنے والوں سے“
(۴) احسان کی چوتھی فضیلت یہ ہے کہ محسنین کو جنت اور دیدارِ خداوندی حاصل ہوگا۔
”لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ“(یونس:۲۶)
جن لوگوں نے نیکی کی ہے ان کے واسطے خوبی یعنی جنت ہے اور مزید برآں اللہ کا دیدار بھی۔
(۵) احسان کی پانچویں فضیلت یہ ہے کہ اللہ پاک نے نبی ﷺ کو محسنین کے لئے خوشخبری سنانے کا حکم دیا ہے۔
”وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ“(الحج:۳۷) اور (اے محمد ﷺ)! اخلاص والوں کو خوشخبری سنا دیجیے۔
(۶) احسان کی چھٹی فضیلت یہ ہے کہ محسنین کو اللہ پاک کی معیت حاصل ہوتی ہے۔
”وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ“(العنکبوت:۶۹)
اور بے شک اللہ تعالیٰ (کی رضا و رحمت) ایسے خلوص والوں کے ساتھ ہے۔
(۷) احسان کی ساتویں فضیلت یہ ہے کہ محسن اللہ کا محبوب ہوتا ہے۔
”وَأَحْسِنُوْا إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ“(البقرۃ:۱۹۵)
اور تم احسان کرو بے شک اللہ احسان کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں۔

(۸) احسان کی آٹھویں فضیلت یہ ہے کہ محسنین کا اجر اللہ کے ہاں ضائع نہیں ہوتا ہے۔

"وَاَحۡسِنُوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ" (ھود:۱۱۵)

"اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے"

(۹) احسان کی نویں فضیلت یہ ہے کہ احسان جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے۔

"اٰخِذِیۡنَ مَاۤ اٰتٰهُمۡ رَبُّهُمۡ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَبۡلَ ذٰلِكَ مُحۡسِنِیۡنَ" (الذاریات:۱۶)

"بے شک متقی لوگ بہشتوں میں اور چشموں میں ہوں گے اور انکے رب نے انکو جو (ثواب) عطا کیا ہوگا وہ اسکو (خوشی خوشی) لے رہے ہونگے (اور کیوں نہ ہو) وہ لوگ اس سے قبل (دنیا میں) نیکوکار تھے۔"

(۱۰) احسان کی دسویں فضیلت یہ ہے کہ احسان نہ کرنے والے کل قیامت میں جب عذاب کو دیکھیں گے تو احسان کی تمنا کرنے لگیں گے۔

"اَوۡ تَقُوۡلَ حِیۡنَ تَرَى الۡعَذَابَ لَوۡ اَنَّ لِیۡ كَرَّةً فَاَكُوۡنَ مِنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ" (الزمر:۵۸)

"یا کوئی عذاب دیکھ کر یوں کہنے لگے کہ کاش میرا دنیا میں پھر جانا ہوجاوے پھر میں نیک بندوں میں ہوجاؤں" (الاربعین النوویۃ:۱/۴۴)

احسان ہر چیز میں مطلوب ہے:

غرض صفتِ احسان ہمیں اپنے اندر پیدا کرنا ہے، اور صرف نماز ہی میں نہیں بلکہ زندگی کے ہر گوشے اور ہر عمل میں یہ صفت پیدا کرنی ہے۔ کیونکہ حدیث میں عبادت کا ذکر ہے، نماز کا ذکر نہیں، اور ایمان والے کا ہر عمل صحیح نیت سے ہو تو عبادت ہوتا ہے، اس لئے ہر چیز میں یہ دھیان ہونا چاہیئے، نماز پڑھ رہے ہوں تو اسی دھیان اور اسی کیفیت کے ساتھ پڑھیں، روزہ اسی دھیان اور اسی کیفیت کے ساتھ رکھیں، زکوٰۃ اسی دھیان اور اسی کیفیت کے ساتھ ادا کریں، حج اسی دھیان اور اسی کیفیت کے ساتھ ادا کریں، تلاوت اور ذکر اسی دھیان اور اسی کیفیت کے ساتھ کریں، معاملات اور معاشرت اسی دھیان اور اسی کیفیت کے ساتھ کریں، بیوی بچوں میں ہو تو

یہی کیفیت اور یہی دھیان رہے، چاہے آپ گھر میں ہوں یا مسجد میں ہوں، چاہے آپ کو کوئی دیکھے یا نہ دیکھے، بس اللہ کا دھیان اور استحضار ہونا چاہیئے۔

احسان کے لئے دھیان ضروری ہے:

اگر یہ دھیان اور استحضار نہ ہو تو پھر احسان بھی حاصل نہ ہوگا، اور حدیث جبرئیل میں بھی اس کی تعلیم ہے، اس کے علاوہ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ الْوُضُوْءَ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ مُقْبِلًا عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهٖ وَوَجْهِهٖ اِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ“ (مسند احمد: ۱۷۴۳۱)

”جو مسلمان اچھی طرح وضو کرتا ہے، پھر کھڑا ہو کر دو رکعت نماز اپنے دل سے متوجہ ہو کر ادا کرتا ہے تو اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے“

ایک اور حدیث میں ہے:

”مَنْ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُحَدِّثْ نَفْسَهٗ فِيْهِمَا بِشَيْءٍ مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَسْأَلِ اللهَ شَيْئًا اِلاَّ أَعْطَاهُ اِيَّاهُ“

(مصنف ابن ابی شیبہ: کتاب الصلاۃ: ۱۳:۷۷)

جو آدمی دو رکعت نماز پڑھے، اور اس میں دنیا کی کسی چیز کے بارے میں نہ سوچے، صرف اللہ کا دھیان اور استحضار رہے، اس کے بعد اللہ سے جو وہ مانگے وہ عطا کیا جائے گا۔

اس سے پتہ چلا کہ دھیان اصل ہے، غفلت سے یا دنیوی امور میں الجھ کر عبادت کرنے کا نام احسان نہیں ہے، بلکہ سوچ سمجھ کر اور دل سے حاضر ہو کر اور دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہو کر اللہ کی عظمت اور جلال کے مشاہدہ کے ساتھ عمل کرنے کا نام احسان ہے، اور یہی اخلاص کامل کا درجہ ہے۔

احسان میں اخلاص بھی داخل ہے:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ احسان ظاہر اور باطن یعنی ایمان اور اسلام کی روح ہے، صفتِ احسان کا اصل تعلق عمل کے باطن یعنی اس کی روح یعنی اخلاص سے

ہوتا ہے، کیونکہ کسی بھی عمل میں اگر اخلاص نہ ہو تو احسان ہی نہیں ہے، بلکہ وہ عمل بے فائدہ اور بے کار ہے، اور قرآن پاک میں کئی مواقع پر احسان سے اخلاص ہی کے معنیٰ مراد لئے گئے ہیں، ایک جگہ فرمایا:

''بَلٰی مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ أَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ'' (البقرة:۱۱۲)

جو کوئی شخص بھی اپنا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکاوے اور وہ مخلص بھی ہو تو ایسے شخص کو اس کا عوض ملتا ہے اس کے پروردگار کے پاس پہنچ کر اور نہ ایسے لوگوں پر (قیامت میں) کوئی اندیشہ ہے اور نہ ایسے لوگ (اس روز) مغموم ہونے والے ہیں۔

احسان ہر جگہ مطلوب ہے:

اور یہ دھیان ہر جگہ رہنا چاہیے، مسجد میں آکر تو سب کے سامنے لمبی لمبی نماز پڑھی جارہی ہے، اور گھر جاکر بیوی پر زوروزبردستی اور ظلم کیا جارہا ہے، اس کے ساتھ گالی گلوج کی جارہی ہے، اس کو بے عزت کیا جارہا ہے، یہ نہ اسلام ہے اور نہ احسان ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے ایک خاتون کا فون آیا، کہنے لگی کہ میں نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ میں اپنے شوہر کے ساتھ نہیں رہوں گی، حالانکہ ان کے شوہر انتہائی نیک آدمی ہیں، جماعت میں وقت لگاتے ہیں، لیکن خاتون کہہ رہی ہے کہ زبان ان کی گندی ہے، دوسروں کے سامنے عزت و ذلت کی انہیں کوئی پرواہ نہیں ہے، اس لئے وہ علاحدہ رہنا چاہتی ہے، تو یہ احسان مسجد کی حد تک محدود نہیں رہنا چاہیے، بلکہ مسجد کے علاوہ گھر ہو یا بازار ہو، ہر جگہ اس کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

دورانِ ملازمت نفل بھی جائز نہیں:

ایسے ہی ہم ملازمت یا جاب (Job) وغیرہ میں ہوتے ہیں، تو اس میں بھی اس صفت کو برقرار رکھنا چاہیے، وہ بھی ایک عبادت ہے، حلال کمانا عبادتوں میں اہم عبادت ہے، اس میں بھی صفت احسان ہونی چاہیے، اسلام میں کام چوری نہیں ہے، دھوکہ اور فراڈ نہیں ہے، بلکہ علماء

نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ ملازمت کے وقت میں نوافل پڑھنا بھی جائز نہیں ہے، بڑے نیک آدمی ہیں، تسبیح لے کر بیٹھے ہوئے ہیں، یہ اسلام کا حکم نہیں ہے۔ اسلام کا حکم یہ ہے کہ ملازمت کا جو وقت ہے اس میں ملازمت کے فرائض انجام دیں۔

ڈرائیونگ کے وقت کا ذکر:

بعض لوگ ذکر کثرت سے کرنا چاہتے ہیں، اب ڈرائیونگ بھی کر رہے ہیں اور ذکر میں بھی مشغول ہیں، ہمارے شیخ فرمایا کرتے تھے کہ ڈرائیونگ کے وقت کا ذکر ہوشیاری کے ساتھ ڈرائیونگ کرنا ہے، بعض لوگ ڈرائیونگ کے وقت تسبیح پڑھ رہے ہوتے ہیں، ارے بھائی! اگر تو اِدھر تسبیح میں رہے گا تو اُدھر ٹھوکر لگ جائے گی، یہ صحیح ڈرائیونگ نہیں ہے، ڈرائیونگ کے وقت کا ذکر حاضر دماغی سے ہوشیاری سے اس کو انجام دینا ہے، تاکہ آپ کسی کی تکلیف کا سبب نہ بنیں اور نہ کوئی آپ کی تکلیف کا سبب بنے، خود سے تکلیف تو نہ ہونے دیں اور دوسرے غافلوں سے بھی اپنے آپ کو بچائیں۔

صحیح ڈرائیور کون؟

مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ صحیح ڈرائیور وہ ہوتا ہے جو دوسرے کو بھی نہ مارے اور دوسرے کی بھی نہ کھاوے، یعنی کوئی دوسرا بھی اسے نہ مارے، آپ غفلت میں نہیں ہیں یہ تو ٹھیک ہے، لیکن سامنے والا غفلت میں ہو یہ ممکن ہے، اس لئے اتنا بیدار مغز ہونا چاہیے کہ اپنے اطراف والا کس اینگل سے آرہا ہے، کیسے گاڑی چلا رہا ہے اس کا بھی لحاظ رکھیں۔ اور اس سے بھی اپنے آپ کی حفاظت کریں۔

وہاں بے اصولی ہی اصول ہے:

یہاں ہم اصولوں کو بہت زیادہ مد نظر رکھتے ہیں، لیکن انڈیا پاکستان میں ڈرائیونگ کی جو ترتیب ہوتی ہے اس میں تو رولس برائے نام ہوتے ہیں، بس اڈجسٹ منٹ ہوتا ہے، وہاں کا سب

سے بڑا اصول اڈجسمنٹ ہے، بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہاں بے اصولی ہی اصول ہے، آپ اِدھر سے جارہے ہیں اور وہ اُدھر سے آرہا ہے، آپ کی گرین لائٹ ہوگئی پھر بھی آپ کو یہ دیکھنا پڑھتا ہے کہ ریڈ والا جاتو نہیں رہا ہے، آپ تو اپنے اصول کے اعتبار سے جارہے ہیں، اچانک تیزی کے ساتھ کوئی سامنے آگیا یا بیل یا بکری آگئی، یا گلی اور دوسری روڈ سے کوئی نکل کر سامنے آگیا تو آپ کو بہت زیادہ محتاط ہونا پڑتا ہے، کیونکہ سب کے راستے الگ الگ نہیں ہیں، یہ ون وے (One way) ہے، یہ ٹووے (Two Way) ہے ایسا نہیں ہے۔

ایک امریکی ساتھی کے ربوبیت سیکھنے کا واقعہ:

ان کی بے اعتدالی اور بے اصولی کی وجہ سے ایک واقعہ یاد آگیا، ایک امریکی ساتھی جماعت میں انڈیا گئے تھے، لوگوں نے پوچھا کہ تم نے انڈیا جاکر کیا سیکھا؟ انہوں نے کہا کہ ایمان سیکھا، وہاں جانے کے بعد اللہ کی ربوبیت سمجھ میں آگئی، لوگوں نے کہا کہ واقعۃً آدمی جماعت میں ایمان سیکھنے اور ربوبیت کا یقین پیدا کرنے کے لئے ہی جاتا ہے، اس لئے سوال کیا کہ یہ چیز آپ کو کیسے حاصل ہوئی؟ کہنے لگے کہ میں نے وہاں دیکھا کہ کوئی آدمی ڈرائیونگ میں رولس (Rools) فالو نہیں کرتا ہے، اور سب کے سب ڈرائیونگ کررہے ہوتے ہیں، ان کی بے اصولیوں کی وجہ سے منٹ منٹ بلکہ سیکنڈ سیکنڈ پر ایکسیڈنٹ ہونا چاہیے، لیکن کوئی حادثہ اور ایکسیڈنٹ نہیں ہوتا، اس سے پتہ چلا کہ رب اللہ ہے، حفاظت کرنے والا اللہ ہے، اگر رب اللہ نہ ہوتا تو وہاں منٹوں میں کئی حادثے ہوجانے چاہئیں، لیکن اللہ پاک ان سب کی حفاظت کرتا ہے، غرض ڈرائیونگ کے وقت کا ذکر یہ ہے کہ ہوشیاری کے ساتھ ڈرائیونگ کی جائے۔ ہاں زبان پر ذکر اور درود شریف اور استغفار کا ورد جاری ہے تو یہ صحیح ہے، اور فضیلت کی بات ہے، لیکن اگر اصل دھیان ڈرائیونگ پر سے ہٹ جائے جس سے خطرہ کا اندیشہ ہے تو پھر ڈرائیونگ کو ترجیح دینی چاہیے، کام کے وقت اصل توجہ کام پر دینی چاہیے، جاب کے وقت جاب پر توجہ دینی چاہیے، یہ سب چیزیں احسان میں داخل ہیں، اس لئے ان کی رعایت بھی ضروری ہے۔

احسان کے حصول کا طریقہ:

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ احسان کیسے پیدا کیا جائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ احسان کے حصول کیلئے تین باتیں ملحوظ رکھیں۔ (۱) لایعنی چیزوں کا ترک۔ (۲) ذکر اللہ کی کثرت۔ (۳) اور خشوع للہ۔

لایعنی امور سے بچنا بھی احسان میں داخل ہے:

عام حالات میں احسان حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ لایعنی چیزوں کو چھوڑا جائے، کیونکہ حدیث میں اس کے ترک کو بھی احسان قرار دیا گیا، چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اِنَّ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهٗ مَا لَا یَعْنِیْهِ“ (سنن ترمذی: کتاب الزھد: ۲۴۸۸)

”اسلام کا حسن یہ ہے کہ لایعنی کاموں کو چھوڑ دیا جائے“

لایعنی امور کسے کہتے ہیں؟

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ لایعنی چیز کسے کہتے ہیں؟ اور اس کی حد کیا ہے؟ تو علماء نے لکھا ہے کہ اس کی حقیقت یہ ہے:

”وَ حَقِیْقَتُهٗ مَا لَا یَعْنِیْهِ مَا لَا یَحْتَاجُ إِلَیْهِ فِيْ ضَرُوْرَةِ دِیْنِهٖ وَ دُنْیَاهُ وَ لَا یَنْفَعُهٗ فِيْ مَرْضَاةِ مَوْلَاهُ“ (تحفة الاحوذی: ۶/۱۰۲)

یعنی لایعنی چیزوں کی حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کی دین اور دنیا میں ضرورت نہ ہو اور وہ اپنے مولیٰ کی مرضی کے مطابق نہ ہو، اور مولیٰ کی رضامندی میں نفع نہ دے تو وہ لایعنی ہے، اس میں وہ تمام اقوال، اعمال اور افعال شامل ہیں جن کی نہ دین میں ضرورت ہے اور نہ دنیا میں، جن سے اپنا مولیٰ راضی نہ ہو، خواہ وہ محرمات ہوں یا مشتبہات ہوں یا مکروہات ہوں یا خلاف ادب امور ہوں۔ سب اس کے مفہوم میں داخل ہیں۔ تو اپنے اعمال میں احسان پیدا کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ لایعنی چیزوں کو ترک کیا جائے، اس کے بغیر یہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

(۲)صفت احسان حاصل کرنے کادوسرا طریقہ ذکر اللہ کی کثرت ہے، کیونکہ ذکر اللہ کی کثرت سے اللہ کا استحضار پیدا ہو گا، اور جب استحضارِ خداوندی ہو گا تو عمل میں احسان پیدا ہو گا۔ اس لئے کثرت سے اللہ کا ذکر بھی کرتے رہنا چاہیے۔

(۳) احسان حاصل کرنے کا تیسرا طریقہ خشوع للہ ہے، اگر خشوع ہے تو احسان پیدا ہو گا، اگر خشوع ہی نہ ہو تو احسان بھی پیدا نہ ہو گا۔

خشوع کی حقیقت:

خشوع کا مطلب کیا ہے؟ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آدمی عبادت میں اتنا گم ہو جائے کہ وہ دوسری چیزوں کو بھول ہی جائے اور اسے کچھ خبر ہی نہ ہو، اور ہوش و حواس اس کے باقی نہ رہیں، خشوع کا یہ مطلب نہیں ہے، خشوع کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کے اعضاء اور دل دونوں ساکن رہیں، اعضاء ساکن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بالکل پر سکون رہیں، حرکت ان میں نہ ہو، اور دل کے ساکن رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اپنے اختیار سے خیالات اور وساوس نہ لائے جائیں، کیونکہ غیر اختیاری خیالات کا آنا انسان کے بس سے باہر ہے، اس لئے وہ اس کا مکلف بھی نہیں ہے، اور ان پر مؤاخذہ بھی نہیں، جب اس پر عمل کیا جائے گا تو صفتِ احسان پیدا ہو گی۔

یہ احسان سے متعلق کچھ باتیں آپ کے سامنے عرض کی گئیں، تاکہ جب خطیب خطبہ میں یہ آیت ”ان اللہ یامر بالعدل و الاحسان“ پڑھے تو یہ باتیں ہمارے ذہن میں آجائیں، اور یہ مضمون تر و تازہ ہو جائے، اور اس پر عمل ہمارے لئے آسان ہو جائے، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو صحیح علم، صحیح سمجھ اور صحیح عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

❊ ❊ ❊

عزیز و اقارب کے حقوق ادا کریں

افادات: حضرت مفتی شاہ محمد نوال الرحمن صاحب دامت برکاتہم
ترتیب و تخریج: مفتی محمد عطاء الرحمن ساجد قاسمی

بمقام: شریعہ بورڈ آف امریکہ، جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ۔
ناشر: شریعہ بورڈ آف انڈیا۔

عزیز و اقارب کے حقوق ادا کریں

نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ۔

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

"اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ" (النحل:۹۰)

"بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ تم کو اس کے لیے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو"

برادرانِ اسلام!

چند جمعوں سے اس آیتِ مبارکہ کی توضیح اور اس آیت کے مضامین اور اس کے احکام آپ کو سنائے جارہے تھے، انہیں میں سے ایک مضمون اور ایک حکم رشتہ داروں کے حقوق سے متعلق ہے، آج انشاء اللہ اس مضمون سے متعلق چند باتیں ذکر کرنے کا ارادہ ہے۔

اگرچہ اقارب کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم عدل اور احسان میں داخل ہے، جس کی تفصیل اس سے قبل عرض کی گئی، لیکن اعزہ واقارب کے حقوق زیادہ اہم ہیں، اور ان کی فضیلتیں بہت زیادہ ہیں، اس وجہ سے اللہ پاک نے ان کو علاحدہ ذکر فرمایا ہے۔(روح المعانی:۱۰/۲۸۰)

ذوی القربیٰ کون کون ہیں؟

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ذوی القربیٰ کسے کہتے ہیں؟ عام طور پر قربیٰ اور قرابت کا ترجمہ رشتہ سے کرتے ہیں، مفسرین نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ذوی القربیٰ مطلقا رشتہ داروں کو کہتے ہیں جن کا آدمی سے تعلق ہو، خواہ وہ ماں کی جہت سے ہوں یا باپ کی جہت سے، چاہے محرم ہوں یا غیر محرم، وارث ہوں یا نہ ہوں، چچا، پھوپھی، خالہ ماموں اوران سب کی اولاد اس میں شامل ہیں، اور احادیث میں نبی ﷺ نے جن ذوی الارحام کا ذکر کیا ہے اور ان سے صلہ رحمی پر ابھارا ہے، ان سے مراد یہی ذوی القربیٰ ہیں، ان سب کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم، ان سے قطعِ تعلق اللہ پاک کے غضب کو للکارنا، اور رحمت کے فرشتوں کو اپنے گھر سے دور رکھنے کا سبب اور ناجائز اور حرام ہے۔ (روح المعانی: ۱۰/ ۲۸۰ و تفسیر حقی: ۷/ ۸۴)

بلکہ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ قربیٰ میں قرابت کی وہ ساری قسمیں آجاتی ہیں جو بحیثیت مسلمان ہونے کے متعلق ہوتی ہیں، چاہے وہ کسی بھی نوعیت کی ہوں۔

حقوق کے تین بنیادی پہلو:

یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ ان کے حقوق کی بنیاد تین چیزیں ہیں۔ (۱) حاجت۔ (۲) عظمت۔ (۳) رشتہ۔

کبھی حق حاجت کی بنیاد پر ہوتا ہے، کبھی عظمت کی بنیاد پر ہوتا ہے، اور کبھی رشتہ کی بنیاد پر، ہم ان میں ترجیح عام طور پر عظمت کو دیتے ہیں، رشتہ اور ضرورت کو نہیں، مثلاً باپ کہے کہ بیٹا ایک گلاس پانی دیدو، پڑوسی کہے کہ بھائی ایک گلاس پانی دیدے، اب آپ مفتی صاحب سے پوچھیں کہ میں پانی پہلے کس کو دوں؟ ظاہر سی بات ہے کہ یہاں حاجت اور عظمت ایک ہی شخصیت یعنی باپ میں جمع ہیں، اس لئے اس کو ترجیح دی جائے گی، ایسے ہی اگر کسی سے اس کا چچا کہے کہ میری کمر میں درد ہے ذرا اس کو دبادے، اور باپ بھی کہہ رہا ہے کہ میری کمر میں درد ہو رہا ہے ذرا دبادے، اب کس کی خدمت کی جائے، ظاہر ہے کہ پہلے باپ کی خدمت کریں

گے، کیونکہ وہاں ضرورت کے ساتھ ساتھ عظمت کا پہلو بھی ہے، دونوں رشتہ دار ہیں، دونوں کا رشتہ خونی رشتہ ہے، لیکن قرب اور رشتہ کی قوت اور عظمت باپ کو حاصل ہے اس لئے اس کو ترجیح دیں گے، اور کبھی حاجت اور ضرورت کی وجہ سے ترجیح بھی دینا پڑتا ہے، جیسے ایک فقیر آئے اور کہنے لگے کہ مجھے دس روپے دو مجھے قلفی کھانا ہے، اور ایک فقیر کہے کہ مجھے دس روپے دیدے، آٹھ دن سے بھوکا ہوں، ظاہر ہے کہ اس فقیر اور محتاج کو پہلے دیں گے، دوسرے کو نہیں، کیونکہ اس کے پاس ضرورت نہیں ہے، ایسے ہی رشتہ داروں میں بعض مرتبہ حاجت کو دیکھنا ہوتا ہے لیکن ہم چھوڑ دیتے ہیں۔ اور پھر ان رشتہ داروں میں کوئی مقدم ہوتا ہے اور کوئی مؤخر، کسی کو پہلے رکھنا ہوتا ہے اور کسی کو بعد میں، اس موقع پر سوال یہ ہوتا ہے کہ پہلے کس کو ترجیح دی جائے؟

حقوق میں کس کو ترجیح دیں؟

یاد رکھیں کہ جس کا رشتہ جتنا زیادہ قریب کا ہوتا ہے اتنا ہی اس کا حق زیادہ ہوتا ہے، اتنا ہی اس کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے، ان میں سب سے پہلے رشتہ دار ہوتے ہیں، ان کو مقدم کرنا ہوتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ حاجت اور عظمت کا پہلو بھی مد نظر رکھنا پڑتا ہے، ایک آدمی صرف مسلمان ہے اور ایک آدمی مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ پڑوسی بھی ہے تو ظاہر ہے کہ پڑوسی مسلمان کا حق زیادہ ہے، ایک آدمی مسلمان ہے، پڑوسی ہے اور سسرالی رشتہ سے ہے، تو اس کا حق اور بڑا ہے، اگر کوئی سسرالی رشتہ میں تو نہیں ہے، لیکن خونی رشتہ میں ہے تو خونی رشتہ دار کا حق سسرالی رشتہ دار سے بڑا ہے، اور پھر خونی رشتہ میں دور کے بھی ہوتے ہیں اور قریب کے بھی ہوتے ہیں، باپ کی طرف کے رشتہ دار بھی ہوتے ہیں اور ماں کی جانب کے بھی رشتہ دار ہوتے ہیں، بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسا، نواسی، نانا، نانی، پرنانا، پرنانی، بھانجے، بھانجیاں، بھتیجے بھتیجیاں، ماموں، خالہ پھوپھیاں اور ان کی اولادیں سب اس میں شامل ہیں، ان میں ظاہر ہے کہ کچھ رشتہ دار زیادہ قریب ہیں اور کچھ دور، جو جتنا زیادہ قریب ہوتا ہے اتنا ہی

اس کا حق زیادہ ہوتا ہے، ان سب رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم ہے، اب اس حسنِ سلوک میں عظمت کو بھی ملحوظ رکھنا ہوتا ہے، اور ضرورت کو بھی مد نظر رکھنا پڑتا ہے اور رشتہ کا لحاظ بھی کرنا پڑتا ہے۔

اسلام میں انکل اور آنٹی کا تصور نہیں:

آج ہم اپنے ان رشتہ داروں کے لئے آنٹی اور انکل کا لفظ استعمال کرتے ہیں، لیکن اسلام میں اس انکل اور آنٹی کا کوئی کانسپٹ نہیں ہے، کیونکہ انکل، آنٹی اور کزن کے الفاظ رشتہ داریوں اور ان کے حقوق کی وضاحت نہیں کرتے، آپ کو پتہ ہی نہیں چلتا ہے کہ کون ماموں ہے؟ کون پھوپی ہے؟ کون چچا ہے؟ کون خالہ ہے؟ کون ممانی ہے؟ کیونکہ جو ممانی ہوتی ہے وہ الگ ہوتی ہے، جو چچی ہوتی ہے وہ الگ ہوتی ہے، جو پھوپی ہوتی ہے وہ الگ ہوتی ہے، جو خالہ ہوتی ہے وہ الگ ہوتی ہے، جب یہ سب آنٹی بن گئے تو ان کی رشتہ داری کا اور ان کے حقوق کا کیسے پتہ چلے گا؟ ظاہر ہے کہ ان میں چچی اور ممانی تو شادی کی وجہ سے قرابت میں داخل ہیں، شادی ختم تو قرابت بھی ختم، لیکن خالہ اور پھوپی سے تو قرابت کبھی ختم ہی نہیں ہو سکتی، اور خالہ اور پھوپی میں خالہ کا مرتبہ بڑھا ہوا ہے، کیونکہ وہ ماں سے قریب ہے، حتی کہ اگر ماں کا انتقال ہو جائے اور اس کی چھوٹی اولاد ہے، کوئی سنبھالنے والا نہ ہو تو پھوپھی کے مقابلہ میں خالہ کو حق پہونچتا ہے کہ وہ اس کی اولاد کی پرورش کرے۔

غیروں کی تہذیب نے رشتوں کو بھلا دیا:

لیکن ہم ان الفاظ کو استعمال کر کے ان رشتوں کو بھلا دیتے ہیں، ہمیں پتہ ہی نہیں چلتا ہے کہ وہ کونسا رشتہ دار ہے؟ بس رشتہ ہے یہ معلوم ہوتا ہے، لیکن کونسا رشتہ ہے یہ پتہ نہیں ہوتا، جب ان کی رشتہ داری کا ہی پتہ نہیں چلتا ہے تو ان کے حقوق کیسے ادا کئے جاسکتے ہیں؟ کیونکہ ہر ایک کے حقوق الگ الگ ہیں، ماموں کے حقوق الگ ہیں، چچا کے حقوق الگ ہیں، پھوپھا کے حقوق

الگ ہیں، اسلام میں ان کا مقام الگ ہے ان کی عزت الگ الگ ہے، لیکن جب آپ انکل کہہ کر سب کو مکس (Mix) کر دیتے ہیں تو ان کی رشتہ داری اور ان کے حقوق کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ اور یہ انکل اور آنٹی غیروں کی تہذیب کا حصہ ہے، اسلام نے ہر رشتہ کو واضح کیا لیکن غیروں کی تہذیب اور تمدن نے سب کو بھلا دیا، اور ہم بڑا فخر کرتے ہیں ان کی تہذیب اور تمدن پر، اور اس کو اپنانے میں اپنی عزت سمجھتے ہیں۔

احادیث میں رشتوں کو یاد رکھنے کا حکم کیوں؟

احایث میں نبی ﷺ نے نسب یاد رکھنے کا حکم اسی لئے دیا ہے تاکہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کی جاسکے، حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تَعَلَّمُوْا مِنْ أَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُوْنَ بِهِ أَرْحَامَكُمْ فَإِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِي الأَهْلِ مَثْرَاةٌ فِي الْمَالِ مَنْسَأَةٌ فِي الأَثَرِ" (سنن ترمذی: کتاب البر والصلة: ۲۱۰۷)

اپنے انساب کو سیکھو تاکہ تم ان کے ساتھ صلہ رحمی کر سکو، کیونکہ صلہ رحمی سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے، مال اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے"

جب ہمیں اپنے انساب ہی یاد نہ ہوں گے اور خاندانی رشتے ہی معلوم نہیں ہوں گے تو کیسے ان کے حقوق ادا کئے جائیں گے؟

حضرت مریم رضی اللہ عنہا حضرت زکریا علیہ السلام کی پرورش میں کیوں؟

یہی جہ تھی کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو اپنی کفالت میں لینے کے لئے یہی وجہ ذکر کی تھی کہ ان کی خالہ میرے نکاح میں ہے، اس لئے مریم کی کفالت میں کروں گا، لیکن دوسرے لوگوں نے انکار کیا، پھر قرعہ اندازی ہوئی اور قرعہ میں حضرت زکریا علیہ السلام کا ہی نام آیا، اور انہوں نے حضرت مریم کو اپنی کفالت میں لے لیا۔ غرض خالہ کا مرتبہ پھوپھی سے بڑا ہوتا ہے، اب اگر ہم آنٹی کہیں اور اس سے پھوپھی اور خالہ دونوں مراد لیں تو ان کی پہچان کیسے

ہو گی؟ان کے حقوق اور مرتبہ کا لحاظ کیسے کریں گے؟کیونکہ اسلام میں ان رشتوں کی ان کے ناموں کی اور ان کے حقوق کی باضابطہ وضاحت کی گئی ہے، لیکن غیر اسلامی مذہب میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔

مشرقی اور مغربی تہذیب میں فرق:

اسی وجہ سے ہم اپنی مشرقی تہذیب میں الگ الگ نام سے پکارتے ہیں، کیونکہ اسلامی آثار اس میں زیادہ باقی ہیں، لیکن مغربی تہذیب میں ان ناموں سے کوئی نہیں پکارتا، اگرچہ یہ علاقہ سے تعلق رکھنے والی چیز نہیں ہے، مشرق و مغرب سے مراد اسلامی اور غیر اسلامی تہذیب ہے، مشرق میں چونکہ اسلام پھیلا، اسلامی اقدار ایک عرصہ تک زندہ رہیں، اور اب بھی ہیں، اس لئے یہ لفظ عام ہو گیا، ورنہ لفظ مشرق و مغرب کا اسلام سے کوئی جوڑ نہیں ہے، اسلام نہ مشرقی ہے اور نہ مغربی ہے، اسلامی تہذیب تو عالمی تہذیب ہے، سارے عالم میں اس کو اپنانے اور پھیلانے کا حکم ہے، تو جو چیزیں ہمارے مذہب میں بیان کی گئیں ہیں اور اسلام کی طرف سے ہمیں دی گئیں ہیں وہ بھولنے کیلئے نہیں ہیں، بلکہ اپنانے کے لئے اور عمل کرنے کے لئے ہیں۔ اور اسی وجہ سے ان رشتوں کے الگ الگ نام ہیں، اس لئے اس فرق کو باقی رکھنا چاہئے تاکہ اسلام میں ان کے جو حقوق ہیں اور جو ان کا مقام و مرتبہ ہے وہ ان کو دیا جاسکے۔ یہ بات تو ذوی القربیٰ کے بارے میں بیان کی گئی کہ ذوی القربیٰ کسے کہتے ہیں؟ اللہ پاک نے اس آیت میں انہیں دینے کا تو ذکر کیا، لیکن اس کا ذکر نہیں کیا ہے کہ انہیں کیا دینا ہے؟ قرآن پاک کی دوسری آیت میں اللہ پاک نے فرمایا کہ ان کو ان کا حق دینا ہے:

”وَآتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا“ (الاسراء:۲۶)

”اور قرابت دار کو اس کا حق (مالی و غیر مالی) دیتے رہنا اور محتاج اور مسافر کو بھی دیتے رہنا اور (مال کو) بے موقع مت اڑانا“

صلہ رحمی نہ کرنا حق تعالیٰ کے اسمِ مبارک کا پاس و لحاظ نہ کرنا ہے:

اللہ پاک نے یہاں ذوی القربیٰ کو خاص طور پر ان کے حقوق دینے کا ذکر کیا، کیونکہ ان کے حقوق زیادہ موکد اور زیادہ اہم ہیں، کیونکہ وہ آدمی کے ذوی الارحام ہوتے ہیں، اور رحم اللہ پاک کے اسم مبارک سے مشتق اور نکلا ہوا ہے، اس لئے اللہ پاک نے فرمایا کہ جو اپنے ذوی الارحام کے ساتھ صلہ رحمی کرے گا، تو گویا وہ میرے اسم مبارک کا پاس و لحاظ کرے گا، اس لئے میں بھی اس کے ساتھ صلہ رحمی کروں گا، اور جو قطع تعلق کرے گا اور صلہ رحمی نہیں کرے گا تو گویا وہ میرے اسم مبارک کا پاس و لحاظ بھی نہیں کرے گا، اس لئے میں بھی اس کے ساتھ قطعِ تعلق کرلوں گا۔(تفسیر قرطبی:۱۰/۱۴۷ و فتح القدیر:۴/۴۵۵)

گویا صلہ رحمی نہ کرنے والے اور قطعِ تعلق کرنے والے کے دل میں اللہ پاک کے اسم مبارک کی قدر نہیں ہوتی، اور گویا یہ اللہ پاک کے اسم مبارک کی عظمت دل میں نہ ہونے کی دلیل ہے۔

رشتہ داروں کے کیا حقوق ہیں:

اب سوال یہ ہے کہ ان رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی میں اور ان کے حقوق میں کیا کیا چیزیں ہیں تو یاد رکھیں کہ ایک تو ان محارم کا نفقہ ہے جو کمائی پر قادر نہیں ہیں، یا وصیت اور وراثت کے مطابق ان کا حق ادا کرنا ہے، یا ان کے ساتھ صلہ رحمی اور حسنِ معاشرت یا کسی بھی طرح ان کی مدد کرنا مراد ہے۔(روح المعانی:۱۰/۴۳۵ و تفسیرِ قرطبی:۱۰/۲۱۷)

صلہ رحمی کا ادنیٰ درجہ:

اور اس کا سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ سلام اور خیر خیریت کا تعلق رکھا جائے، قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

”وَاَقَلُّهٗ اَلتَّسْلِيْمُ وِاِرْسَالُ السَّلَامِ اَوِ الْمَكْتُوْبِ وَلَا تَوْقِيْتَ فِيْهَا فِى الشَّرْعِ بَلِ الْعِبْرَةُ بِالْعُرْفِ وَالْعَادَةِ كَمَا فِىْ شَرْحِ الطَّرِيْقِ“(تفسیر حقی:۷/۸۴)

رشتہ داروں کے حقوق کا ادنیٰ درجہ انہیں سلام کرنا، یا سلام بھیجنا اور ان کے حال کو دریافت کرلینا ہے۔ لیکن شریعت میں اس کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے، بلکہ عرف اور عادت میں جتنے عرصہ میں اپنے اعزہ واقارب سے ملاقات ہوتی ہے اتنے عرصے میں ان سے بھی سلام حال دریافت کرلینا ان کے حقوق کی ادائیگی کا ادنیٰ درجہ ہے۔

رشتہ داروں کا ایک اہم حق:

اور ان کے حقوق میں سب سے اہم حق یہ ہے کہ ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے، صرف ان کی حاجت کو پورا کردینا حق کی ادائیگی نہیں ہے، ان کو مال دے دینا حق ادا کرنا نہیں ہے، بلکہ اصل حق تو یہ ہے کہ ان کو اپنی طرف سے کسی قسم کی تکلیف نہ ہو، چاہے زبان سے ان پر لعن، طعن، احسان جتا کر یا شکایت اور غیبت کر کے ہو یا اعضاء وجوارح سے لڑائی بھڑائی کر کے ہو، یا کسی اور طریقے سے ہو۔

دعاءِ خیر کے ذریعہ رشتہ داروں کے حقوق ادا کریں:

اگر کوئی ان کے مالی حقوق ادا نہیں کرپاتا ہے یا ان کی جسمانی کوئی خدمت نہیں کرسکتا یا کسی قسم کی کوئی خدمت اور کوئی تعاون نہیں کرسکتا تو کم از کم ان کے حق کی ادائیگی کے لئے اتنا تو کرلے کہ ان کے حق میں دعاءِ خیر کرے، یہ بہتر طریقہ ہے، اور اس کے کرنے میں تو کوئی مسئلہ نہیں، کوئی پریشانی نہیں، کوئی تکلیف نہیں، بلکہ اپنے لئے بھی اس میں خیر ہے اور ان کے لئے بھی خیر ہے، اس لئے کم از کم اس کا تو اہتمام کرنا چاہیے۔ (تفسیرِ رازی:۹/۴۵۲)

صلہ رحمی کا بدلہ دنیا میں بھی دیا جاتا ہے:

اس کے بڑے فضائل ہیں، اور اس پر بڑا ثواب ہے، احادیث میں نبی علیہ السلام نے اس کے بے شمار فضائل بیان فرمائے ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ صلہ رحمی ایسا بہترین عمل ہے کہ آخرت میں تو اس کا اجر اللہ کے پاس ہے ہی لیکن ساتھ ہی ساتھ دنیا میں بھی اللہ پاک اس کا صلہ اور بدلہ

دیدیتے ہیں، ایک حدیث میں فرمایا: طاعتوں میں سب سے جلدی ثواب صلہ رحمی کا دیا جاتا ہے کہ گھر والے فاجر ہوتے ہیں، اور صلہ رحمی کرتے ہیں تو ان کے مال میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ أَعْجَلَ الطَّاعَةِ ثَوَابًا صِلَةُ الرَّحِمِ، وَإِنَّ أَهْلَ الْبَيْتِ لَيَكُوْنُوْنَ فُجَّارًا، فَتَنْمُوْ أَمْوَالُهُمْ، وَيَكْثُرُ عَدَدُهُمْ إِذَا وَصَلُوا أَرْحَامَهُمْ" (تفسیر رازی:۹/۴۵۲ وشعب الایمان: باب في صلة الأرحام ۷۹۷۱)

گویا اللہ پاک ہم کو ہمارا خرچ کیا ہوا مال بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ ہم کو دنیا ہی میں عطا فرماتے ہیں، یہ کتنا بہترین نفع ہے ہمارے لئے، لیکن ہم اس کو کرتے نہیں، کیونکہ اللہ کی ذات پر ہم کو جیسے یقین ہونا چاہیے ویسا نہیں ہے۔

نیکی اور صلہ رحمی سے حساب آسان ہوتا ہے:

اس کا اہم فائدہ کل قیامت میں یہ ہوگا کہ اللہ پاک ہمارے حساب وکتاب میں آسانی فرمائیں گے، ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ الْبِرَّ وَالصِّلَةَ لَيُخَفِّفَانِ سُوْءَ الْحِسَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" (کنز العمال: کتاب الاخلاق:۶۹۳۷)

بے شک نیکی اور صلہ رحمی قیامت کے دن سخت حساب میں تخفیف کردیتے ہیں۔

ہمارے لئے سب سے اہم وقت وہی ہوگا، سب سے خطرناک وقت وہی ہوگا، اور ہماری کامیابی اور ناکامی کا دارومدار اسی وقت پر ہوگا، ایسے وقت میں ہم تعالیٰ کے رحم وکرم کے کتنے محتاج ہوں گے، نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم دنیا میں صلہ رحمی کروگے تو حق تعالیٰ ایسے اہم موقع پر تم پر رحم وکرم فرمائیں گے۔

صلہ رحمی کے چار فوائد:

اس کے علاوہ اس کے بہت سے فوائد ہیں، ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے چار فوائد بیان کئے ہیں کہ صلہ رحمی کی وجہ سے عمر میں برکت ہوتی ہے، رزق میں برکت ہوتی ہے، بری موت سے حفاظت ہوتی ہے، اور دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"مَنْ اَحَبَّ اَنْ یُمَدَّ لَهٗ فِيْ عُمُرِهٖ وَیُبْسَطُ لَهٗ فِيْ رِزْقِهٖ وَیُدْفَعُ عَنْهُ مَیْتَةُ السُّوْءِ وَیُسْتَجَابُ لَهٗ دُعَاؤُهٗ فَلْیَصِلْ رَحِمَهٗ" (شعب الایمان: باب في صلة الأرحام، ۷۹۴۸)

جو آدمی یہ چاہے کہ اللہ پاک اس کی عمر میں درازی (برکت) پیدا فرمائے، اور اس کے رزق میں برکت عطا فرمائیں، اور بری موت سے اس کو بچائیں اور اس کی دعا قبول ہو جائے تو چاہیے کہ وہ صلہ رحمی کرے۔ ایک حدیث میں صلہ رحمی کے ساتھ (فَلْیَتَّقِ اللہَ) تقویٰ اختیار کرنے کا بھی حکم ہے۔

صدقہ سے غضبِ الٰہی ٹھنڈا ہوتا ہے:

ایک حدیث میں ہے کہ صلہ رحمی کی وجہ سے اللہ پاک کا غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے، حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"صِلَةُ الرَّحِمِ تَزِیْدُ فِي الْعُمُرِ وَصَدَقَةُ السِّرِّ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ" (کنز العمال: کتاب الاخلاق: ۶۹۰۹)

"صلہ رحمی سے عمر میں اضافہ (برکت) اور پوشیدہ صدقہ سے رب کا غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے"

صلہ رحمی کی پکار:

صلہ رحمی ایسا عمل ہے کہ دنیا میں بھی اس کا ساتھ ہوتا ہے اور آخرت میں بھی اس کا ساتھ ہوتا ہے، حق تعالیٰ سے کل قیامت میں یہ سفارش کرے گی، اور صلہ رحمی کرنے والوں کے ساتھ صلہ رحمی اور مہربانی کی درخواست کرے گی، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اِنَّ الرَّحِمَ لَتَتَعَلَّقُ بِالْعَرْشِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَتَقُوْلُ: یَا رَبِّ اِقْطَعْ مَنْ قَطَعَنِيْ وَصِلْ مَنْ وَصَلَنِيْ" (کنز العمال: کتاب الاخلاق، ۶۹۴۰)

صلہ رحمی قیامت کے دن عرش کو تھام لے گی اور کہے گی کہ اے رب! تو اس سے قطعِ تعلق کرلے جس نے دنیا میں میرے ساتھ قطعِ تعلق کیا تھا، اور صلہ رحمی کر اس کے ساتھ جس نے میرے ساتھ صلہ رحمی کی تھی"

یہ اس کے چند فضائل ہیں جو نبی علیہ السلام نے احادیثِ مبارکہ میں بیان فرمائے ہیں، ان سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں یہ عمل کتنا مقبول ہوتا ہے؟ اور اس کے دنیوی اور اخروی کیا کیا فوائد ہیں؟

صلہ رحمی میں کوتاہی سے ڈرو:

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ جہاں صلہ رحمی پر اتنا بڑا ثواب ہے تو وہیں صلہ رحمی نہ کرنے پر مؤاخذہ اور پکڑ بھی اسی طرح سخت ہے، سورۂ نساء کی پہلی آیت میں اللہ پاک نے فرمایا:

”وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا“ (النساء:۱)

”اور تم خدا تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے سوال کیا کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو بالیقین اللہ تعالیٰ تم سب کی اطلاع رکھتے ہیں“

یعنی اللہ تعالیٰ کے جس نام کا حوالہ دے کر تم دوسروں سے اپنے حقوق طلب کرتے ہو اور جس کے نام کی قسمیں دے کر دوسروں سے اپنا مطلب نکالتے ہو، اور مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ پاک کی صفتِ رحم کے حوالہ سے وہ سوال کرتے تھے۔(تفسیرِ قرطبی:۵/۵)تو اللہ پاک فرمارہے ہیں کہ اس نام والی ذات سے بھی ڈرو، اور اپنے رشتہ داروں کے حقوق میں کوتاہی سے ڈرو، حق تعالیٰ کی صفتِ رحم کا حوالہ دیکر تم سوال تو کرتے ہو لیکن وہ رحم تم اپنوں کے ساتھ کیوں نہیں کرتے؟

صلہ رحمی نہ کرنے پر حق تعالیٰ کی لعنت:

اس آیت میں تو صرف قطعِ تعلق سے بچنے اور اللہ پاک سے ڈرنے کا حکم دیا ہے، لیکن دوسری آیت میں تو اللہ پاک نے لعنت فرمائی ہے:

”فَهَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰی اَبْصَارَهُمْ“ (محمد:۲۲و۲۳)

سو اگر تم کنارہ کش رہو تو آیا تم کو یہ احتمال بھی ہے کہ تم دنیا میں فساد مچادو اور آپس میں قطع قرابت کردو۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے اپنی رحمت سے دور کر دیا پھر انکو بہرا کر دیا اور انکی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔

یعنی دنیا میں قطعِ تعلق کرنے والے اور صلہ رحمی نہ کرنے والے پر اللہ تعالیٰ لعنت فرمارہے ہیں کہ جولوگ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور رشتوں اور قرابتوں کا پاس لحاظ نہیں کرتے اور قطع تعلق کر لیتے ہیں تو ایسے لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے، شاید اسی اہمیت کی وجہ سے جب اللہ پاک نے انسان کو پیدا کیا تھا تو صلہ رحمی نے اللہ سے پناہ چاہی تھی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْهُ قَامَتِ الرَّحِمُ فَاَخَذَتْ بِحَقْوِ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ لَهَا مَهْ، قَالَتْ هٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِکَ مِنَ الْقَطِیْعَةِ، قَالَ اَلَا تَرْضَیْنَ اَنْ اَصِلَ مَنْ وَصَلَکِ وَ اَقْطَعَ مَنْ قَطَعَکِ. قَالَتْ بَلٰی یَا رَبِّ، قَالَ فَذَاکِ لَکِ“ (صحیح بخاری: کتاب التفسیر: ۴۸۳۰)

جب اللہ پاک مخلوق کو پیدا فرما کر فارغ ہوئے تو صلہ رحمی نے رحمٰن کی کمر کو پکڑ لیا، یعنی وہ اللہ کی پناہ چاہنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رک جا، وہ کہنے لگی یہ مقام تو قطعِ رحمی سے پناہ مانگنے کا مقام ہے، تو اللہ پاک نے فرمایا کہ کیا تو راضی نہیں کہ میں اس سے قطع تعلق کرلوں جو تجھ کو قطع کرے اور میں اس سے صلہ رحمی کروں جو تجھ کو جوڑے رکھا، تو اس نے کہا کہ ٹھیک ہے، تو اللہ پاک نے فرمایا کہ تیری تسلی کے لئے یہ کافی ہے۔

اب آپ اندازہ لگایئے کہ قطعِ رحمی کتنی خطرناک چیز ہے، خود صلہ رحمی بھی حق تعالیٰ سے پناہ چاہ رہی ہے، اور حق تعالیٰ خود قاطعِ رحم سے ناراض ہیں بلکہ لعنت فرمارہے ہیں تو اس سے بچنا کتنا ضروری ہے؟

یہ صلہ رحمی نہیں ہے:

صلہ رحمی کا شریعت میں یہ حکم ہے لیکن ہمارا حال یہ ہوتا ہے کہ ہم اگر کسی کے ساتھ صلہ رحمی کرنا چاہیں اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیں تو پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ اس نے ہمارے

ساتھ کیا کیا؟ اس نے ہم کو تحفہ دیا یا نہیں؟ اگر دیا ہے تو کونسا تحفہ دیا؟ اور کتنا تحفہ دیا؟ اس پس منظر کو سامنے رکھ کر ہم اس کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں، لیکن یہ صلہ رحمی نہیں ہے، یہ حسن سلوک نہیں ہے، اصل صلہ رحمی تو یہ ہے کہ آدمی حسن سلوک میں بدلہ نہ دے، یہ نہ دیکھے کہ فلاں نے میرے ساتھ حسن سلوک کیا یا نہیں؟ کیا تو کتنا کیا؟ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ، وَلٰكِنِ الْوَاصِلُ الَّذِيْ إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا" (صحیح بخاری: کتاب الادب، ۵۹۹۱)

صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں ہے جو بدلہ دینے والا ہو، اصل صلہ رحمی کرنے والا وہ ہوتا ہے کہ جب اس کے ساتھ قطع تعلق کر لیا جائے تو وہ اس کے ساتھ صلہ رحمی کرے اور حسن سلوک کرے۔

غرض اس آیت میں رشتہ داروں کو ان کا حق دینے کا حکم دیا گیا، خواہ وہ مالی ہو یا جانی ہو، خواہ وہ ان کی عزت اور عظمت سے متعلق ہو، یا ان کے ساتھ مؤاسات اور غم خواری سے متعلق ہو، یہ سب صلہ چیزیں رحمی میں داخل ہیں، اور پھر ان کے ساتھ صلہ رحمی کرنے میں بھی ایک ترتیب ہے، کیونکہ ان کے مختلف درجات ہیں، اس اعتبار سے ان کے حقوق ادا کرنے کا حکم ہے جیسا کہ اس سے پہلے بھی یہ بات ذکر کی جاچکی ہے، اللہ پاک مجھے اور آپ کو ان حقوق کے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

افادات: حضرت مفتی شاہ محمد نوال الرحمن صاحب دامت برکاتہم

ترتیب وتخریج: مفتی محمد عطاء الرحمن ساجد قاسمی

بمقام: شریعہ بورڈ آف امریکہ، جمادی الاولی، ۱۴۳۶ھ۔

ناشر: شریعہ بورڈ آف انڈیا۔

فواحش اور منکرات سے بچیں:

نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ۔

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

”اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ“ (النحل:۹۰)

”بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ تم کو اس کے لیے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو“

برادرانِ اسلام! اس سے پہلے آپ کے سامنے عدل، احسان، اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سے متعلق چند باتیں عرض کی گئیں، اس جمعہ میں ”نہی عن الفحشاء اور نہی عن المنکر“ سے متعلق چند باتیں ذکر کرنے کا ارادہ ہے۔

شریعت کا مجموعہ دو چیزیں ہیں:

اس سے پہلے اوامر کا بیان تھا، اب نواہی کو ذکر فرمارہے ہیں، گویا شریعت کا مجموعہ دو چیزیں ہیں: (۱) اوامر۔ (۲) نواھی۔ اوامر امر کی جمع ہے، نواہی ناھیۃ کی جمع ہے، اوامر یعنی وہ چیزیں جن کے کرنے کا حکم دیا گیا، اور نواہی یعنی وہ چیزیں جن کے کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

قرآن پاک کی اس آیت میں اللہ پاک نے تین اوامر اور تین نواہی کا ذکر کیا ہے، اور اوامر میں بنیادی طور پر یہ تین چیزیں بیان کی ہیں: (۱) عدل۔ (۲) احسان۔ (۳) ایتاءِ ذی القربیٰ۔
اور نواھی میں بھی بنیادی طور پر تین چیزیں بیان کی ہیں: (۱) فحش۔ (۲) منکر۔ (۳) بغی۔

شریعت میں مامورات زیادہ ہیں یا منہیات:

گویا اوامر کا خلاصہ بھی تین چیزیں ہیں اور نواہی کا خلاصہ بھی تین چیزیں ہیں۔ اس سے ایک بات یہ ذہن میں آتی ہے کہ شریعت میں جتنے مامورات ہیں اتنے ہی منہیات ہیں، کیونکہ علماء نے لکھا ہے کہ سارے اوامر کا مجموعہ یہی تین اوامر ہیں، اور سارے نواہی کا مجموعہ یہی تین چیزیں ہیں، پتہ چلا کہ جتنے مامورات ہیں اتنے ہی منہیات۔ ایسے ہی جتنے مامورات ہیں وہ مامورات تو ہیں ہی لیکن وہ منہیات میں بھی داخل ہیں، کیونکہ ان کو نہ کرنے سے روکا گیا ہے، اور جتنے منہیات ہیں وہ تو ہیں ہی لیکن وہ مامورات بھی ہیں۔ کیونکہ ان سے بچنے کا حکم ہے۔ اس لئے جو مامور ہے وہ منہی بھی ہے اور جو منہی ہے وہ مامور بھی ہے۔

فواحش سے کیا مراد ہے؟

مامورات کا بیان تو ہو چکا، اب منہیات کے بارے میں کچھ باتیں ذہن میں رکھیں، ان میں سب سے پہلے فحش کا ذکر کیا گیا، مفسرین نے فحش کی تفسیر میں چند اقوال نقل کئے ہیں:

”قِيْلَ: اَلزِّنَا، وَقِيْلَ: اَلْبُخْلُ، وَقِيْلَ: كُلُّ الذُّنُوْبِ سَوَاءٌ كَانَتْ صَغِيْرَةً اَوْ كَبِيْرَةً، وَسَوَاءٌ كَانَتْ فِي الْقَوْلِ اَوْ فِي الْفِعْلِ“ (تفسیر رازی: ۹/ ۴۵۲)

(۱) زنا۔ (۲) بخل۔ (۳) تمام گناہ، خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ، خواہ قول سے ہوں یا فعل سے۔

فحش کا ایک وسیع مفہوم:

(۴) بعض علماء نے فحش کی تفسیر میں لکھا ہے کہ فحش اسے کہتے ہیں جس کو نفوس انسانی برا سمجھیں، یعنی فحش ہر ایسے قول اور فعل کو شامل ہے جس کو نفوس قبیح سمجھیں، اور کی وجہ سے

آدمی میں فساد پیدا ہو، جو باطل اعتقاد پیدا کرے، مخرّب اخلاق ہو، اور جس سے افراد یا مجموعہ کو نقصان یا تکلیف پہنچے، جیسے قتل، چوری، تہمت، غصب، زنا، جوا، شراب پینا، پس فحش کے مفہوم میں ہر وہ فعل داخل ہے جس سے ضروری یا مناسب امور میں خلل ہو۔(التنویر والتحریر:۱۴/۲۵۷)

ہمارے پاس کچھ چیزیں ایسی ہیں جو شریعت کی نظر میں تو بری ہیں لیکن دنیا والوں کی نظر میں بری نہیں ہیں، اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جو شریعت کی نظر میں بھی بری ہیں اور دنیا والوں کی نظر میں بھی بری ہیں، فحش کے مفہوم میں یہ سب داخل ہیں، گویا اللہ پاک نے ان چیزوں کے کرنے سے روکا ہے جو شریعت میں بھی بری ہیں اور دنیا والوں کی نظر میں بھی بری ہیں، جیسے کسی کو گالی دینا، نہ شریعت میں اس کی اجازت ہے اور نہ لوگ اس کو پسند کرتے ہیں، بے حیائی، ننگا پن، زنا، کسی کے یہاں بھی پسندیدہ نہیں، لوگوں نے اس کو فیشن بنالیا ہے لیکن اس کی کسی مذہب میں اجازت نہیں، جس کسی میں ذرا سی انسانیت باقی ہو گی تو وہ ان کو ناپسند ہی کرے گا، انسانیت جب مسخ ہو جاتی ہے تو فواحش پسندیدہ ہو جاتے ہیں، فطرت میں چینجس (Changes) آنے لگتے ہیں، جھوٹ بولنا سب کے نزدیک بری بات ہے کسی کے نزدیک اچھا نہیں ہے، دھوکہ، غیبت، تہمت اور بہتان یہ چیزیں تمام مذاہب میں بری شمار ہوتی ہیں، یہ سب فواحش میں داخل ہیں، ان سب چیزوں سے اللہ پاک نے روکا ہے۔

حلت و حرمت کا اختیار کسی کو نہیں:

اور ان چیزوں سے روکنے کا اور ان کو حرام قرار دینے کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے، کسی اور کو نہیں، بلکہ کسی بھی چیز کو حرام اور حلال قرار دینے کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے۔ کسی کو اللہ پاک نے اس کا اختیار نہیں دیا ہے، اور جو چیزیں بندوں نے اپنے طور پر حرام کر رکھی تھیں اللہ پاک نے اس پر بھی تنبیہ کی اور بتایا کہ اس کا اختیار صرف ہمیں حاصل ہے، تم جو چاہے نہیں کر سکتے، کفارِ مکہ نے احرام کی حالت میں اپنے اوپر وَدَکْ یعنی چربی کو حرام کر لیا تھا، اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ بکری کے گوشت، دودھ وغیرہ کو بھی حرام کر رکھا تھا، اور پھر بیت اللہ کا طواف بھی بالکل برہنہ ہو کر کرتے تھے، اللہ پاک نے یہ آیت نازل کی۔(تفسیر طبری:۱۲/۳۹۵)

"قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللهِ الَّتِيْٓ أَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ" (الاعراف:۳۲)

"آپ فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے کپڑوں کو جن کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس شخص نے حرام کیا ہے"

یہ چیزیں ہم نے حلال کی ہیں، تم کون ہو جو ان کو حرام کر دو، کھاؤ، پیو، اور عمدہ لباس پہنو، لیکن اس میں اسراف نہ ہونا چاہئے، اور یہ بھی اسراف میں سے ہے کہ تم کسی چیز کو حلال قرار دو اور کسی کو حرام، کیونکہ اس کا اختیار تو صرف اللہ کو ہے۔

حلال و حرام کا اختیار نبی کو بھی نہیں:

حتیٰ کہ اللہ پاک نے یہ اختیار نبی کو بھی نہیں دیا ہے کہ وہ جس کو چاہے حلال قرار دیں، اور جس کو چاہے حرام قرار دیں، پیغمبر جس چیز کو حلال یا حرام قرار دیتے تھے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہوتا تھا، نبی صرف ترجمانی فرماتے تھے، شارع اللہ ہی ہوتے ہیں، اسی لئے قرآن پاک میں اللہ پاک نے نبی علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

"يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ اللهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" (التحریم:۱)

"اے نبی جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے آپ (قسم کھا کر) اسکو (اپنے اوپر) کیوں حرام فرماتے ہیں؟ (پھر وہ بھی اپنی بیبیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے) اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کا واقعہ:

اس آیت کے نزول کا واقعہ یہ ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ عصر کے بعد آپ سب ازواجِ مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ ایک روز حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس معمول سے زیادہ ٹھہر گئے، اور شہد نوش فرمایا تو مجھ کو رشک آیا اور میں نے حفصہ سے مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس آپ تشریف لاویں تو وہ یوں کہے کہ اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے مغافیر نوش فرمایا ہے؟ مغافیر ایک خاص قسم کا گوند ہوتا ہے

جس میں کچھ بدبو ہوتی ہے، اور بدبو کی چیزوں سے رسول اللہ ﷺ بہت پرہیز فرماتے تھے، چنانچہ آپ تشریف لائے اورازواج مطہرات نے کہا کہ شاید آپ نے مغافیر نوش فرمایا ہے، آپ نے فرمایا کہ نہیں، ازواج مطہرات نے کہا کہ ہم کو اس طرح کی بو محسوس ہورہی ہے، شاید مکھی مغافیر کے درخت پر بیٹھی ہو اور اس کا رس چوسا ہو، اسی وجہ سے اس کی بدبو محسوس ہورہی ہے، آپ نے قسم کھائی کہ آئندہ پھر میں شہد نہ پیوں گا، تواللہ پاک نے یہ آیت نازل کی۔ (صحیح بخاری: کتاب الطلاق: ۵۲۶۷) ''اے نبی! جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے آپ قسم کھا کر اسکو اپنے اوپر کیوں حرام فرماتے ہیں'' اس سے پتہ چلا کہ اسلام میں کسی نبی کو بھی یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ جس چیز کو چاہیں حلال کرلیں، اور جس چیز کو چاہیں حرام کرلیں، اس کا اختیار صرف اللہ کو ہے، حلال قرار دینے والی ذات بھی اللہ کی ہے، اور حرام قرار دینے والی ذات بھی اللہ کی ہے، بندوں میں کسی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے۔

مولوی حرام کرتے نہیں حرام بتاتے ہیں:

بہت سے لوگ مولویوں پر الزام دھرتے ہیں کہ مولوی ہر چیز کو حرام قرار دیتے ہیں، ہر چیز سے روکتے ہیں، یہ بات ذہن میں رکھیں کہ مولوی کسی چیز کو اپنی ذات سے حلال اور حرام نہیں قرار دیتے، بلکہ مولوی حلال اور حرام ہونا بتلاتے ہیں، اللہ پاک نے انہیں بھی اس کا اختیار نہیں دیا، جب نبی کو تک اس کا اختیار نہیں ہے تو علماء کو کیسے اختیار ہوسکتا ہے؟ اہل حق علماء کسی چیز کو اپنی طرف سے اپنی غرض کی بنیاد پر حلال اور حرام قرار نہیں دیتے بلکہ اس کا حلال اور حرام ہونا بتلاتے ہیں۔ حلال اور حرام کا اختیار صرف اللہ کو ہے، کسی اور کو نہیں۔

کفارِ مکہ نے چونکہ اپنے اوپر چند چیزوں کو حالتِ احرام میں حرام کر رکھا تھا، اس لئے اللہ پاک نے ان کو تنبیہ کی کہ ہماری حلال کردہ چیزوں کو حلال جانو، اور اس کو استعمال کرو، اور حرام چیزوں کو حرام جانو اور اس سے بچو، وہ حرام چیزیں کیا ہیں؟ تو اللہ پاک نے فرمایا:

''قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ'' (الاعراف: ۳۳)

''آپ فرمائیے کہ البتہ میرے رب نے حرام کیا ہے تمام فحش باتوں کو ان میں جو علانیہ ہیں وہ بھی، (جیسے برہنہ طواف کرنا)، اور ان میں جو پوشیدہ ہیں وہ بھی، (جیسے بدکاری) اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اور اس بات کو کہ تم اللہ کے ذمے ایسی بات لگاؤ جس کی تم سند نہ رکھو''

اس آیت میں بھی اللہ پاک نے فواحش سے منع کیا ہے، اور فحش کی تفسیر اس سے پہلے گزر چکی ہے کہ فحش ہر اس برے کام کو کہتے ہیں جو شریعت کی نظر میں تو برا ہو ہی لیکن بندوں کی نظر میں بھی برا ہو، چاہے اخلاقیات میں ہو، یا معاملات میں ہو، یا معاشرت میں ہو، یا خوشیوں میں ہو، یا غموں میں ہو، زبان سے ہو، یا دل سے ہو، دماغ سے ہو، یا آنکھوں سے ہو، یہ سب فحش کے دائرے میں آتے ہیں، چاہے ہم علانیہ کریں یا چھپ کر، اندھیرے میں کریں یا اجالے میں، خلوت میں کریں، یا جلوت میں، رات میں کریں، یا دن میں، ان سب کو اللہ پاک دیکھتے ہیں، اور جانتے ہیں، اور کل قیامت میں ہمارا مواخذہ بھی فرمائیں گے۔ اس لئے ان سے بچنا چاہئے۔

ماموراتِ اور منکرات کا تقابل:

علماء نے یہاں فحش منکر اور بغی کا ایک اور معنیٰ لکھا ہے، وہ یہ ہے کہ یہاں عدل کے مقابلہ میں فحش ہے، اور عدل کہتے ہیں اعتدال اور درمیانی راہ کو، تو اس اعتبار سے فحش کا مطلب یہ ہوگا کہ جو چیزیں حدِ اعتدال سے گزر جائیں وہ فحش ہیں، منکر، احسان کے مقابلہ میں ہے، اور احسان کہتے ہیں کسی بھی کام کو عمدگی سے اور بہتر طریقے پر کرنا، جس کی تفسیر گزر چکی ہے، تو اس اعتبار سے منکر اس کام کو کہیں گے جو عمدہ اور بہتر طریقے سے نہ کیا جائے، اور بغی کو ذوی القربیٰ کے مقابل لایا گیا، اس اعتبار سے بغی اس کو کہتے ہیں جس میں ذوی القربیٰ کو ان کا حق نہ دیا جائے، اور ان پر ظلم کیا جائے۔ (روح المعانی: ۲۸۱/۱۰)

منکر کسے کہتے ہیں؟

دوسری چیز جس سے اس آیت میں روکا گیا ہے وہ ''منکر'' ہے، منکر کا کیا مطلب ہے؟ تو مفسرین نے منکر کے بارے میں چار اقوال نقل کئے ہیں:

(۱)منکر سے مراد شرک ہے۔(۲)منکر وہ ہے جس کے بارے میں شریعت اور سنت میں کچھ موجود نہ ہو۔(۳)منکر اس کو کہتے ہیں جس پر جہنم کا وعدہ کیا گیا ہو۔(۴)منکر اس کو کہتے ہیں جس میں انسان کا ظاہر باطن سے اچھا ہو(یعنی جو باطن میں نہ ہو، ظاہر اد کھاوے کے لئے اس کو کیا جائے)۔ (تفسیرِ رازی:۹/۴۵۲،وزادالمیسر:۴/۱۲۲)

اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ منکر وہ ہے جس گناہ کی دنیا میں حد نہ ہو لیکن آخرت میں عذاب ہو۔اور بعض نے کہا کہ منکر وہ ہے جس کو عقل سلیم رکھنے والے بھی منکر سمجھیں۔(روح المعانی:۱۰/۲۸۱)

بعض علماء کہتے ہیں کہ منکر اس کو کہتے ہیں جس سے شریعت نے روکا ہے، اور اس کو قبیح قرار دیا ہے، خواہ وہ اقوال ہوں یا افعال، خواہ ان کا مفسدہ اور ان کی قباحت بڑی ہو یا چھوٹی، خواہ وہ غیر کی طرف متعدی ہو یا نہ ہو۔

منکر اور فحش میں فرق:

غرض منکر اس کو کہتے ہیں جس سے شریعت میں روکا گیا ہو، اور جو شریعت کی نظر میں برا ہو، خواہ وہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہیں، فحش تو شریعت کی نظر میں بھی برا ہوتا ہے اور لوگوں کی نظر میں بھی برا ہوتا ہے، لیکن منکر وہ ہوتا ہے جو شریعت کی نظر میں برا ہو، بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں ظاہری طور پر ان کا برا ہونا معلوم نہیں ہوتا، اور لوگوں کی نظر میں وہ برے نہیں ہوتے، اوران کا برا ہونا لوگوں کی عقل میں نہیں آتا، لیکن شریعت کی نظر میں برے ہوتے ہیں، جیسے پیشاب کی وجہ سے ناپاک ہو جانا، یا جنبی ہونے کی وجہ سے ناپاک ہو جانا، یا ہوا خارج ہونے کی وجہ سے وضو کا ٹوٹ جانا ، آدمی کا ناپاک ہو جانا، اور نماز کے قابل نہ ہونا، انسان اس حالت میں شریعت کی نظر میں گندا، ناپاک اور نجس ہوتا ہے، لیکن انسانوں کے نزدیک اس میں ناپاکی اور نجاست کا کوئی کانسپٹ(concept) نہیں، انسان کو اس کا ناپاک گندہ اور نجس ہونا نظر نہیں آتا ہے، لیکن شریعت کہتی ہے آدمی اس حالت میں ناپاک، گندہ اور نجس ہوتا ہے، اب وہ نماز نہیں

پڑھ سکتا، قرآن کو ہاتھ نہیں لگا سکتا، اس مثال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ منکر شریعت کی نظر میں برا ہوتا، چاہے وہ ہماری سمجھ میں نہ آئے۔

منکر میں علماء کا اختلاف نہیں ہوتا:

منکر کے بارے میں ایک اور بات ذہن میں رکھیں کہ منکر کے بارے میں علماء کا اختلاف بھی نہیں ہوتا، وہ متفق علیہ ہوتا ہے، اگر اس میں علماء کا اختلاف ہو جائے تو پھر وہ منکر کی فہرست میں داخل نہیں ہوتا، اگر کوئی کہتا ہے کہ منکر ہے، اور کوئی کہتا ہے کہ منکر نہیں ہے تو پھر وہ منکر کے زمرہ میں نہیں آتا، منکر میں علماء کا اتفاق ہوتا ہے، جیسے زوال کے وقت نماز پڑھنا منکر ہے، سورج نکلتے وقت نماز پڑھنا منکر ہے، سورج ڈوبتے وقت نماز پڑھنا منکر ہے، عید کے دن روزہ رکھنا منکر ہے، کیونکہ سب اس پر متفق ہیں، اور ساتھ ہی یہ ایسا منکر ہے کہ اگر ہمیں شریعت نہیں بتاتی تو ہم کو اس کا منکر ہونا بھی معلوم نہیں ہوتا، اس کا منکر ہونا شریعت کے بتانے سے ہی ہمیں معلوم ہوا، اس سے پتہ چلا کہ منکر وہ ہوتا ہے جو شریعت کی نظر میں برا ہوتا ہے، کبھی تو وہ ہماری سمجھ میں آجاتا ہے اور کبھی ہماری عقل اور فہم اسے سمجھ نہیں پاتی۔

ناجائز پر اتفاق بھی منکر میں داخل ہے:

بعض دفعہ لوگ کسی بات پر متفق ہو جاتے ہیں، لیکن وہ شریعت کی نظر میں منکر ہوتا ہے، ان کے اتفاق کی وجہ سے وہ منکر منکر ہی ہوتا ہے، علماء کبھی منکر پر اتفاق نہیں کرتے، لیکن لوگ کر لیتے ہیں، اس لئے اگر لوگ کسی ناجائز چیز پر اتفاق کر لیں تو وہ منکر ہی ہو گا۔ ان کے اتفاق کا کائی اعتبار نہ ہو گا، بلکہ ان کا اتفاق ہی منکر ہو گا۔

ناجائز چیز میں حمایت بھی منکر میں داخل ہے:

ایسے ہی ناجائز چیز میں حمایت بھی منکر میں شامل ہے، انتشار کے خوف سے کسی کی حمایت بھی منکر میں شامل ہے، اس لئے ناجائز چیز میں حمایت جائز نہیں ہے، جائز چیز میں حمایت ہوتی

ہے، ناجائز چیز میں حمایت منکرات میں سے ہے، اس صورت میں فساد کی ذمہ داری اور وبال بھی اسی شخص پر پڑتا ہے جو گڑبڑ کر رہا ہوتا ہے اور جو اس کی حمایت کرتا ہے، غرض منکر شریعت کا بیان کیا ہوا ہوتا ہے، ویسے فحش بھی شریعت کی بیان کی ہوئی ہی ہوتی ہے، اور شریعت کی نظر میں وہ بھی منکر ہوتی ہے لیکن فحش میں وہ برائیاں ہوتی ہیں جسے انسان کی عقل قبول کر لیتی ہے، منکر میں انسان کی عقل کا قبول کرنا ضروری نہیں ہے، کیونکہ منکر کا مدار عقل پر نہیں بلکہ نقل اور وحی پر ہوتا ہے، عقل کی رسائی وہاں تک نہیں ہوتی، اس لئے اس کی برائی عقل کی سمجھ میں بھی نہیں آتی۔

منکر کی دو قسمیں:

ان منکرات کی تفصیل بہت لمبی ہے، کچھ تو منکرات وہ ہوتے ہیں جس کی باضابطہ شریعت میں صراحت ہوتی ہے، مثلاً سود کا پیسہ نہ کھانا، حرام دعوت نہ کھانا، غم اور صدمہ میں حد سے تجاوز نہ کرنا، غم میں سینہ کوبی نہ کرنا، چہروں کو نہ نوچنا، کپڑوں کا نہ پھاڑنا، چیخنا اور چلانا نہیں، اور منکرات کی ایک قسم وہ ہے کہ جو چیزیں دین میں داخل نہیں ہیں اور جو شریعت میں قرآن و حدیث اور صحابہ سے ثابت نہیں ہیں ان کو ثابت مان کر ان کو دین کا لازمی حصہ بنا دینا، اور نہ کرنے والوں پر لعن طعن کرنا، یہ بھی منکرات میں سے ہے، شریعت کی اصطلاح میں اسے بدعت کہتے ہیں، اور یہ سخت منکر ہوتا ہے، اور شریعت میں اس کا گناہ بھی بہت بڑا ہے، اور اس پر سخت وعید بھی ہے، محرم الحرام کی جتنی بدعات ہیں، صفر المظفر کی جتنی بدعات ہیں، ربیع الاولیٰ کی جتنی بدعات ہیں، رجب اور شعبان کی جتنی بدعات ہیں وہ سب منکرات میں داخل ہیں، اور یہ منکر کی دوسری قسم میں داخل ہیں۔

غرض میرے بزرگو اور دوستو! شریعت نے گویا ان کے اصول بیان کر دیئے ہیں کہ فلاں فلاں منکر ہے، اور فلاں چیز بدعت ہے، اس کی فہرست بہت لمبی ہے، اب جو چیزیں بھی اس زمرے میں آئیں گی، اور اس کی تعریف میں داخل ہو جائیں گی تو وہ منکر میں داخل ہو جائیں گی، ان سے بچنا ضروری ہوگا، اب ساری دنیا چاہے اسے منکر نہ سمجھے، لیکن شریعت منکر کہتی ہے

تو قصہ ختم، بحث کا موقع ہی نہیں ہے، اس سے رکنا ضروری ہو گا، اب اس میں کوئی حیلہ نہیں، کوئی تدبیر نہیں، کوئی عذر نہیں، کوئی بہانہ قابل قبول نہ ہو گا۔

منکر کے درجات:

ہاں ان منکرات کے بارے میں کچھ تفصیل ہے، اس کے کچھ درجات ہیں، کچھ تو وہ ہوتے ہیں جن کی حرمت نصِ قطعی سے ثابت ہے تو ان کا کرنا حرام ہوتا ہے، ان کی حرمت بہت زیادہ ہوتی ہے، اور کچھ منکرات وہ ہوتے ہیں جو دلیل قطعی سے ثابت نہیں ہوتے بلکہ دلیل ظنی سے ثابت ہوتے ہیں، ان کا منکر ہونا حرام کے درجہ کا نہیں ہوتا، بلکہ کم درجہ کا ہوتا ہے، اس کو مکروہ تحریمی کہتے ہیں، لیکن اس کا کرنا بھی حرام کے قریب قریب ہوتا ہے، اور کچھ منکرات وہ ہوتے ہیں جن سے عارضی طور پر یا کسی مصلحت کی وجہ سے رحم اور شفقت کی بنیاد پر کسی چیز یا کسی عمل سے روکا جاتا ہے تو اس کا منکر ہونا اور ہلکے درجہ کا ہو جاتا ہے، یہ کراہت کراہتِ تنزیہی ہوتی ہے، یہ کرنا خلاف اولیٰ ہوتا ہے، اگر کرلیں تو گناہ نہیں ہوتا، تاہم اس کا نہ کرنا بہتر ہوتا ہے، غرض چاہے منکر کسی درجہ کا ہو اس سے بچنا چاہیئے، کیونکہ وہ ہے ہی ناپسندیدہ، تبھی تو اس سے روکا گیا، منع کیا گیا، اس لئے ان سے رکنا چاہیے۔

”وَالِاسْتِنْكَارُ مَرَاتِبُ، مِنْهَا مَرْتَبَةُ الْحَرَامِ، وَمِنْهَا مَرْتَبَةُ الْمَكْرُوهِ فَإِنَّهُ مَنْهِيٌّ عَنْهُ. .“ (التحریر والتنویر: ۱۴/۲۵۷)

بغی کی حقیقت:

تیسری چیز جس سے اس آیت میں روکا گیا ہے وہ بغی ہے، بغی کسے کہتے ہیں؟ تو مفسرین نے اس کے بارے میں لکھا ہے:

”وَالْبَغْيُ: هُوَ الْكِبْرُ وَالظُّلْمُ وَالْحِقْدُ وَالتَّعَدِّيْ وَحَقِيْقَتُهُ تَجَاوُزُ الْحَدِّ وَهُوَ دَاخِلٌ تَحْتَ الْمُنْكَرِ لٰكِنَّهُ تَعَالٰى خَصَّهُ بِالذِّكْرِ اِهْتِمَامًا بِهِ لِشِدَّةِ ضَرَرِهٖ“ (روح المعانی: ۱۰/۲۸۰، و تفسیرِ رازی: ۹/۲۵۲)

اور بغی کبر، ظلم، کینہ اور سرکشی کو کہتے ہیں، اور بغی کی حقیقت حد سے تجاوز کرنا ہے، اس اعتبار سے یہ منکر میں داخل ہے، اسی طرح فحش بھی منکر میں داخل ہے، لیکن اللہ پاک نے خاص طور پر ان دونوں کی قباحت بتانے کے لئے ان کو الگ سے ذکر کیا۔

ظلم کی سزا دنیا میں بھی ملے گی:

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں بغی سے متعلق بھی سخت وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔ اس کا وبال خود آدمی کو بھگتنا پڑتا ہے، اور آخرت سے پہلے دنیا ہی میں اس کو بھگتنا پڑتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ" (یونس:۲۳)

"اے لوگو! (سن لو) یہ تمہاری سرکشی تمہارے لیے وبال (جان) ہونے والی ہے"

ایک حدیث میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لَا ذَنْبَ اَسْرَعُ عُقُوْبَةً مِنْ بَغْيٍ"

کوئی گناہ ایسا نہیں ہے کہ جس کی سزا جلد ہی دنیا میں دیدی جائے سوائے ظلم کے۔

اور دوسری حدیث میں ہے:

"اَسْرَعُ الْخَيْرِ ثَوَابًا اَلْبِرُّ وَصِلَةُ الرَّحِمِ . وَاَسْرَعُ الشَّرِّ عُقُوْبَةً اَلْبَغْيُ وَقَطِيْعَةُ الرَّحِمِ" (سنن ابن ماجہ: کتاب الزہد: ۴۲۱۲)

اللہ پاک لوگوں پر احسان اور صلہ رحمی کا ثواب بھی جلد ہی دیتے ہیں اور ظلم اور قطعِ رحمی کی سزا بھی جلد ہی دے دیتے ہیں۔

دوسرے گناہوں کی سزا تو کل قیامت میں اللہ پاک دیں گے، لیکن ظلم ان گناہوں میں سے ہے جس کی سزا اللہ پاک دنیا ہی میں دیتے ہیں، وہاں بھی ظالم کی پکڑ ضرور ہوگی لیکن دنیا میں بھی اس کو پکڑا جائے گا۔ اور دنیا میں خود اسے اپنے ظلم کا وبال اور نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔

(تفسیر اضواء البیان: ۲/۴۳۸)

بغاوت بھی بغی میں داخل ہے:

بغی کے ایک معنیٰ بغاوت، سرکشی اور فتنہ برپا کرنے کے ہیں، گویا کسی کی طاعت میں رہنے سے انکار کرنا، کسی کے خلاف خروج کرنا، آپس میں پھوٹ اور فتنہ پیدا کرنا بھی بغی کے مفہوم میں داخل ہے، اس کا بھی بڑا گناہ ہے، نبی علیہ السلام نے اس سے بچنے کی بھی تاکید کی ہے، اور اپنے امیر یا حکام اور حکمرانوں کی بغاوت اور ان کی بات نہ ماننے سے سختی سے روکا ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے پورا نظام درھم برھم ہو جاتا ہے، خود باغی کو بھی اس کا نقصان پہنچتا ہے اور دوسرے بھی اس کی وجہ سے پریشان ہوتے ہیں اور بعض دفعہ تو ان کی جان اور مال تک کے لالے پڑ جاتے ہیں، اسی لئے قرآن مجید میں اللہ نے ان کی اطاعت کا حکم دیا:

”یٰٓأَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا أَطِیْعُوا اللهَ وَأَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُوْلِی الْأَمْرِ مِنْکُمْ“ (النساء:۵۹)

اس آیت میں اولوالامر سے دینی اعتبار سے علماء اور فقہاء اور دنیوی اعتبار سے حکام مراد ہیں، اور مفسرین نے کسی بھی معاملہ میں امیر کی اطاعت کو اس آیت کی رو سے لازم قرار دیا ہے۔

”وَالظَّاهِرُ (وَاللهُ اَعْلَمُ) اَنَّ الْاٰیَةَ فِيْ جَمِیْعِ اُولِي الْاَمْرِ مِنَ الْاُمَرَاءِ وَالْعُلَمَاءِ“ (تفسیر ابن کثیر: ۲/۳۴۵) اس لئے کسی سے بغاوت جائز نہیں ہے۔

کیا ہر امر میں امیر کی اطاعت کی جائے گی؟

ہاں اگر حکام یا امراء خلافِ شرع کاموں کا حکم دیں تو اب ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی، بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے فرمان پر عمل کیا جائے گا۔ کیونکہ حدیث میں نبی علیہ السلام نے اس سے منع کیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ کیا اور اس کا امیر عبد اللہ بن حذافہ کو مقرر کیا اور لشکر کو ان کی اطاعت کا حکم دیا۔ وہ ان سے کسی بات پر خفا ہو گئے، اور بہت زیادہ ناراض ہو گئے، اور ان سے کہنے لگے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں میری اطاعت کا حکم نہیں دیا تھا؟ وہ کہنے لگے کیوں نہیں؟ انہوں نے کہا: اچھا تو ایندھن جمع کرو، آگ جلاؤ اور اس میں داخل ہو جاؤ، لوگوں نے لکڑیاں جمع کیں اور آگ جلائی اور جب داخل ہونے کا ارادہ کیا

تو ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، کچھ نے کہا ہم نے رسول اللہ کی اطاعت ہی اس لیے کی ہے کہ آگ سے بچ جائیں، اب کیسے آگ میں داخل ہوں گے؟ یہ کشمکش ان میں شروع ہو گئی اسی دوران آگ بجھ گئی اور امیر کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا، جب یہ لوگ واپس آئے تو اس بات کا ذکر آپ سے کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم آگ میں داخل ہو جاتے تو اس سے کبھی نہ نکلتے۔ اس کے بعد فرمایا: ”اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِی الْمَعْرُوْفِ“ امیر کی اطاعت صرف معروف کاموں میں کی جائے گی، اور مسلم کی روایت میں ہے: ”لَا طَاعَةَ فِیْ مَعْصِیَةِ اللّٰہِ اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِی الْمَعْرُوْفِ“ اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں کی جائے گی، امیر کی اطاعت صرف معروف کاموں میں کی جائے گی۔ (صحیح بخاری، کتاب الاحکام۔ ۷۱۴۵ ومسلم، کتاب الامارة، ۴۸۷۱)

اس سے پتہ چلا کہ امیر کی اطاعت صرف اس وقت تک جائز ہے، جب تک کہ امیر کے احکام اور قوانین خلافِ شرع نہ ہوں، اگر وہ خلاف شرع ہوں تو پھر ان کی اتباع نہیں کی جائے گی۔

غرض اللہ پاک نے اس آیت میں ان تین منکرات سے روکا ہے، جس کی کچھ تفصیل آپ حضرات کے سامنے ذکر کی گئی۔

فحش، منکر اور بغی سے کیسے بچا جائے؟

اب سوال یہ ہے کہ انسان ان فواحش اور منکرات سے کیسے بچے؟ تو آدمی اپنے اندر پائی جانے والی جو قوتیں ہیں، جو خواہشات ہیں، اور جو شیطانی وساوس آتے ہیں ان پر کنٹرول کرے، اور ہمت سے کام لے۔

انسان کی چار قوتیں اور ان کا اثر:

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اللہ پاک نے انسان کے اندر چار قسم کی قوتیں رکھی ہیں، (۱) قوتِ شہوانیہ، بہیمیہ۔ اس کی وجہ سے آدمی میں شہوت پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے آدمی زنا وغیرہ جیسے فواحش کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے، اسی وجہ سے قرآن پاک میں زنا کو فحش سے تعبیر کیا گیا ہے:

”اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتاً وَّسَاءَ سَبِیْلًا“ (النساء: ۲۲)

(۲)دوسری قوت ہوتی ہے قوت غضبیہ سبعیہ، یہ انسان کو شر، تکلیف اور ایذا پہنچانے پر ابھارتی ہے۔اس لئے اس حالت کو منکر اور بری ہی سمجھتے ہیں۔(۳)تیسری قوّت قوّتِ وہمیہ شیطانیہ ہوتی ہے، یہ آدمی کو کبر اور بڑائی پر ابھارتی ہے، جس کی وجہ سے آدمی دوسروں پر تفوق، فخر اور استعلاء چاہتا ہے، اللہ پاک نے اس آیت میں فحش کہہ کر قوت شہوانیہ اور منکر کہہ کر قوتِ غضبیہ اور بغی کہہ کر قوت شیطانیہ اور ان کی جانب سے جو غلط اور برے تقاضے انسان میں پیدا ہوتے ہیں ان سے منع فرمایا ہے۔ اور ان میں شرعی حدود سے تجاوز سے روکا ہے۔(۴)اس کے علاوہ ایک قوت قوت عقلیہ اور ملکیہ کہلاتی ہے، لیکن انسان کو اس کی تادیب اور تہذیب کی ضرورت نہیں ہوتی، کیونکہ ملائکہ کے جواہر میں سے ہوتی ہے۔(تفسیر رازی:۹/۴۵۵)

چونکہ اوپر کی تین قوتوں کی تہذیب اور تادیب کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اللہ پاک انہیں تینوں کا ذکر فرمایا ہے کہ ان تین قوتوں کو آدمی قابو میں کرلے اور ان پر کنٹرول کرلے تو پھر ان سے بچنا اس کے لئے آسان ہوجاتا ہے۔

تفسیرِ ابو السعود میں لکھا ہے کہ کسی انسان میں کوئی شر اور برائی نہیں ہوتی ہے مگر وہ انہیں قسموں میں داخل ہوتی ہے اور انہیں تین قویٰ کے توسط سے وہ شر اور برائی ظاہر ہوتی ہے۔ اور اسی وجہ سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ آیت خیر اور شر کے لئے قرآن کی سب سے جامع آیت ہے، اگر کوئی آیت نہ بھی ہوتی تو یہ آیت اپنی جامعیت کے اعتبار سے کافی ہوتی۔(تفسیر ابو السعود:۴/۱۴۸)

غرض انسان اپنی نفس کی خواہشات پر کنٹرول کرلے، اور اپنے غضب پر بھی قابو پالے اور غصہ میں آپے سے باہر نہ ہو اور ساتھ ہی شیطانی قوت اور اس کے وساوس سے اللہ کی پناہ بھی چاہے تو ان تینوں منکرات سے بچنا آسان ہوجاتا ہے۔ لیکن ان تینوں قوتوں کو قابو میں کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لئے کسی بزرگ اور ولی اللہ کی صحبت ضروری ہوتی ہے، ان کی

صحبت میں رہ کر ان کے فیض سے مستفید ہوتے ہوئے ان کو قابو میں کرنا آسان ہوتا ہے، یہ چند باتیں ان آیات کی تفسیر سے متعلق آپ کے سامنے ذکر کی ہیں، اللہ پاک مجھے اور آپ کو صحیح علم اور عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

افادات: حضرت مفتی شاہ محمد نوال الرحمن صاحب دامت برکاتہم
ترتیب و تخریج: مفتی محمد عطاء الرحمن ساجد قاسمی

بمقام: شریعہ بورڈ آف امریکہ، جمادی الثانی ۱۴۳۶ھ۔
ناشر: شریعہ بورڈ آف انڈیا۔

علم کے بعد عمل ضروری ہے

نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ۔

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (النحل:۹۰)

”بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ تم کو اس کے لیے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو“

بزرگانِ محترم! اور برادرانِ اسلام!

چند ہفتوں سے خطباتِ جمعہ سے متعلق مضامین ذکر کئے جارہے تھے، کچھ فضائل، کچھ احکام، اور کچھ آیات کی تفسیر آپ کے سامنے بیان کی گئی، اور خطبۂ اولیٰ اور خطبۂ ثانیہ کے مضامین کا

خلاصہ آپ کے سامنے بیان کیا گیا، اور چند ہفتوں سے خطبہ کے اخیر میں پڑھی جانے والی آیت کی تشریح بھی آپ کے سامنے پیش کی جارہی تھی، آج اس کے آخری جزء کے بارے میں چند باتیں عرض کرنی ہیں۔ اور اس کا آخری جزء ہے:

”یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ“ (النحل:۹۰)

” اللہ تعالیٰ تم کو اس کے لیے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو“

حق تعالیٰ شانہ نے اس میں جو بات ارشاد فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ کسی بھی چیز کو سننے اور پڑھنے کے بعد اس کا اثر اپنے اندر پیدا کریں، اور اس کو قبول کریں، اور اپنی زندگیوں میں اس کو لائیں۔

سننے کے بعد اس کا اثر لیں:

کیونکہ کسی بھی چیز کا تاثر لینا اور اس کو قبول کرنا ہی بڑا اہم ہوتا ہے، اور انسان کی تربیت کیلئے یہ ضروری ہے، اگر کوئی تاثر نہ لے اور کسی بات کا اس پر کوئی اثر نہ ہو، صرف وہ سنتا ہی رہے تو اس کے سننے کا کیا فائدہ؟ کیونکہ جب اس بات سے اس کی اصلاح ہی نہیں ہو رہی ہے تو وہ بے عمل کا بے عمل ہی رہے گا، جیسے عمل کی ایک عادت ہوتی ہے، اسی طرح بے عملی کی بھی ایک عادت ہوتی ہے اور بغیر عادت کے عمل کرنا بھی بہت مشکل ہوتا ہے، جب کسی کو بے عملی کی عادت پڑی ہوئی ہو اور اس کو اس کے خلاف کرنے کے لئے کہا جائے تو اس کے لئے اس پر عمل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ جیسے کسی کو تہجد کی عادت نہیں ہے اور اس کو تہجد ادا کرنے کے لئے کہا جائے یا کسی کو ذکر کی عادت نہیں ہے اور اس کو ذکر کرنے کے لئے کہا جائے تو اس کے لئے یہ بہت مشکل ہوتا ہے۔

بے عمل بہرے ہیں:

اس لئے اصل چیز سننے کے بعد اس پر عمل کرنا ہوتا ہے، اور جو عمل نہیں کرتے گویا قرآن کی زبان میں وہ بہرے ہیں، ان کا سننا بھی نہ سننا ہوتا ہے، قرآن مجید میں اللہ پاک نے فرمایا:

”وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ، إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ“ (الانفال:۲۱)

”اور (اے ایمان والو) تم ان لوگوں کی طرح مت ہونا جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ سنتے سناتے کچھ نہیں۔ بے شک بدترین خلائق اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو بہرے ہیں گونگے ہیں جو کہ ذرا نہیں سمجھتے“

اس آیت میں بتایا گیا کہ وہ لوگ سننے کا دعویٰ تو کرتے ہیں، لیکن جو سننے کا مقصد ہے یعنی عمل کرنا وہ ان میں نہیں ہے اس لئے ان کا سننا بھی بے فائدہ اور بے کار ہے۔

بے عمل کو قیامت میں افسوس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں:

اگر عمل نہ ہو تو کل قیامت میں سوائے افسوس کے اور کوئی چارہ نہیں ہو گا، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کا وہ قول نقل کیا ہے جو قیامت میں وہ کہیں گے:

”لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ“

”اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو نہ ہوتے دوزخ والوں میں“

لیکن وہاں افسوس کا کیا فائدہ؟ اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ سننے کے بعد اگر آدمی نہ سمجھے اور عمل نہ کرے تو وہ بہرا، گونگا اور بدترین ہے، اور ظاہر ہے کہ یہاں بہرے ہونے سے فزیکلی بہرا ہونا مراد نہیں ہے، کیونکہ بہرا اس کو کہتے ہیں جس کو سنائی نہ دے، اور یہاں ایسا نہیں ہے، اس لئے یہاں بہرے سے مراد بات کو سن کر اس کو قبول نہ کرنا اور اس کا اثر نہ لینا مراد ہے، مثلاً آپ نے اپنے بچے سے کوئی کام کہا، اور اس نے اس کو نہیں کیا، تو سب اس کو یہی کہتے ہیں کہ یہ بات ہی نہیں سنتا، حالانکہ وہ تو سنتا ہے لیکن اس پر عمل نہیں کرتا، اس لئے کہتے ہیں کہ یہ سنتا ہی نہیں، پتہ چلا کہ سننے کے بعد اس کا اثر لینا اور اس کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے، اور سناتے ہیں اسی مقصد کے لئے تاکہ اس پر عمل کیا جاسکے، اور وعظ و نصیحت اسی مقصد سے کرتے ہیں تاکہ اس کا اثر قبول کر کے اس کے مطابق چل سکے، اس لئے سننے کے

بعد اور کسی چیز کو جان لینے کے بعد اس کے مطابق عمل کرنا چاہیئے، اللہ پاک بندوں کو یہاں اسی کی نصیحت فرمارہے ہیں کہ ہم نے تم کو عدل، احسان، رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا اور فحش، منکرات اور بغی سے روکا ہے، اس نصیحت کو سن لو! اس کا اثر لو! اوراس پر عمل کرلو! اسی لئے ہم نے یہ چیزیں تمہارے سامنے بیان کی ہیں۔

کثیر معلومات مقصود نہیں:

زیادہ معلومات مقصود نہیں، اگر آدمی کو ایسا لکچر دیا جائے کہ ہر مرتبہ اس کی معلومات میں اضافہ ہوتا رہے تو اس سے کوئی فائدہ ہی نہیں ہوگا، جب تک کہ اس کی زندگی میں عمل نہ آئے، صرف معلومات کو لے کر وہ کیا کرے گا، معلومات کی کثرت اصل نہیں ہے، بلکہ معلومات پر عمل ضروری ہے، جب تک عمل نہ ہو وہ معلوم بے فائدہ ہے۔

صحابہ کا معلوم معمول تھا:

صحابہ کی زندگی دیکھیں، ان میں یہی چیز تھی، ایک ایک سورت سیکھنے میں سالہاسال لگ جاتے تھے، کسی کو صرف سورۂ بقرہ سیکھنے میں ڈھائی سال لگ رہے ہیں اور کسی کو آٹھ (۸) سال لگ رہے ہیں، کیوں؟ اس لئے کہ جتنا وہ سیکھتے تھے پہلے اس پر عمل کرتے تھے، جب سورت مکمل ہوتی تو اس سورت پر ان کا مکمل عمل بھی ہوتا تھا، ان کا علم ان کا عمل تھا، اور ان کا عمل ان کا علم تھا، اس لئے کہ علم کے حصول کے بعد عمل نہ ہو تو بڑی سخت پکڑ ہوگی، اور وہ علم آدمی کے لئے بغیر عمل کے وبال ہوگا۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ:

اس موقع پر والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ یاد آیا، وہ فرماتے تھے کہ معلومات کو معمولات بنانا چاہیے۔ فرماتے تھے کہ معلومات کی کوئی اہمیت نہیں ہے، معمولات کی اہمیت ہے کہ علم کے بعد عمل ہوا یا نہیں؟ کیونکہ عمل ہی اصل علم ہوتا ہے، بلکہ علم کی وہ تعریف کرتے تھے کہ اصل

علم وہ ہے جو علیم تک پہنچائے، اور علیم تک بندہ عمل کے ذریعہ پہنچتا ہے، اسی وجہ سے حضور ﷺ کا عمل صحابہ کا علم تھا، صحابہ کا عمل تابعین کا علم تھا، ان کے اعمال کے ذریعہ علم حاصل ہوتا تھا۔ اور عمل اس وقت پیدا ہوتا ہے جب علم کے بعد اس کا اثر اپنے اندر پیدا کریں، اور اس کا تاثر لیں۔

بے عمل سے جانور بہتر ہیں:

اگر ہمارے پاس علم ہو اور عمل نہ ہو تو ہم میں اور جانوروں میں کوئی فرق نہیں، جانور بھی کھاتے ہیں، پیتے ہیں، زندگی گزارتے ہیں، جدھر جو چیز نظر آتی ہے ادھر اپنا منھ مارتے ہیں، ہمارا بھی یہی حال ہے، ہم بھی کھا رہے ہیں، پی رہے ہیں، زندگی گزار رہے ہیں، جدھر جو چیز نظر آئی ہم بھی ادھر منھ مار رہے ہیں، نہ حلال کی پرواہ ہے اور نہ حرام کی، بس دنیا اور دنیا کی مال و دولت کے پیچھے ہم پڑے ہوئے ہیں۔

زمین و آسمان کی ہر شئ ذکرِ خدا میں مشغول ہے:

بلکہ ہمارا حال تو جانور سے بدتر ہے، کیونکہ وہ تو اللہ پاک کی تسبیح کرتے رہتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ پاک نے فرمایا:

”وَاِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ“ (الاسراء:۴۴)

”اور کوئی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ اس کی پاکی (قالاً یا حالاً) بیان نہ کرتی ہو لیکن تم لوگ ان کی پاکی بیان کرنے کو سمجھتے نہیں ہو“

زمین و آسمان کی تسبیح حالی یا قالی:

روئے زمین بلکہ آسمانوں اور زمینوں میں جتنی چیزیں ہیں وہ سب کی سب اور خود آسمان اور زمین بھی اللہ پاک کی تسبیح بیان کرتے ہیں، اور ان کی تسبیح زبانِ قال سے ہوتی ہے زبانِ حال سے نہیں، یہی بات زیادہ صحیح ہے، اور علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۰/۲۳۲)

کیونکہ اللہ پاک فرمارہے ہیں: ”وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ “یعنی زمین و آسمان اور ان میں پائی جانے والی مخلوق اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہیں لیکن ہم ان کی تسبیح نہیں جانتے، اگر ان کی تسبیح قولی نہ ہوتی بلکہ حالی ہوتی تو آدمی اس کو تدبر اور تفکر سے جان لیتا، لیکن اللہ پاک فرمارہے ہیں کہ تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے اور ظاہر ہے کہ ہم ان کی حقیقی تسبیح نہیں سمجھ سکتے اس لئے ان کی تسبیح کرنے سے حقیقت میں تسبیح کرنا مراد ہے۔

پہاڑوں کی تسبیح اور ان پر خوفِ خدا کا اثر:

اس کے علاوہ کئی آیاتِ مبارکہ اور احادیثِ مبارکہ سے حقیقۃً ان کی تسبیح ثابت ہوتی ہے، جیسے پہاڑوں کے بارے اللہ پاک نے فرمایا:

”اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ“(ص:۱۸) یعنی ہم نے پہاڑوں کو مسخر کردیا کہ وہ داوٗد (علیہ السلام) کے ساتھ صبح و شام تسبیح کرتے ہیں، ایسے ہی سورۂ بقرہ میں پہاڑوں کے اللہ کے خوف سے گرنے کا ذکر ہے: ”وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ “(البقرۃ:۷۴) یعنی پہاڑ کے بعض پتھر اللہ کے خوف سے نیچے گرجاتے ہیں۔

ایسے ہی ایک حدیث میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”اِنَّ الْجَبَلَ يُنَادِيْ الْجَبَلَ بِاسْمِهٖ يَا فُلَانُ! هَلْ مَرَّ بِكَ الْيَوْمَ ذَاكِرٌ فَاِنْ قَالَ نَعَم اسْتَبْشَرَ “(شعب الایمان: العاشر من شعب الإیمان و ھو باب في محبۃ اللہ عز و جل:۵۳۸)

”ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ سے کہتا ہے: اے فلاں کیا تیرے اوپر کوئی ایسا آدمی گذرا ہے جو اللہ کو یاد کرنے والا ہو، اگر وہ کہتا ہے کہ ہاں تو یہ پہاڑ اس سے خوش ہوتا ہے“

کھانے کی تسبیح:

ایسے ہی ایک روایت میں حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”كُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِيْحَ الطَّعَامِ وَهُوَ يُؤْكَلُ “(صحیح بخاری: کتاب المناقب:۳۵۷۹)

ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھاتے تو کھانے کی تسبیح کی آواز ہم سنا کرتے تھے، اسی طرح پتھروں کا سلام کرنا، کنکریوں کا کلمہ پڑھنا اور استوانہ حنانہ کا رونا اس کے علاوہ کئی روایات اور واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ جمادات ہوں یا نباتات، سب میں ایک شعور ہوتا ہے، ایک احساس ہوتا ہے، حق تعالیٰ کا ان میں خوف ہوتا ہے، اور وہ حق تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول ہوتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ ہمیں ان کی تسبیح سمجھ میں نہیں آتی، اس شعور اور ادراک کے بعد ان کا حقیقت میں تسبیح کرنا مراد لیں تو یہ کوئی امر مستبعد بھی نہیں۔ غرض یہ سب چیزیں اللہ پاک کی تسبیح بیان کرتی ہیں، جب کہ ان کو اس کے لئے نہیں پیدا کیا گیا، اور ہم کو عبادت کے لئے پیدا کیا گیا لیکن پھر بھی ہم عبادت نہیں کرتے، ایسا لگتا ہے کہ ہمارے جینے کا کوئی مقصد ہی نہیں ہے، بس کھانے پینے کے لئے ہم کو پیدا کیا گیا۔ اللہ پاک فرمارہے ہیں کہ اس جانوروں والی زندگی سے نکلو، عمل والی زندگی کو اپناؤ۔

اللہ کا ذکر کثرت سے کریں:

اس کے بعد خطبہ میں ایک نصیحت یہ کی جاتی ہے:

”اُذْکُرُوا اللّٰهَ الْعَظِیْمَ یَذْکُرْکُمْ وَادْعُوْهُ یَسْتَجِبْ لَکُمْ وَلَذِکْرُ اللّٰهِ تَعَالٰی اَوْلٰی وَاَعَزُّ وَاَجَلُّ وَاَهَمُّ وَاَتَمُّ وَاَکْبَرُ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَاتَصْنَعُوْنَ“

کہ اللہ کو یاد کرتے رہا کرو، اور اس سے دعا مانگتے رہو، اس کا خاص الخاص فائدہ یہ ہوگا کہ اگر تم اللہ کو یاد کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہیں یاد کریگا، اور جب تم اس سے دعا مانگو گے تو وہ تمہاری دعا قبول کرے گا۔

ذکر اللہ کی حقیقت:

یاد رکھیں کہ ایک ذکر یہ ہے کہ اللہ کی تسبیح، تحمید، اور تکبیر بیان کی جائے، کلمہ کا ورد رکھا جائے، یہ تو ذکر ہے ہی لیکن اصل ذکر یہ ہے کہ اللہ پاک کی اطاعت کو یاد رکھا جائے، اس کے

احکام کو یاد رکھا جائے، حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے ذکر اللہ کی تفسیر اطاعت اور فرمانبر داری سے کی ہے، وہ فرماتے ہیں: ”مَنْ لَمْ یُطِعْہُ لَمْ یَذْکُرْہُ وَاِنْ اَکْثَرَ التَّسْبِیْحَ وَالتَّھْلِیْلَ وَقِرَاءَۃَ الْقُرْآنِ“ (تفسیر قرطبی: ۲/۱۶۶) یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی نہ کی اس نے اللہ کو یاد نہیں کیا اگرچہ ظاہر میں اس کی تسبیح، تہلیل اور قراۃ قرآن کتنی بھی ہو۔

احکامِ الٰہی پر عمل نہ ہو تو ذکر و تسبیح کے باوجود انسان گنہگار ہے:

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مَنْ اَطَاعَ اللہَ فَقَدْ ذَکَرَ اللہَ وَاِنْ اَقَلَّ صَلَاتَہٗ وَصَوْمَہٗ وَصَنِیْعَہٗ لِلْخَیْرِ وَمَنْ عَصَی اللہَ فَقَدْ نَسِیَ اللہَ وَاِنْ کَثُرَ صَلَاتُہٗ وَصَوْمُہٗ وَصَنِیْعُہٗ لِلْخَیْرِ“

جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اس نے اللہ کو یاد کیا، اگرچہ اس کی نفل نماز، روزہ وغیرہ کم ہوں اور جس نے احکام خداوندی کی خلاف ورزی کی اس نے اللہ کو بھلا دیا اگرچہ (بظاہر) اس کی نماز روزہ، تسبیحات وغیرہ زیادہ ہوں۔

نماز کا مقصد:

اور جتنی عبادتیں ہیں وہ بھی اللہ کی یاد کے لئے ہیں، جیسے نماز کے بارے میں اللہ پاک نے فرمایا: ”وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ“ (طٰہٰ: ۱۴) نماز کو قائم کرو میرے ذکر کیلئے اور میرے دھیان کیلئے، یعنی نماز سے یہ کیفیت پیدا کرلو کہ میں تمہیں یاد ہو جاؤں، اور ہر جگہ تم مجھ کو یاد رکھ سکو، اب آپ دیکھیں کہ اللہ کی یاد کتنی اہم چیز ہے! نماز جیسی عظیم عبادت بھی اس کی یاد دلانے کے لئے ہے۔ تو اطاعتِ الٰہی اصل ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تسبیح، تہلیل اور تحمید کو چھوڑ دیا جائے، وہ بھی بہت بڑی چیز ہے، بہت اہم چیز ہے، اس کے بھی بہت سے فوائد ہیں، اسی وجہ سے قرآن پاک میں اللہ پاک نے فرمایا: ”وَلَذِکْرُ اللہِ اَکْبَرُ“ (العنکبوت: ۴۵)

اور اللہ کی یاد اور اس کا ذکر بڑی چیز ہے۔

ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ پاگل کہنے لگیں:

حدیث پاک میں آتا ہے، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”أَكْثِرُوا ذِكْرَ اللّٰهِ حَتّٰى يَقُوْلُوا مَجْنُوْنٌ“ (مستدرک حاکم: کتاب الدعاء: ۱۸۳۹)

ذکر اتنا کثرت سے کرو کہ لوگ تمہیں پاگل کہیں، مطلب یہ ہے کہ ذکر کو اپنا مشغلہ بنالو، دیکھنے والے کہیں کہ یہ تو اس کا مشغلہ ہے، جس چیز کو آدمی کثرت سے کرنے لگتا ہے یا اس کا مشغلہ بنالیتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ فلاں اس چیز کا پاگل ہے، بعض لوگ کرکٹ کے پاگل ہوتے ہیں، رات اور دن اسی کی فکر پڑی رہتی ہے، اور راتوں میں خواب بھی اس طرح کے نظر آنے لگتے ہیں، کس نے کتنے چوکے مارے؟ کتنے چھکے مارے؟ کس نے کتنا اسکور کیا؟ کون ہارا؟ کون جیتا؟ اگر چہ کہ اس میں ان کا کچھ لینا دینا نہیں ہوتا، لیکن پوری فکر اور پورا وقت اسی میں صرف ہوتا ہے، ایسے ہی بعض لوگ گاڑیوں کے دیوانے ہوتے ہیں، کبھی یہ گاڑی خریدی، کبھی وہ گاڑی خریدی، کبھی اس کو بدلا، کبھی اس کو بدلا، یہ نیا ماڈل ہے، وہ پرانا ماڈل ہے، ایسے ہی کسی کو کھانے میں زیادہ دلچسپی ہوتی ہے، کس ہوٹل کا کھانا اچھا ہے؟ کہاں کہاں لذیذ کھانے ملتے ہیں؟ کیا کیا کھانے ملتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ، غرض کسی چیز کے ساتھ قلبی مشغولیت اور اس میں پوری توجہ اور اس میں وقت صرف کرنے کو پاگل اور جنون سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حدیث میں نبی علیہ السلام نے ذکر بھی اتنی ہی کثرت سے ذکر کا حکم دیا ہے۔

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”أَكْثِرُوا ذِكْرَ اللّٰهِ حَتّٰى يَقُوْلَ الْمُنَافِقُوْنَ: إِنَّكُمْ مُرَاءُوْنَ“ (شعب الایمان: العاشر من شعب الإیمان و هو باب في محبة الله عز و جل: ۵۲۷)

یعنی ذکر اللہ اتنی کثرت سے کرو کہ منافقین یہ کہنے لگیں کہ تم دکھاوا کر رہے ہو۔ یہ تو آپ نے امت کو ترغیب دی، اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بھی یہی تھا۔

ذکر اللہ اور حضور ﷺ کا معمول:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے بارے میں فرماتی ہیں:

''كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ أَحْيَانِهٖ'' (صحیح بخاری: کتاب الاذان، ۶۳۴)

''نبی ﷺ ہر وقت اللہ پاک کا ذکر کرتے تھے''

اس لئے چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر کرتے رہنا چاہئے، درود شریف ہے، استغفار ہے، کلمہ طیبہ ہے، تلاوتِ قرآن ہے، تسبیح ہے، تحمید ہے، تکبیر ہے، اسماء حسنیٰ ہے، غرض جو چاہے ذکر کیا جاسکتا ہے۔

زبان کے ایک بول کی اہمیت:

ہمارے لئے یہ کتنا آسان ہے! بس زبان کے ذریعہ اسے کرنا ہوتا ہے، اور زبان سے ذکر کرنے میں یہ سہولت ہے کہ اس میں وقت، انرجی اور طاقت کم استعمال ہوتی ہے اور کام زیادہ ہوتا ہے، مثلاً جب آدمی نکاح کرتا ہے، اور جب ولی کی طرف سے آفر ہوتا ہے کہ میں اپنی بچی کو اتنے مہر کے بدلے میں ان گواہوں کی موجودگی میں آپ کے نکاح میں دیا، تو وہ کہتا ہے: ''میں نے قبول کیا'' مرد کو کہنے میں کتنا وقت لگتا ہے؟ چند سیکنڈس کا کام ہے! لیکن اس عورت کے ساتھ اس کا زندگی بھر کا معاملہ ہوگیا، اب زندگی بھر اسے ساتھ رکھنا ہوتا ہے، اور زندگی بھر اس کے تمام حقوق ادا کرنے پڑتے ہیں، اور اتنا کہنے سے ایک حرام رشتہ ہمیشہ کے لئے حلال ہو جاتا ہے، ایسے ہی اگر مرد عورت کو طلاق دے دیتا ہے تو طلاق دینے میں کتنا وقت لگتا ہے؟ کتنی انرجی لگتی ہے؟ بس ایک لفظ سے ایک حلال رشتہ حرام میں بدل جاتا ہے، ایسے ہی آدمی بڑے بڑے بزنس زبان کے ایک بول کے ذریعہ انجام دیتا ہے، کسی نے کہا کہ میں نے یہ مکان فروخت کر دیا، میں نے یہ مکان خرید لیا، حالانکہ بعض مرتبہ خریدنے والے کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کی زندگی بھر کی پونجی ہوتی ہے، پوری عمر محنت کر کے دو ڈھائی لاکھ ڈالر کمایا وہ پورے اتنا کہنے سے کسی اور کے ہو جاتے ہیں، ایسے ہی ایک آدمی ستر ۷۰ سال تک غیر اللہ کی پوجا کرتا

ہے، اپنے معبود کی نافرمانی کرتا ہے، اور ستر سال نافرمانی کرنے کے بعد صرف ایک مرتبہ زبان سے کلمہ شہادت ادا کرتا ہے تو اس کے ستر سالہ کفر و شرک کے گناہ دھل جاتے ہیں، اور اس کی سابقہ زندگی بے غبار اور آئینہ کی طرح گناہوں سے صاف شفاف ہو جاتی ہے، حدیث میں ہے: ''أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ'' کہ اسلام پچھلے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے، اسلام لانے کے بعد کسی چیز کا مؤاخذہ نہیں، نہ نماز کا، نہ روزے کا، نہ زکوٰۃ کا، نہ حج کا۔

چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضاء ضروری ہے:

اسی پر قیاس کر کے بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو نمازیں چھوٹ جائیں ان کی قضا نہیں ہے، حالانکہ یہ غلط ہے، کیونکہ غیر مسلم اسلام سے پہلے احکام کا ذمہ دار نہیں ہوتا، جب تک وہ اسلام قبول نہیں کرتا اس سے صرف اسلام کا مطالبہ ہے، نماز، روزہ وغیرہ کا اس سے مطالبہ نہیں ہے، چونکہ اسلام سے پہلے وہ ان احکام کا مکلف نہیں ہوتا اس لئے اسلام کے بعد ان چیزوں کا اس سے مطالبہ بھی نہیں ہے، اور مسلمان کے ذمہ نماز، روزہ، زکوۃ اور حج فرض ہوتے ہیں، اس لئے ان کے چھوٹنے پر اس کی ادائیگی بھی مسلمان پر ضروری ہوتی ہے، جتنی نمازیں چھوٹ جائیں ان کی قضا ضروری ہے، جتنے روزے چھوٹ جائیں ان کی قضا ضروری ہے، جتنے سال کی زکوٰۃ ادا نہیں کی اتنی ادا کرنا ضروری ہے، یہی وجہ تھی کہ حضور پاک ﷺ کی ایک مرتبہ نماز فوت ہو گئی تو آپ نے اس کی قضا فرمائی، آپ کی نماز کہاں فوت ہوتی! وہ تو اللہ کی طرف سے فوت کروائی گئی تاکہ امت کو پتہ چلے کہ چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو پتہ ہے کہ ایسے بے ہودہ بھی اس امت میں پیدا ہونے والے ہیں جو چھوٹی ہوئی نمازوں کو معاف سمجھیں گے۔

تسبیح، تحمید اور تکبیر کی فضیلت:

بہر حال زبان میں کتنی نزاکت ہے، اور زبان کتنی اہمیت کی حامل ہے کہ اس کے ایک چھوٹے سے بول کی اہمیت کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے، ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

”سُبْحَانَ اللّٰهِ نِصْفُ الْمِيْزَانِ،وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ يَمْلَأُ الْمِيْزَانَ،وَاللّٰهُ اَكْبَرُ يَمْلَأُ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالاَرْضِ“ (سنن دارمی: باب ماجاء في الطهور: ۶۷۹)

سبحان اللہ آدھا ترازو بھر دیتا ہے، اور الحمد للہ مکمل ترازو بھر دیتا ہے، اور اللہ اکبر آسمان و زمین کے درمیان کو بھر دیتا ہے، دیکھنے میں تین چھوٹے بول ہیں، لیکن ان کا ثواب اور اجر کتنا بڑا ہے، چونکہ اس میں وقت نہیں لگتا، محنت نہیں لگتی، کہنے میں کوئی مشکل نہیں ہوتی اس لئے ہمارے پاس اس کی کوئی اہمیت نہیں، ہم سمجھتے ہیں کہ اس کا کچھ خاص فائدہ نہیں ہے، اس کا کوئی خاص نتیجہ نہیں ہے، لیکن اللہ کے ہاں اس کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔

ہمارے اعضاء ریموٹ کنٹرول کی طرح ہیں:

اس کو ایک حسی مثال سے یوں سمجھو کہ انسان کے جسم کی ایک ایک حرکت ریموٹ کنٹرول کے بٹن کی طرح ہے، جو بہت اسموت ہوتا ہے، چھوٹا سا بچہ بھی اس کو دبا سکتا ہے، جب آپ اس کو دبائیں گے تو بڑی بڑی مشنریاں چلنے لگتی ہیں، پوری کمپنی اس ایک بٹن کے دبانے سے حرکت میں آجاتی ہے، بچہ بھی اگر چاہے تو اس کو آن کر سکتا ہے، ہمارے جسم میں بھی یہ بٹن لگے ہوئے ہیں، ہماری آنکھ، ہماری زبان، ہمارے ہاتھ، ہمارے پیر ہمارا دل، ہمارا دماغ یہ سب بٹن ہیں، ان کا کام بہت ہلکا ہوتا ہے، لیکن نتیجہ اور ثمرہ بڑا ہوتا ہے، زبان کے بارے میں عربی زبان کا ایک مقولہ ہے، ”جِرْمُهٗ صَغِيْرٌ، جُرْمُهٗ كَبِيْرٌ“ اس کی جسامت بہت چھوٹی ہوتی ہے لیکن اس کا جُرم بڑا ہوتا ہے، اسی طرح ذکر اللہ بھی ہے، بس زبان سے ادا کرنا ہے، کہنے میں بھی آسان ہے، اور اس کو ادا کرنے میں کوئی دقت اور مشکل بھی نہیں ہوتی، لیکن اس کا ثواب بے انتہاء ہے۔

اس لئے اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہنا چاہیئے، بیٹھے ہوئے بھی، لیٹے ہوئے بھی، جلوت میں بھی، اور خلوت میں بھی، چلتے پھرتے بھی اور کام کاج کرتے ہوئے بھی، جیسا کہ صحابہ کے بارے میں اس سے قبل ایک جمعہ میں ذکر آیا تھا کہ بیع، تجارت و ملازمت اور دنیوی امور میں مشغولیت ان کو ذکر اللہ سے غافل نہیں کرتی تھی:

"رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ" (النور:۳۷)

(کچھ لوگ ایسے ہیں) جن کو اللہ کی یاد سے اور بالخصوص نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے نہ خرید غفلت میں ڈالتی ہے اور نہ فروخت۔

ذکر اللہ کے فوائد:

کثرتِ ذکر کے فوائد اور فضائل بہت ہیں، جن میں سے چند آپ نے سنے ہیں، ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ جب ہم اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو اللہ پاک ہمارا ذکر فرشتوں میں کرتے ہیں:

"مَنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِيْ نَفْسِيْ وَمَنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَأٍ ذَكَرْتُهٗ فِيْ مَلَأٍ خَيْرٍ مِنْ مَلَئِهٖ"

جو مجھے اپنے نفس میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے نفس میں یاد کرتا ہوں، اور جو مجھے مجلس میں یاد کرتا ہے تو میں اسے ایسی مجلس میں یاد کرتا ہوں جو اس کی مجلس سے بہتر ہوتی ہے"

اللہ پاک کا ہم کو اپنی مجلس میں یاد کرنا فرشتوں میں ہمارا ذکر کرنا ہمارے لئے بڑی فضیلت، بڑی خوش نصیبی اور سعادت کی بات ہے، اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے قربِ خداوندی بھی نصیب ہوتا ہے۔ اور اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کی برکت سے دنیوی امور بھی حل ہو جاتے ہیں۔ اور مصائب اور پریشانیوں کو اللہ پاک دور فرماتے ہیں۔

اعمال کا محاسبہ کریں:

یہ چند باتیں عمل اور ذکر سے متعلق عرض کی گئیں، جو جمعہ کے عربی خطبہ کا آخری جز ہے، جس کی ہر جمعہ خطیب تعلیم دیتا ہے اور لوگوں کو اس کی تلقین کرتا ہے۔ یہ مضامین آپ کو اس لئے سنائے گئے تاکہ جب خطیب خطبہ دے تو ہم ان مضامین کا استحضار کریں، اور عمل کا جذبہ لے کر اٹھیں، اور گذشتہ جمعہ سے اس جمعہ تک اس پر کتنا عمل ہوا اس پر غور کریں، اس کا مراقبہ کریں، کیونکہ مراقبہ سے احساس پیدا ہوتا ہے، اور احساس سے عمل آسان ہوتا ہے، اور ہماری زندگی کا مقصد عمل ہی ہے، اگر عمل ہی ہماری زندگی میں نہ آئے تو کیا فائدہ؟ اس لئے جو

کہا جاتا ہے اور جو سنا جاتا ہے اس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لیں، ذکر کا اہتمام کریں، صبح و شام کی تسبیحات اور درودِ شریف کا اہتمام کریں، استغفاراور کلمہ طیبہ کا اہتمام کریں، چوتھا کلمہ اور مسنون اذکار اور دعاؤں کا اہتمام کریں، اللہ پاک مجھے اور آپ کو صحیح علم اور عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔(آمین)

عید کا پیغام

افادات: حضرت مفتی شاہ محمد نوال الرحمن صاحب دامت برکاتہم
ترتیب و تخریج: مفتی محمد عطاء الرحمن ساجد قاسمی

بمقام مسجد نور شکاگو، شوال، ۱۴۲۶ھ۔

ناشر: شریعہ بورڈ آف انڈیا۔

عید کا پیغام:

نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِيْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَيْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ يُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِيْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَيْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا کَثِيْرًا کَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ۔

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

”شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ“ (البقرۃ:۱۸۵)

”(وہ تھوڑے دن) ماہ رمضان ہے جس میں قرآن مجید بھیجا گیا ہے، جس کا (ایک) وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لیے (ذریعہ) ہدایت ہے اور (دوسرا وصف) واضح الدلالۃ ہے منجملہ ان (کتب) کے جو (ذریعہ) ہدایت (بھی) ہیں اور (حق و باطل میں) فیصلہ کرنے والی (بھی) ہیں سو جو شخص اس ماہ میں موجود ہو اس کو ضرور اس میں روزہ رکھنا چاہیے سو جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا (اتنا ہی) شمار (کر کے ان میں روزہ) رکھنا (اس پر واجب) ہے اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ (احکام میں) آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ (احکام و قوانین مقرر کرنے میں) دشواری منظور نہیں اور تاکہ تم لوگ (ایام ادا یا قضا کی) شمار کی تکمیل کر لیا کرو (کہ ثواب

میں کمی نہ رہے) اور تاکہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی بزرگی (وثنا) بیان کیا کرو اس پر کہ تم کو (ایک ایسا) طریقہ بتلادیا (جس سے تم برکات و ثمراتِ صیامِ رمضان سے محروم نہ رہو گے) اور (عذر سے خاص رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت اس لیے دیدی) تاکہ تم لوگ (اس نعمت آسانی پر اللہ کا) شکر ادا کیا کرو"

عید کی حقیقت:

آج عید کا دن ہے، اللہ پاک سارے عالم کے مسلمانوں کیلئے عید کو مبارک فرمائے، اور سب کی عبادتوں کو قبول فرمائے، اور سب کی لغزشوں کو معاف فرمائے، اور صحیح معنیٰ میں عید کی خوشی ہم سب کو نصیب فرمائے، چونکہ مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے ایک عظیم الشان حکم یعنی ایک مہینے تک روزوں کا اہتمام کیا اور اس ایک مہینے کی راتوں میں جاگ جاگ کر اللہ کے کلام کو پڑھا اور سنا، اور نمازوں میں مشغول رہے، اس خوشی میں اللہ پاک نے مسلمانوں کے لئے عید مقرر کی، اور تمام مسلمانوں کو حکم دیا کہ ہماری بڑائی بیان کرتے کرتے ایک میدان میں جمع ہو جاؤ، اور شکرانہ کے طور پر دو رکعت ہمارے حضور ادا کرو، ہم تم کو اس ایک مہینے کی عبادت کرنے کا اجر دیں گے۔

گویا عید کی نماز ہم بطور شکرانہ بارگاہِ الٰہی میں ادا کرتے ہیں، اس سے ایک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اصل عید کسے کہتے ہیں؟ اصل عید اللہ کی بندگی کرنے اور اس بندگی پر اللہ کے خوش ہو جانے کا نام ہے، جو جتنا زیادہ بندگی کا حق ادا کرتا ہے اور جتنا زیادہ حضور ﷺ کی غلامی کا حق ادا کرتا ہے اور اس دنیا میں اپنے آپ کو پابند بناتا ہے، اور اپنے نفس پر آرے چلاتا ہے اور اپنی حسرتوں کو دفن کرتا ہے اور اپنی خواہشات کو قابو میں کرتا ہے اور نفس و شیطان کے کہنے میں نہیں آتا ہے تو اصل عید اسی کی ہوتی ہے۔

اصل غلام کون؟

اسی لئے اولیاء اللہ نے کہا ہے کہ سب سے بڑا غلام وہ ہوتا ہے جو نفس کا غلام ہوتا ہے، اور سب سے آزاد وہ ہوتا ہے جو نفس کی غلامی سے آزاد ہوتا ہے، کیونکہ نفس میں شر ہوتا ہے، نفس برائی کا حکم دیتا ہے، قرآن مجید میں اللہ پاک نے فرمایا:

”إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ إِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ“ (یوسف:۵۳)

”(کیونکہ) نفس تو (ہر ایک کا) بری ہی بات بتلاتا ہے بجز (اس نفس کے) جس پر میرا رب رحم کرے، بلاشبہ میرا رب بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے“

عجیب بات ہے کہ اسی نفس کی وجہ سے ہی انسان ترقی کرتا ہے، یہی تقویٰ کا حمام ہے، یہی تقویٰ کو گرم کرنے والا ہے، یہی فرشتوں سے آگے بڑھانے والا ہے، اسی کے ذریعہ آدمی آگے بڑھتا چلا جاتا ہے، اگر نفس ہی نہ ہوتا تو ہم میں اور فرشتوں میں کیا فرق ہوتا؟ ہمیشہ ہم بھی نماز ہی پڑھتے رہتے، چونکہ فرشتوں کے پاس نفس نہیں ہے، کوئی ان کو بہکانے والا نہیں ہے، کوئی ان کو گمراہ کرنے والا نہیں ہے، اس لئے سالہا سال سے وہ تسبیح پڑھ رہے ہیں، نماز پڑھ رہے ہیں، ہر فرشتہ ایک خاص عبادت میں لگا ہوا ہے، اور قیامت تک رہے گا، لیکن انسان کے ساتھ نفس بھی لگا ہوا ہے، اور شیطان بھی لگا ہوا ہے، جو اس کو برائی کا حکم دیتے ہیں، وسوسے ڈالتے رہتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ بھلائی سے دور ہو جاتا ہے، اگر وہ ان وساوس کی طرف توجہ نہ دے، اور ان کے پھسلاوے میں نہ آئے اور ان پر کنٹرول کرے اور شریعت پر چلتا رہے تو اس کا مقام اور مرتبہ بھی فرشتوں سے بڑھ جاتا ہے۔ اللہ کے ہاں وہ مقرب ہوتا رہتا ہے، رمضان کے روزے اللہ پاک نے اس نفس کو قابو میں کرنے کے لئے ہی دیئے ہیں، اس نفس میں خوفِ خدا پیدا کرنے کے لئے دیئے ہیں۔

”يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ“ (البقرۃ:۱۸۳)

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے (امتوں کے) لوگوں پر فرض کئے گئے تھے اس توقع پر کہ تم (ان کی بدولت رفتہ رفتہ) متقی بن جاؤ۔

عید وعید سے بچنے کا نام ہے:

غرض میرے دوستو! عید نئے کپڑے پہننے کا نام نہیں ہے، بلکہ عید وعید سے بچ جانے کا نام ہے، ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ اَنْ يُغْفَرَ لَه" (سنن ترمذی: کتاب الدعوات: ۳۸۹۰)

کہ جو رمضان کے مہینے کو پائے اور اس میں اللہ کی عبادت کر کے اور اللہ سے توبہ اور استغفار کر کے اپنے آپ کی مغفرت نہ کروالے اس پر لعنت ہے، اس سے پتہ چلا کہ رمضان کا اصل مقصد اللہ سے اپنی مغفرت کروالینا اور اس وعید سے بچ جانا ہے، اسی وجہ سے کسی کہنے والے نے کہا ہے:

"لَيْسَ الْعِيْدُ لِمَنْ لَبِسَ الْجَدِيْدَ اِنَّمَا الْعِيْدُ لِمَنْ اَمِنَ الْوَعِيْدَ" (مرقاۃ المفاتیح: ۵/۱۲۳)

عید اس کی نہیں ہوتی ہے جو نئے کپڑے پہن لے، بلکہ عید اس کی ہوتی ہے جو اس وعید سے بچ جائے۔

اور اس عید کا اصل مظہر قیامت کا دن ہے، جس کی دنیا کی یہ عید قبول ہو گئی تو کل کے دن وہاں بھی اس کی عید ہو گی، وہاں خوشیاں ہی خوشیاں ہوں گی، مسرتیں ہی مسرتیں ہوں گیں، ہر ایک کی طرف سے خوش آمدید ہو گی، اللہ رب العلمین کی طرف سے سلام پیش کیا جائے گا:

"سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ" (یس: ۵۸)

ان کو پروردگار کی طرف سے سلام فرمایا جاوے گا۔

وہاں کی خوشی اصل عید ہو گی، وہاں کی عزت اصل عزت ہو گی، وہاں کی ذلت اصل ذلت ہو گی، جو آدمی اس دن عزت پا گیا وہ عزت والا ہے، اور جو اس دن ذلیل ہو گیا اس سے بڑا کوئی ذلیل نہیں ہو گا۔

آخرت کی ذلت سے پناہ مانگیں:

اسی لئے حضور اکرم ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ قیامت کے دن ذلیل مت فرمایئے، قرآن پاک میں اس دعا کا ذکر ہے:

"رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ" (آل عمران: ۱۹۴)

"اے ہمارے پروردگار! اور ہم کو وہ چیز بھی دیجئے، جس کا ہم سے اپنے پیغمبروں کی معرفت آپ نے وعدہ فرمایا ہے اور ہم کو قیامت کے روز رسوا نہ کیجیے، یقیناً آپ وعدہ خلافی نہیں کرتے"

کیونکہ وہاں کی ذلت سب سے خطرناک ذلت ہے، اور وہاں کی عزت سب سے بڑی عزت ہے، اس ذلت سے بچنے اور اس عزت کے حاصل کرنے کی دعا کر رہے ہیں، یہ عزت آدمی کو ملتی ہے اللہ پاک کی بندگی پر، دین اسلام پر جم جانے پر، دین کے احکام پر عمل کرنے پر، ہماری ترقی، ہماری کامیابی، ہمارا کمال سب اسی میں مضمر ہے، اس پر عمل پیرا ہو جاؤ، دین میں بھی کامیابی ملے گی، اور دنیا میں بھی کامیابی ملے گی، دین میں بھی عزت ملے گی اور دنیا میں بھی عزت ملے گی، دین میں بھی سربلندی اور ترقی ملے گی، اور دنیا میں بھی سربلندی اور ترقی ملے گی۔ غرض حقیقی عید اسی شخص کی ہوگی جس کا رمضان قبول ہو گیا، جس کے گناہ معاف ہو گئے، جس کو رمضان میں عبادتوں کی توفیق ملی، اس آیت میں ایک حکم اللہ پاک نے روزوں سے متعلق بیان کیا ہے، جس کی تکمیل پر عید کی خوشخبری سنائی گئی۔

احکامِ الٰہی یسر پر مبنی ہیں:

اس کے بعد اللہ پاک نے فرمایا:

”یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ“

اللہ تمہارے لئے یہ چاہتا ہے کہ تمہارے لئے آسانی ہو، اور تم پر تنگی نہ ہو، سوال یہ ہوتا ہے کہ اللہ نے روزے بھی فرض فرمائے ہیں اور پھر یہ بھی فرما رہے ہیں کہ اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے، حالانکہ اس میں آسانی کہاں ہے؟ صبح سے شام تک کھانے سے پینے سے رکنا کیا آسان ہے؟ بھوک لگ رہی ہے لیکن کھا نہیں سکتے، پیاس لگ رہی ہے لیکن پی نہیں سکتے، کیا یہ آسانی ہے؟ پھر رات میں ۲۰ رکعت نماز ادا کرنا کیا آسان ہے؟ بظاہر یہ عبادات مشکل لگتی ہیں، لیکن اللہ پاک فرما رہے ہیں کہ اس میں آسانی ہے، وہ کیسے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آسانی اس معنیٰ کر ہے کہ یہ احکام سب کے لئے ہیں، اور جب کوئی مشکل کام سب کے سپرد کر دیا جائے تو وہ مشکل کام بھی آسان ہو جاتا ہے، اور یہاں یہ حکم سب کے لئے ہے، اور سب اس کو انجام دیتے ہیں

اس لئے یہ مشکل نہیں ہے۔ایک عربی مقولہ ہے:"اَلْبَلَاءُ اِذَا عَمَّتْ طَابَتْ" کہ مصیبت جب عام ہو جاتی ہے،سب اس میں مبتلا ہوتے ہیں تو اچھی لگتی ہے،یعنی اس کو جھیلنا آسان ہو جاتا ہے،اگر کوئی رمضان کے علاوہ دوسرے دنوں میں روزہ رکھے تو اس سے پوچھو کہ اس کے لئے روزہ رکھنا کتنا مشکل ہوتا ہے،لیکن رمضان میں بہ آسانی بشاشت کے ساتھ لوگ روزہ رکھ لیتے ہیں،اس اعتبار سے اللہ پاک نے فرمایا کہ اس حکم میں تمہارے لئے آسانی ہے،یا چونکہ ہم کو عادت نہیں ہے،یا حق تعالیٰ سے جیسی محبت ہونی چاہیے اور ہمارے قلوب میں ان کی جیسی عظمت ہونی چاہئے ویسی نہیں ہے اس لئے ان کا یہ حکم ہم کو گراں گزرتا ہے۔ورنہ اگر محبت ہو تو پھر مشکل سے مشکل کام بھی آسان بلکہ مزے دار معلوم ہوتا ہے۔

عذر کی بنیاد پر روزہ چھوڑنا بھی یسر میں داخل ہے:

دوسری بات یہ ہے کہ آسانی اس اعتبار سے بھی ہے کہ اللہ پاک نے روزے تو فرض فرمادئے،لیکن کوئی مریض ہے یا مسافر ہے تو اس کو رخصت بھی دے دی کہ وہ اس وقت تو روزے چھوڑ دے،لیکن بعد میں اس کی قضا کرلے،شریعت کے اس حکم میں ہمارے لئے آسانی ہے،اگر حکم یہ ہوتا کہ مریض ہو یا مسافر ہو روزہ رکھ سکتا ہو یا نہ رکھ سکتا ہو ہر ایک کے لئے روزہ رکھنا ہی ضروری ہے تو امت کے لئے بڑی مشکل ہو جاتی،لیکن اللہ پاک نے رخصت دے دی کہ اگر بیماری کی وجہ سے روزہ نہیں رکھا جا سکتا،یا سفر میں ہونے کی وجہ سے روزہ رکھنا مشکل ہے تو مت رکھو بعد میں قضا کرلینا،یہ بہت بڑی آسانی ہے،اس لئے فرمایا کہ اللہ پاک تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے،تنگی نہیں چاہتا۔

روزوں کی تعداد اور وقت کا تعین بھی یسر ہے:

تیسرے آسانی اس معنیٰ کے اعتبار سے بھی ہے کہ اللہ پاک ہمارے مزاج کو اور اس کی خصوصیات کو جانتے ہیں،اور پھر اس امت میں اعتدال بھی ہے،اس اعتبار سے روزوں کی تعداد

کو اور ان کے وقت کو اللہ پاک نے متعین کر دیا کہ اتنے روزے رکھنے ہیں اور ان دنوں میں رکھنے ہیں، اور وہ رمضان کے دن ہیں، اگر روزوں کی تعداد متعین نہ ہوتی اور ان کا وقت متعین نہ ہوتا تو روزے رکھنا بڑا مشکل ہو جاتا کہ کتنے روزے رکھیں؟ اور کب رکھیں؟ اور پھر وقت اور تعداد متعین نہ ہوتی تو شریعت کے اس حکم میں تساہل ہوتا، اور اس کی وقعت اور عظمت ہمارے دلوں میں کم ہو جاتی، اس لئے روزوں کی تعداد کی وجہ سے اور ان کے وقت کی تعیین کی وجہ سے ہمارے لئے بہت آسانی کر دی گئی۔

رمضان کی تکمیل بھی نعمتِ خداوندی ہے:

غرض رمضان کا مہینہ ہمارے لئے خوشی کا مہینہ ہے، اس میں عبادت ہمارے لئے خوشی کا سبب ہے، اور اس میں عبادت ہی کہ وجہ سے ہمیں عید کی خوشی اور عید کی فرحت ملتی ہے، جیسے اس کا آنا ہمارے لئے بہت بڑی نعمت ہے، ایسے ہی اس مہینہ کا مکمل ہو جانا بھی بہت بڑی نعمت ہے، کیونکہ اس مہینے میں عبادت کی ذمہ داری اللہ پاک نے ہم پر ڈالی ہے، اگر ہماری وہ ذمہ داری ختم ہی نہیں ہوتی تو ہم بے اطمینانی میں مبتلا رہتے، اور چونکہ یہ حکم دیگر احکام کی بہ نسبت کچھ مشکل بھی ہے، اس لئے اس کو مسلسل ادا کرنا بھی ہمارے لئے مشکل ہوتا، جب ایک مہینہ اس کا وقت متعین کر دیا گیا تو ایک مہینہ عبادت کرنے کے بعد ایک اطمینان اور تسلی ہو جاتی ہے اور ایک خوشی حاصل ہوتی ہے جس کا احادیث میں ذکر کیا گیا:

"لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ حِيْنَ يُفْطِرُ وَ فَرْحَةٌ حِيْنَ يَلْقٰى رَبَّهٗ" (صحیح بخاری: ۷۴۹۲)

روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہوتی ہیں، ایک افطار کے وقت اور ایک رب سے ملاقات کے وقت، افطار کے وقت خوشی کے دو مطلب ہیں، ان میں سے ایک مطلب یہ ہے کہ جب رمضان کا مہینہ ختم ہو کر شوال کا مہینہ شروع ہو جائے تو اس وقت یہ خوشی ہم کو ملتی ہے، اور اس وقت فرحت ملتی ہے، اگر اللہ پاک اس کی تحدید نہ کرتے تو یہ خوشی کیسے حاصل ہوتی؟ یہ فرحت

کیسے حاصل ہوتی؟ یہ اطمینان اور تسلی کیسے حاصل ہوتی؟ اس لئے اس ماہ مبارک کی تکمیل بھی حق تعالیٰ کی جانب سے ایک نعمت ہے، اور ہمارے لئے بڑی خوشی اور فرحت کا باعث ہے۔

روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کا مدار رؤیت ہلال پر ہے:

اس کے بعد فرمایا: ”وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ“

کہ اگر کسی کے بیماری کی وجہ سے یا سفر میں ہونے کی وجہ سے روزے چھوٹ جائیں تو وہ ان کو گن کر مکمل کرلے، جتنے دن کا مہینہ ہے اس اعتبار سے اتنے دنوں کے روزوں کی قضا کرلے۔ ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اگر ۲۹ تاریخ کو چاند نظر آئے تو ٹھیک ہے مہینہ ۲۹ کا ہوگا، اور اگر ۲۹ تاریخ کو چاند نظر نہ آئے تو مہینہ ۳۰ دن کا ہوگا، اس وقت ۳۰ دن مکمل گن کر روزے رکھے جائیں، کیونکہ قمری مہینہ اٹھائیس یا اکتیس دن کا نہیں ہوتا، مہینوں میں تخمینے کا حکم نہیں ہے، حساب سے اور اندازے سے مہینے کی تعداد متعین نہیں کی جاسکتی، چاند اگر انتیس (۲۹) کو نظر آئے تو مہینہ ختم ہوجائے گا، اور اگر چاند نظر نہ آئے تو تیس (۳۰) دن مکمل کرنا ہوگا، حسابات کی روشنی میں انتیس (۲۹) دن کا مہینہ قرار دینا صحیح نہیں ہے، اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں تو ان کا کچھ اعتبار بھی نہیں کیا جائے گا۔

اور پھر یہ اللہ پاک کی مہربانی ہے کہ مہینہ چاہے تیس (۳۰) دن کا ہو چاہے انتیس (۲۹) دن کا، ثواب پورے ۳۰ دن کا ملے گا۔ (تفسیرِ قرطبی: ۲/۲۹۳)

یہ بھی عجیب بلکہ خوشی کی بات ہے کہ اس مرتبہ جو عید ہے وہ ہمارے شکاگو کے عینی شاہدین کی بیس (Base) پر ہے، کہیں سے کوئی انفارمیشن نہیں ملی، اس لئے اس دفعہ تفرقہ بازی اور دو ٹکروں میں تقسیم ہو کر عید نہیں منائی جارہی ہے، یہاں امت کا ایک ایسا طبقہ پایا جاتا ہے جو اپنی ہلال کمیٹی کی اتباع کے بجائے دوسرے ممالک کی اتباع کرتا ہے، اور اس میں کیا خرابیاں ہیں اس سے پہلے میں نے ذکر کیا تھا، لیکن اللہ پاک نے اس مرتبہ اس تفرقہ سے ہم کو دور رکھا۔

عید کے دن تکبیرات کا اہتمام کریں:

آیتِ مبارکہ میں ایک حکم یہ ارشاد فرمایا:

"وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدَاکُمْ"

کہ اللہ پاک نے جو ہدایت دی اس بنیاد پر اللہ کی بڑائی بیان کرو۔

یہاں بڑائی کرنے سے مراد عید کے دن اللہ کی بڑائی بیان کرنا مقصود ہے، صاحب روح المعانی نے لکھا ہے: "اَلْمُرَادُ بِہِ التَّکْبِیْرُ یَوْمَ الْعِیْدِ" (روح المعانی: ۲/۱۳۰)

ہم جو عید کی نماز پڑھتے ہیں اس میں بھی اللہ پاک ہی کی بڑائی بیان کی جاتی ہے خاص طور پر اس میں کچھ تکبیرات کا اضافہ کیا جاتا ہے، ہمارے نزدیک چھ تکبیرات زائد ہوتے ہیں، پہلی رکعت میں تین اور دوسری رکعت میں تین، پہلی رکعت میں تین تکبیرات قرأت سے پہلے ہوتی ہیں، اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے۔

اور یہ تکبیرات اور بڑائی کا اظہار صرف نماز کی حد تک خاص نہیں ہے، بلکہ یہ تکبیرات عیدین کے خطبوں میں بھی پڑھنے کا حکم ہے، اور خطبوں کے علاوہ عید کی نماز کیلئے آتے اور جاتے وقت بھی پڑھنے کا حکم ہے۔ البتہ عید الاضحیٰ میں تکبیرات کا زور سے کہنا مسنون ہے، بازاروں میں، گلی کوچہ میں مسلمان زور زور سے اللہ اکبر کہیں، اور عید الفطر کے موقع پر آہستہ کہیں۔

تکبیرات کا حکم کیوں؟

سوال یہ ہے کہ اللہ کی بڑائی کیوں کی جائے؟ وہ اس لئے کہ اللہ نے ہدایت سے نوازا، کس چیز کی ہدایت سے نوازا؟ وہ ہدایت ہے احکامِ الٰہی پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت، اللہ کے منشا کے مطابق اور حضور پاک ﷺ کی تعلیمات کے مطابق چلنے کی ہدایت، بالخصوص روزوں کی ادائیگی کی ہدایت، قرآنِ پاک اور ذکر و اوراد کی ہدایت، تراویح اور تہجد کی ہدایت، یہ بہت بڑی نعمت ہے کہ ہم کو ان کی ہدایت ملی اور اس کی توفیق ملی، اس بنیاد پر اللہ پاک حکم دے رہے ہیں کہ میری بڑائی بیان کرو۔

توفیقِ الٰہی سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں:

کیونکہ دنیا میں اس توفیق کے مل جانے سے بڑی کوئی نعمت نہیں ہے، کوئی بادشاہت اس سے بڑی نہیں ہے، کوئی وزارت کا عہدہ اس سے بڑا نہیں ہے، دنیا بھر کا مال اگر کسی کو مل جائے تو اس توفیق کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اگر اللہ پاک کی جانب سے ہدایت اور رہنمائی نہیں ملتی تو ہم کیسے اس کی عبادت کرتے؟ اسی وجہ سے حضور ﷺ نے فرمایا:

"وَاللهِ لَوْلاَ اللهُ مَا اهْتَدَيْنَا، وَلاَ صُمْنَا وَلاَ صَلَّيْنَا، فَأَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا، وَثَبِّتِ الأَقْدَامَ إِنْ لاَقَيْنَا، وَالْمُشْرِكُوْنَ قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا، إِذَا أَرَادُوْا فِتْنَةً أَبَيْنَا" (صحیح بخاری: کتاب القدر، ۶۶۲۰)

اللہ کی قسم اگر اللہ پاک کی ہدایت نہ ہوتی تو ہم ہدایت یافتہ نہ ہوتے، نہ روزہ رکھتے اور نہ نماز پڑھتے، اے اللہ! ہم پر سکینہ نازل فرما، اور دشمنوں سے مڈبھیڑ کے وقت ہم کو ثابت قدم رکھ، اور مشرکین نے ہم پر چڑھائی کی ہے، اور جب بھی انہوں نے فتنہ کا ارادہ کیا تو ہم نے انکار کیا۔

محض علم کافی نہیں:

اگر احکام شرع ہم کو معلوم ہوں لیکن عمل کی توفیق نہ ہو تو کیا فائدہ؟ صرف معلوم ہو جانے سے کام نہیں چلے گا، بلکہ معلوم ہونے کے بعد اس پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے، جیسے ڈاکٹر سے کسی نے مرض کی تشخیص کرواکے دوا لکھوالی، لیکن دوا لاتا ہی نہیں، یا لاتا تو ہے لیکن کھاتا نہیں تو اس سے کیا فائدہ ہوگا؟ ظاہر ہے کہ کچھ فائدہ نہ ہوگا، دوا کا علم ہونا الگ چیز ہے اور اس کو استعمال کرنا الگ چیز ہے، ایسے ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کا معلوم ہو جانا الگ چیز ہے اور اللہ پاک کے احکام پر عمل پیرا ہونا الگ چیز ہے، محض علم سے کام نہیں چلتا، بلکہ عمل اس کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

عمل کے بعد اس کی حفاظت بھی ضروری ہے:

پھر محض عمل بھی کافی نہیں ہوتا، بلکہ عمل کے بعد اس کی حفاظت بھی ضروری ہوتی ہے، اس کو ضائع ہونے سے بچانا بھی ضروری ہوتا ہے، اگر ہم عمل تو کریں لیکن گناہ کرکے یا کسی

دوسرے اسباب کی بنیاد پر اس عمل کو ضائع کردیں تو پھر اس کا کوئی فائدہ نہیں، اس لئے اس عمل کو محفوظ رکھنا اور اس کو بچانا بھی ضروری ہوتا ہے، بہت سے لوگ دنیا کماتے ہیں، پھر جوئے خانے میں بیٹھ کر اپنی ساری کمائی گنوادیتے ہیں، اس کمائی کا کیا فائدہ؟ اس لئے میرے دوستو! اللہ پاک نے ہم کو اس رمضان میں جن اعمال کی توفیق دی ہے، اور جن نیکیوں کی توفیق دی ہے وہ اللہ پاک کی طرف سے بہت بڑی نعمت ہے، اس نعمت کی حفاظت کریں، گناہ کرکے ان کو ضائع نہ کریں، عجب، فخر اور غرور میں مبتلا ہوکر ان کو ضائع نہ کریں، اور اس بنیاد پر اللہ پاک کا شکر ادا کریں، اور اس کی بڑائی بیان کریں۔

مسلم اور غیر مسلم کی عید:

اور اس بڑائی بیان کرنے اور اس کے شکر کرنے کی صورت عید کی نماز ہے، ہماری عید بھی در اصل اللہ کی یاد کا نام ہے، اس کی بڑائی بیان کرنے کا نام ہے، اس کے سامنے گڑگڑانے کا نام ہے، اس کے سامنے سجدہ ریز ہوجانے کا نام ہے، اس سے مانگنے کا نام ہے، عید میں بھی اللہ پاک نے ہم کو آزاد نہیں رکھا کہ جو چاہے کرلیں، بلکہ اپنی بڑائی بیان کرنے کو ہماری عید اور خوشی قرار دیا، غیروں کی عید کو دیکھیں کہ کہیں بھجن بج رہا ہے، کہیں ناچ گانا اور بے ہودہ حرکتیں چل رہی ہیں، کہیں رنگ رلیاں اور مستیاں چل رہی ہیں، کہیں فحاشی وعریانیت چل رہی ہے، کہیں رنگ پھینکا جارہا ہے، کہیں معبودوں کی عبادت کے بجائے انہیں کو پانی میں پھینکا جارہا ہے اور اس کو گالیاں دی جارہی ہیں، کہیں پٹاخے پھوڑے جارہے ہیں، کسی کا جسم جل رہا ہے، کسی کا ہاتھ جل رہا ہے، کسی کی جلنے سے موت ہورہی ہے، آنے جانے والوں کو اس سے تکلیف ہورہی ہے، اور ان کی آوازوں سے ایک شور مچا ہوا ہے، بچے اور بوڑھے پریشان ہورہے ہیں، کیا عید اس بیہودہ پن، ننگے پن، گالی گلوچ اور دوسروں کی ایذا رسانی کا نام ہے، گویا ان کی عید دوسروں کی ایذاءرسانی کا نام ہے؟ اسلام کی عید دیکھیں کتنی سیدھی سادھی ہے؟ بلکہ اس عید کو دیکھ کر

غیر بھی خوش ہوتے ہیں، ہم اپنے ملک میں غیر مسلموں کے تہواروں کو دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ عید میں بھی ہم پر اللہ کی کتنی مہربانی ہے؟

شکر کس چیز کا ادا کریں؟

"وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ"

"تاکہ تم لوگ (اس نعمتِ آسانی پر اللہ کا) شکر ادا کیا کرو"

یعنی اللہ نے تم پر روزے فرض فرمائے جو رفع درجات کا سبب ہیں، اس لئے اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئیے، یا پھر اگر کوئی مریض ہے، یا مسافر ہے اور روزہ رکھنا دشوار ہے تو شریعت میں اس کی بھی اجازت ہے کہ اس وقت روزہ نہ رکھے، بعد میں اس کی قضاء کرلے۔ تو اللہ کی طرف سے یہ رخصت بھی بڑی نعمت ہے، اس لئے اس پر شکر ادا کرنا چاہئے۔

شکر کی دو صورتیں:

یہ شکر مالی بھی ہوتا ہے اور بدنی بھی، مالی شکر یہ ہے کہ غرباء فقراء اور مساکین میں مال صدقہ کردیا جائے، اور صدقہ ٔفطر ادا کیا جائے، جس کی وجہ سے ہماری عبادتوں میں جو کوتاہیاں ہوئی ہیں ان کی تلافی ہوجائے، اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں نذرانہ بھی ہوجائے، اور فقراء اور مساکین کی مدد بھی ہوجائے۔

صدقہ ٔفطر کس پر واجب ہے؟

شکر کی دوسری صورت یہ ہے کہ بارگاہ رب العزت میں دو رکعت ادا کی جائے، جس کو ہم صلاۃ الفطر کہتے ہیں، یہ نماز اصل میں بدنی شکرانہ ہے، اور مالی شکرانہ صدقۃ الفطر ہے، اور یہ شکرانہ اپنی طرف سے بھی ادا کرنا ضروری ہے اور اپنے چھوٹے بچوں کی جانب سے بھی ادا کرنا ضروری ہے۔ بالغ اولاد کا یا صاحبِ نصاب بیوی کا صدقہ ٔفطر ان پر واجب ہوگا باپ یا شوہر پر واجب نہیں ہوگا، لیکن اگر باپ یا شوہر تبرعا ان کی جانب سے ادا کردے تو ادا ہوجائے گا۔

زکوۃ اور صدقۂ فطر کا نصاب:

لیکن یہ بات بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ صدقۂ فطر کے واجب ہونے لئے بھی صاحب نصاب ہونا ضروری ہے، جیسے زکوۃ کی ادائیگی کے لئے صاحبِ نصاب ہونا ضروری ہے، اسی طرح صدقۂ فطر کے لئے بھی نصاب کے بقدر مال کا مالک ہونا ضروری ہے، اور سونے کا نصاب عربی اوزان کے اعتبار سے بیس مثقال ہے، اور چاندی کا دوسو درہم ہے، اور موجودہ زمانے میں تولوں کے اعتبار سے ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی اور گراموں کے اعتبار سے ۸۷؍ گرام اور ۴۸۰ ملی گرام، سونا، اور ۶۱۲ ؍ گرام اور ۳۸۰؍ ملی گرام چاندی ہے، اگر کسی کے پاس سونا چاندی نصاب کو نہیں پہنچ رہے ہوں تو دونوں کو ملا کر قیمت لگائی جائے گی، اگر دونوں کی قیمت مل کر سونے یا چاندی کے کسی نصاب کو پہنچ جائے تو زکوۃ واجب ہو جائے گی، تو جیسے زکوۃ واجب ہونے کے لئے اتنی مقدار کا مالک ہونا ضروری ہے، ایسے ہی صدقۂ فطر کے لئے بھی اتنی مقدار کا مالک ہونا ضروری ہے، البتہ زکوۃ اور صدقۂ فطر میں کچھ فرق ہے، صدقۂ فطر میں مالِ نامی کا ہونا ضروری نہیں ہے، اگر کسی کے پاس ضروریات سے زائد اتنا مال ہو چاہے پیسے ہوں، کتابیں ہوں، یا زائد کپڑے ہوں یا اس جیسی دوسری غیر ضروری چیزیں ہوں اور ان کی مجموعی رقم شرعی نصاب (جو اوپر مذکور ہے) کو پہنچ جائے تو اس پر بھی صدقۂ فطر واجب ہو جائے گا۔ لیکن زکوۃ واجب نہیں ہو گی۔

صدقۂ فطر کتنا ادا کیا جائے؟

ایک فرد کا صدقۂ فطر ایک صاع کھجور یا کشمش یا جو، یا نصف صاع گیہوں ہے، اور موجودہ زمانے کے اعتبار سے نصف صاع کی مقدار ایک کلو، ۵۷۴ گرام، اور ۶۴۰ ملی گرام ہوتی ہے، یا تو اتنی مقدار گیہوں دیدیں، یا اس کی قیمت دیدیں، احتیاطاً عام طور پر پونے دو کلو گیہوں یا اس کی قیمت بتلاتے ہیں، ہمارے اعتبار سے اس کے کم وبیش پانچ ڈالر ہوتے ہیں،، اگر چیکہ یہ بہت کم

لگتے ہیں، اور بعض لوگ کہتے بھی ہیں کہ یہ بہت کم ہیں، اگر آپ کو کم لگ رہے ہیں تو زیادہ دے دیں، تاکہ غریب کے لئے کچھ اور وسعت ہوجائے، لیکن یہ ضروری ہے کہ شریعت کی جو لمٹ ہے اس میں کمی نہ آنے پائے۔

غیر منصوص اشیاء کے صدقۂ فطر کا حکم؟

اگر گیہوں کے علاوہ دوسری غیر منصوص چیزوں کے ذریعہ صدقۂ فطر ادا کر رہے ہیں تب بھی نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو یعنی پونے دو کلو گیہوں وغیرہ کی قیمت میں جو چیز جتنی آئے اس کو لے کر صدقہ کر دیا جائے۔ اس غیر منصوص چیز کے پونے دو کلو ہونے کا یا اس کی قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا۔ (درمختار: ۲/ ۳۶۴)

صدقۂ فطر اتنا کم کیوں؟

اب سوال یہ ہے کہ یہ اتنا کم کیوں ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اللہ پاک ہی کو معلوم ہے دوسری بات یہ ہے کہ اللہ پاک اس میں بندوں پر شفقت چاہتے ہیں کہ کچھ مالی خرچ کروا کر ان کی عبادت کو صاف ستھرا کر دیا جائے، اور اس کو ڈیکوریٹ کر دیا جائے، اور یہ بھی خالص اللہ کی مہربانی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ ہم نے جو مہینہ بھر عبادت کی ہے، ظاہر ہے کہ اس میں کچھ کوتاہیاں ہو جاتی ہیں، اور کچھ خامیاں رہ جاتی ہیں، اور ان کی تلافی کی اور ان کو صاف ستھرا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ امیر ہوں یا غریب سب نے اس فریضہ کو انجام دیا ہے، اور سب کو اپنی کوتاہیاں دور کرنے کی ضرورت ہے، اگر زیادہ مقدار متعین کر دی جاتی تو غرباء اس کو ادا نہ کر پاتے، اس لئے تھوڑی سی مقدار متعین کر دی، تاکہ سب اس کو ادا کر سکیں، امیر بھی اور غریب بھی، اور کسی پر بوجھ بھی نہ ہو، اور سب کی عبادتوں کی تطہیر بھی ہو جائے۔

نیز اس کا ایک مقصد غرباء اور فقراء کی مدد اور نصرت بھی ہے، اور جو غریب اپنی غربت کی بنیاد پر عید کی خوشی میں شامل نہ ہوسکتے ہوں تو ان کی کچھ مدد بھی ہو جائے جس سے ان کا

چولہا جل جائے اور اپنے لئے وہ کچھ انتظام کرلیں، اس لئے ایک مختصر سی مقدار متعین کی، تاکہ دینے والے کو بھی حرج نہ ہو اور غریب کی ضرورت بھی پوری ہو جائے، اور عید کی خوشیوں میں وہ بھی شریک ہو جائے۔

صدقۂ فطر کب واجب ہوتا ہے؟

ایک مسئلہ یہ ہے کہ صدقۂ فطر کب واجب ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عید کے دن صبح صادق کے ہوتے ہی صدقۂ فطر واجب ہو جاتا ہے، اور بہتر یہ ہے کہ عید کی نماز ادا کرنے سے قبل ہی اس کو ادا کردیں، اور رمضان میں دینا بھی صحیح ہے، لیکن اگر کوئی رمضان میں یا عید سے قبل اس کو ادا نہ کیا ہو تو عید کے بعد اس کو ادا کردے۔ عید گزرنے سے وہ ساقط نہیں ہوگا۔

زکوۃ اور صدقات کا اولین مصرف:

اور اس کو خرچ کرنے میں اولاً اپنے خاندان کے غریب رشتہ داروں کو ترجیح دے، اس کے بعد غیروں میں اس کو تقسیم کرے، بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہاں زکوۃ و صدقات کا مصرف نہیں ہے، حالاں کہ یہاں بھی اس کا مصرف ہے، جو آدمی صاحبِ نصاب نہیں ہے، یا مقروض ہے، یا بیمار ہے یا اسٹوڈنٹ ہے اور فیس کی ادائیگی کے لئے پیسے نہیں ہیں اس قسم کے سب لوگ اس کا مصرف ہیں، یہ اور بات ہے کہ کچھ لوگ اس کو لینا پسند نہیں کرتے ہیں، غرض اس کا اولین مصرف رشتہ دار ہوتے ہیں، اس کے بعد دوسرے لوگ اس کے حق دار ہوتے ہیں۔

صدقۂ فطر کی ادائیگی میں غریب کا احترام ملحوظ رکھیں:

صدقہ فطر کی ادائیگی میں ایک بات یہ ذہن میں رکھیں کہ اس کو ادا کرتے وقت اس غریب کی تحقیر کا خیال بالکل نہ لائیں، بلکہ پورے ادب و احترام کے ساتھ اس کو ادا کریں، ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ مسجد نماز کا مصلی ہے، نماز پڑھنے کی جگہ ہے، اس لئے وہ قابلِ احترام ہے، ایسے ہی زکوۃ اور صدقہ کا مصلیٰ غریب ہے، اس لئے وہ بھی قابل احترام ہے، اس لئے اس کا بھی

ادب واحترام کرنا چاہیے اوراس کی عزت کرنی چاہیے، اس کو حقیر یا کمتر سمجھنا، یا احسان جتلانا جائز نہیں ہے، بلکہ اس کے لینے پر ہمیں اس کا شکر ادا کرنا چاہیے، اگر یہ زکوٰۃ نہ لیتا تو ہم اپنا یہ فرض کہاں ادا کرتے؟ اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ زکوٰۃ ادا کرتے وقت یہ نہیں کہنا چاہیے کہ یہ زکوٰۃ ہے، کیونکہ اس طرح کہنے سے اس کے دل کو چوٹ لگے گی، اس کو شرمندگی ہوگی، اور اس کے دل میں اپنی غربت کا احساس ہوگا، اور وہ بھی یہ تمنا کرنے لگے گا کہ کاش میں بھی زکوٰۃ دینے والا ہوتا، اس لئے زکوۃ ادا کریں تو اس طرح ادا کریں کہ لینے والے کو شرمندگی نہ ہو، اور اس کو غربت کا احساس نہ ہو۔ اللہ پاک ہم سب کو صحیح علم اور صحیح عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

جمعہ اور عیدین کے
آداب واحکام

جمعہ اور عیدین کے آداب واحکام:

یومِ جمعہ کی فضیلت اور جمعہ کے ترک سے متعلق چند احادیثِ مبارکہ اس سے پہلے ذکر کی گئیں ہیں، اس کے علاوہ کچھ شرائط، سنن اور آداب ہیں جو جمعہ اور خطبۂ جمعہ کے لئے ضروری ہیں، اس لئے چند باتیں اس تعلق سے آپ کے سامنے پیش کی جارہی ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے چند شرطیں ہیں:

صحتِ جمعہ کے شرائط:

(۱) بڑی آبادی کا ہونا۔ دیہات میں جمعہ فرض نہیں ہے۔ اوراس کی حد میں فقہاء کا اختلاف ہے، لیکن ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں روزِ مرہ کی ضروریات پوری ہوتی ہوں، دوکانیں وغیرہ موجود ہوں، اور حکومت کا ایسا نظام بھی ہو جس سے مظلوم کے لئے مدد حاصل کی جاسکتی ہو، اور عام طور پر یہ سہولتیں تقریباً تین ہزار کی آبادی میں مہیا ہوجاتی ہیں اس لئے اتنی بڑی تعداد کسی جگہ ہو تو وہاں جمعہ قائم کرسکتے ہیں، اور اگر اس سے کم آبادی ہو تو وہاں جمعہ قائم نہیں کرسکتے، وہاں کے لوگوں کو ظہر ادا کرنا ضروری ہوگا۔

”عَنْ اَبِيْ حَنِيفَةَ اَنَّهٗ بَلْدَةٌ كَبِيْرَةٌ فِيْهَا سِكَكٌ وَاَسْوَاقٌ وَلَهَا رَسَاتِيْقُ وَفِيْهَا وَالٍ يَقْدِرُ عَلٰى اِنْصَافِ الْمَظْلُوْمِ مِنَ الظَّالِمِ بِحِشْمَتِهٖ وَعِلْمِهٖ اَوْ عِلْمِ غَيْرِهٖ يَرْجِعُ النَّاسُ اِلَيْهِ فِيْمَا يَقَعُ مِنَ الْحَوَادِثِ وَهٰذَا هُوَ الْأَصَحُّ“ (ردالمحتار: ۸/۳)

(۲) حاکم یا اس کے قائم مقام کا ہونا۔ (اور جہاں حاکم وغیرہ نہ ہوں تو مسلمانوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ کسی خطیب وغیرہ کو جمعہ کے لئے مقرر کریں۔ (رد المحتار: ۵۴۰/۱)

(۳)ظہر کا وقت پایاجانا۔(۴) خطبہ پڑھنا۔(۵) خطبہ کا جمعہ سے پہلے ہونا۔اور اتنے لوگوں کے سامنے خطبہ پڑھنا جن سے جمعہ قائم ہوسکے۔(۶)کم از کم تین مردوں کا جمعہ میں شامل ہونا۔(۷)جمعہ میں شرکت کی عام اجازت ہونا۔

”وَيُشْتَرَطُ لِصِحَّتِهَا سَبْعَةُ اَشيَاءٍ۔اَلْاَوَّلُ :اَلْمِصْرُ... وَ الثَّانِيْ اَلسُّلْطَانُ... وَ الثَّالِثُ وَقْتُ الظُّهرِ فَتَبْطُلُ الْجُمُعَةُ بِخُرُوْجِهٖ...وَ الرَّابِعُ اَلْخُطْبَةُ فِيْهِ فَلَوْ خَطَبَ قَبْلَهٗ وَصَلّٰى فِيْهِ لَمْ تَصِحَّ وَ الْخَامِسُ كَوْنُهَاقَبْلَهَا لِاَنَّ شَرْطَ الشَّيْئِ سَابِقٌ عَلَيْهِ بِحَضْرَةِ جَمَاعَةٍ تَنْعَقِدُوَ السَّادِسُ اَلْجَمَاعَةُ وَاَقَلُّهَا ثَلَاثَةُ رِجَالٍ...وَالسَّابِعُ الْاِذْنُ الْعَامُّ“(الدر المختار: باب صلاۃ الجمعۃ)

مذکورہ بالا شرائط جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے ہیں، لیکن کچھ شرائط وہ ہیں کہ اگر وہ کسی میں پائے جائیں تو جمعہ اس پر فرض ہوجاتا ہے اور اگر ان میں سے ایک بھی شرط مفقود ہو تو ایسے آدمی پر جمعہ فرض نہیں ہوتا، ان کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

جمعہ کن پر فرض ہے اور کن پر نہیں؟

(۱)بڑی آبادی میں مقیم ہونا۔ مسافر پر جمعہ فرض نہیں۔(اللباب فی شرح الکتاب: ۱/ ۵۴)

(۲) تندرست ہونا مریض پر جمعہ فرض نہیں۔

(۳) آزاد ہونا، غلام پر جمعہ فرض نہیں۔

(۴)مرد ہونا، عورت پر جمعہ فرض نہیں۔

(۵)عاقل ہونا۔بچہ اور پاگل پر جمعہ فرض نہیں۔

(۶) بینا ہونا، نابینا پر جمعہ فرض نہیں۔

(۷)چلنے پر قادر ہونا۔اپاہج پر جمعہ فرض نہیں۔

(۸)قید اور خوف کا نہ ہونا، کیونکہ ان دونوں صورتوں میں جمعہ فرض نہیں۔

(۹)سخت بارش اور کیچڑ کا نہ ہونا۔اگر یہ ہوں تو جمعہ فرض نہیں۔

اگر کسی کو ان میں سے کوئی عذر ہو تو اس پر جمعہ فرض نہیں وہ ظہر کی نماز ادا کرے گا۔

”وَشَرْطٌ لِافْتِرَاضِهَا تِسعَةٌ تُخْتَصُّ بِهَا اِقَامَةٌ بِمِصْرٍ . . . وَصِحَّةٌ . . . وَحُرِّيَّةٌ . . . وَذُكُورَةٌ . . . وَبُلُوْغٌ وَعَقْلٌ . . . وَوُجُوْدُ بَصرٍ . . . وَقُدْرَتُهٗ عَلَى الْمَشْيِ . . . وَعَدَمُ حَبْسٍ وَعَدَمُ خَوْفٍ وَعَدَمُ مَطَرٍ“(الدر المختار: ۱۵۳و۱۵۴)

جمعہ کے سنن، آداب اور مستحبات:

جمعہ کے ارکان اور شرائط کے علاوہ کچھ سنن، مستحبات اور آداب ہیں، علامہ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ نے چند آداب لکھے ہیں:

(۱)جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۂ الم سجدہ اور سورۂ دھر پڑھی جائے۔

(۲)جمعہ کے دن اور رات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجا جائے۔

(۳)مونچھ اور اس کے علاوہ بال اور ناخن کاٹے جائیں۔(معجم طبرانی: ۸۴۲)

(۴)غسل کیا جائے۔

(۵)مسواک کیا جائے۔

(۶)عمدہ کپڑے پہنے جائیں۔(زاد المعاد لابن قیم: ۱/۴۹)

(۷)خوشبو لگائی جائے۔(صحیح بخاری: ۸۲۳)

(۸)تیل لگایا جائے۔(حوالۂ سابق)

یومِ جمعہ مسجد جلد جانے کی فضیلت:

(۹)جمعہ کے لئے جلد ہی مسجد روانہ ہو کر مسجد میں ذکر اللہ وغیرہ میں اپنے آپ کو مشغول رکھا جائے۔ کیونکہ جو شخص جتنا پہلے مسجد میں حاضر ہوتا ہے اتنا ہی وہ زیادہ ثواب اور اجر کا مستحق ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”اِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَقَفَتِ الْمَلَائِكَةُ عَلٰى اَبْوَابِ الْمَسْجِدِ فَيَكْتُبُوْنَ الْاَوَّلَ فَالْاَوَّلَ وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِيْ يُهْدِيْ بَدَنَةً ثُمَّ كَالَّذِيْ يُهْدِيْ بَقَرَةً ثُمَّ كَبْشًا ثُمَّ دَجَاجَةً ثُمَّ بَيْضَةً فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَيَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ“ (صحیح بخاری: کتاب الجمعة:۹۲۹)

جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوجاتے ہیں اور پہلے آنے والوں کے نام بالترتیب لکھتے ہیں، سب سے پہلے آنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی اونٹ کی قربانی کرے، اس کے بعد آنے والوں کی مثال بالترتیب گائے، دنبہ، مرغی اور انڈا صدقہ کرنے والے کی طرح ہے، پھر جب امام خطبہ دینے کے لئے نکل آتا ہے تو فرشتے اپنے فائلس لپیٹ دیتے ہیں اور خطبہ سننے میں مشغول ہوجاتے ہیں۔

(۱۰) جمعہ کے لئے پیدل جایا جائے۔

(۱۱) صف اول میں یا امام کے قریب بیٹھا جائے۔ (فتاویٰ ہندیہ: ۱/۱۴۹)

(۱۲) خطبہ خاموشی سے سنا جائے۔

دورانِ خطبہ توجہ امام کی طرف کی جائے۔ جب آپ ﷺ خطبہ دیتے تو سارے صحابہؓ کرام آپ کی طرف متوجہ ہوجاتے۔ (زادالمعاد: ۱/۴۹)

(۱۳) نمازِ جمعہ میں سورۃ الجمعہ اور سورۃ المنافقون یا سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الغاشیہ پڑھا جائے۔

(۱۴) مسجد کو دھونی دی جائے، اور خوشبو سے معطر کیا جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ باضابطہ اس کا اہتمام کرتے تھے۔ (اللمعة فی خصائص الجمعة: ۱/۴۴)

جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھنے کی فضیلت:

(۱۵) سورۂ کہف کی تلاوت کی جائے۔ احادیثِ شریفہ میں اس کی بھی بہت سی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْكَهْفِ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ أَضَاءَ لَهُ مِنَ النُّوْرِ مَا بَيْنَ الْجُمُعَتَيْنِ“ (ابن کثیر کامل: ۸۰۳، المتجر الرابح: ۱۱۹)

جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھے اس کے لئے دونوں جمعوں کے درمیان زمانہ میں روشنی ہی روشنی کر دی جائے گی۔ نیز سورۂ کہف پڑھنے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے پڑھنے والے کو ہر فتنہ بشمول فتنۂ دجال سے حفاظت کی بشارت سنائی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

''مَنْ قَرَأَسُوْرَةَ الْكَهْفِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَهُوَ مَعْصُوْمٌ إِلٰى ثَمَانِيَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ فِتْنَةٍ وَإِنْ خَرَجَ الدَّجَّالُ عُصِمَ مِنْهُ'' (ابن کثیر عن الحافظ المقدس: ۸۰۳)

جو شخص جمعہ کے روز سورۂ کہف پڑھے وہ اگلے آٹھ دن تک ہر فتنہ سے محفوظ رہے گا، حتی کہ اگر دجال نکل آئے تو اس کے فتنہ سے بھی محفوظ رہے گا۔

اور بعض صحیح احادیث کا مضمون یہ ہے کہ جو شخص سورۂ کہف کی اول یا (بعض روایات میں) آخری دس آیتیں یاد کر کے پڑھے گا تو وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔ (ابن کثیر: ۸۰۳)

آپ ﷺ کے خطبہ کی کیفیت:

یومِ جمعہ میں ایک اہم فریضہ خطبہ ہے، اس کے بھی چند احکام اور آداب ہیں، علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ ﷺ کے خطبہ کی چند کیفیتیں بیان کی ہیں، جو ہر خطیب کو ملحوظ رکھنی چاہیے، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) جب آپ مسجد تشریف لاتے تو سب کو سلام کرتے۔ (۲) اور جب منبر پر تشریف لے جاتے تو سب کو سلام کرتے۔ منبر پر چڑھنے کے بعد سلام کرنے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز اور احناف کے نزدیک نہیں، کیونکہ جس روایت سے آپ ﷺ کا سلام ثابت ہے اس کے بارے میں پہلی بات یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ امام بیہقی اور دیگر محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ بعض علماء نے تعددِ طرق سے مروی ہونے کی وجہ سے اس کو مشروع مانا ہے لیکن اکثر علماءِ احناف نے اسے دوسری روایات کے مخالف ہونے کی وجہ سے اس پر عمل

کو ترک کیا ہے، کیونکہ جب امام منبر پر جانے کے بعد سلام کرے گا تو سامعین اس کا جواب دیں گے، اور حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ''اَذَا خَرَجَ الْاِمَامُ فَلَا صَلَاةَ وَلَا كَلَامَ''(کنز العمال:۲۱۲۱۲بحوالہ معجم طبرانی) تو امام کا سلام اور سامعین کا جواب اس روایت کے مخالف ہے، کیونکہ یہاں کلام سلام کی شکل میں پایا جارہا ہے، اور آپ ﷺ نے اس سے روکا ہے۔(اس مضمون سے متعلق کچھ اوراحادیث بیان: ''نماز جمعہ اور خطبہ سے متعلق چند غلط فہمیوں کا ازالہ میں'' ذکر کی جاچکی ہیں)

اس روایت پر سند کے اعتبار سے محدثین نے اگرچہ کلام کیا ہے لیکن اس کا مضمون دوسری صحیح روایات سے ثابت ہے۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ یہاں ایک روایت اباحت اور ایک روایت حرمت اور ممانعت کو بتارہی اور اصول یہ ہے کہ جب اباحت اور حرمت کا ٹکراؤ ہو تو حرمت اور ممانعت کو ترجیح دی جاتی ہے اس لئے یہاں سلام نہ کرنے کو ہی ترجیح دی جائے گی۔

(۴) چوتھی بات یہ ہے کہ علماء نے اس روایت کو منسوخ مانا ہے، ابتداء میں نماز اور خطبہ میں بات کرنے کی ممانعت نہیں تھی، بعد میں جب نماز اور خطبہ میں بات کرنے کی ممانعت نازل ہوئی تو یہ بھی حکم ختم ہو گیا۔

(۳) خطبہ کے لئے جب آپ آتے تو آپ کے آگے نہ کوئی عصابر دار ہوتا تھا اور نہ کوئی خاص قسم کا لباس آپ پہنتے تھے۔(۴) خطبہ کچھ تاخیر سے دیتے تاکہ لوگ جمع ہو جائیں۔ (۴) اور لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر تعوذ فرماتے۔(۵) لوگوں کو پھلاندنے سے روکتے (۶) حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دیتے اس کے بعد آپ ﷺ خطبہ دیتے اور اذان و خطبہ میں فصل نہ ہوتا۔(۷) خطبہ میں کبھی کمان اور کبھی عصا پر سہارا لیتے۔(۸) خطبہ میں آپ اصول اسلام اور احکام شریعت سکھلاتے۔ (۹) حالات کے اعتبار سے خطبہ دیتے۔(۱۰) جب آپ خطبہ

دیتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں، آواز بلند ہو جاتی، اور غضب شدید ہو جاتا، اور ایسا محسوس ہوتا جیسا کہ آپ لشکر سے لوگوں کو ڈرا رہے ہوں۔ اور آپ خطبہ میں تحمید اور ثنا اور تشہد کے بعد یہ ارشاد فرماتے "اِنَّ اَصْدَقَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ وَ اَحْسَنَ الْھَدْیِ ھَدْیُ مُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وَ شَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا وَ کُلَّ مُحْدَثَۃٍ بِدْعَۃٌ وَ کُلَّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ وَ کُلَّ ضَلَالَۃٍ فِي النَّارِ" (صحیح ابن خزیمۃ: کتاب الجمعۃ، ۱۷۸۵) (۱۲) آپ ﷺ دو خطبے دیتے اور دونوں خطبوں کے درمیان میں خفیف سا قعود فرماتے۔ (۱۳) آپ خطبہ مختصر دیتے تھے اور نماز اس کی بنسبت طویل ادا فرماتے تھے۔ (۱۴) دورانِ خطبہ کوئی امر و نہی کی بات پیش آتی تو اس کی تعلیم کرتے۔ (۱۵) دوسرے خطبے کے بعد حضرت بلال اذان دیتے اور آپ لوگوں کو قریب ہونے اور خاموش ہونے کا حکم فرماتے۔ (زاد المعاد: ۱/۴۹) اور خطبے کے کلمات مختلف روایات میں مختلف الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ مروی ہیں۔

خطبہ کے ارکان:

خطبہ میں سب سے اہم چیز خطبہ کے ارکان ہیں، جن کے بغیر خطبہ صحیح نہیں ہوتا، علماء نے لکھا ہے کہ خطبہ کے دو ارکان ہیں:

أَمَّا الْخُطْبَۃُ فَتَشْتَمِلُ علیٰ فَرْضٍ وَسُنَّۃٍ فَأَمَّا الْفَرْضُ فَشَیْئَانِ الْوَقْتُ وَذِکْرُ اللّٰہِ تَعَالٰی۔ (البحر الرائق: ۲/۱۵۹، وفتاویٰ ہندیہ: ۱/۱۴۶)

(۱) وقت کا ہونا، اور اس کا وقت زوال کے بعد ہے، اس سے پہلے خطبہ دینا جائز نہیں ہے۔ اور نہ دینے سے وہ ادا ہو گا۔

(۲) خطبہ میں اللہ کی حمد، تسبیح، تہلیل اور بڑائی بیان کرنا۔ اور اس کی کم از کم مقدار ایک مرتبہ الحمد للہ، سبحان اللہ، یا لا الہ الا اللہ کہنا ہے، لیکن تین آیات کی مقدار سے کم خطبہ دینا مکروہ ہے۔ اور امام محمد اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ خطبہ کی کم از کم مقدار تشہد کے بقدر ہے، اس سے کم مقدار میں خطبہ دینا مکروہ ہے۔ (البحر الرائق: ۲/۱۶۱)

خطبہ کے سنن اور آداب:

خطبہ کے ارکان کے بعد وہ امور جن کی خطیب کو رعایت کرنی چاہیئے وہ خطبہ کے سنن اور آداب ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)طہارت: پاکی کی حالت میں خطبہ دینا۔

(۲) کھڑے ہو کر خطبہ دینا۔

(۳)حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر خطبہ دینا۔

(۴)خطبہ سے قبل آہستہ سے اعوذ باللہ پڑھنا۔

(۵)خطبہ اتنی بلند آواز سے دینا کہ لوگوں تک آواز پہنچ جائے۔

(۶) خطبہ حمد سے شروع کرنا۔

(۷)خطبہ میں اللہ پاک کی حمد و ثنا بیان کرنا۔

(۸)کلمۂ شہادت پڑھنا۔

(۹)درودِ شریف پڑھنا۔

(۱۰)لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنا۔

(۱۱) قرآن کریم کی کوئی آیت پڑھنا۔

(۱۲)دوسرے خطبہ میں دوبارہ حمد و ثنا اور درودِ شریف پڑھنا۔

(۱۳)تمام مسلمانوں کے لئے دعا مانگنا۔

(۱۴)خطبہ کو زیادہ طویل نہ کرنا، بہتر ہے کہ طوالِ مفصل کی کسی صورت کے بقدر ہو۔

(۱۵)دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا۔ اور اس کی مقدار یہ ہے کہ قرآن پاک کی تین آیات پڑھی جاسکیں۔

(۱۶)منبر پر چڑھ کر خطبہ دینا۔

(۱۷) دورانِ خطبہ عصا ہاتھ میں لینا۔ لیکن نہ لینے والے پر ملامت کرنا لعن طعن کرنا صحیح نہیں ہے۔

(۱۸) خطبہ میں خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر کرنا۔ (فتاویٰ ہندیہ: ۱/۱۴۶ و ۱۴۷، والبحر الرائق: ۲/۱۶۰، ورد المحتار: باب الجمعۃ، ۶/۱۲۸)

خطبہ کے مکروہات اور خلافِ ادب امور:

خطبہ میں چند امور مکروہ اور خلافِ ادب ہیں، جن سے خطیب حضرات اور سامعین کو بچنا چاہیئے، وہ یہ ہیں:

(۱) بغیر طہارت کے خطبہ دینا۔

(۲) بلا عذر بیٹھ کر خطبہ دینا۔

(۳) قبلہ رخ ہو کر خطبہ نہ دینا۔

(۴) غیر عربی میں خطبہ دینا۔

(۵) دونوں خطبوں کے درمیان نہ بیٹھنا۔

(۶) خطبہ کے دوران بات کرنا چھینک کا جواب دینا، یا خطبہ سننے کے علاوہ دیگر امور کی طرف متوجہ ہونا۔ حتی کہ کسی کو اپنی زبان سے تک روکنا منع ہے، ہاں اگر اپنے ہاتھ سے یا سر سے یا آنکھوں سے اشارہ کے ذریعہ روکے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

(۷) دورانِ خطبہ لوگوں کا بلند آواز سے درود شریف پڑھنا۔

(۸) قرأتِ قرآن کا ترک کرنا۔

(۹) طویل خطبہ دینا۔

(۱۰) خطبہ کے دوران امام کا بات کرنا، ہاں امر بالمعروف یا نہی عن المنکر ہو تو کوئی حرج نہیں۔

(۱۱) دورانِ خطبہ دعا میں ہاتھ اٹھانا۔

(۱۲) امام کے قریب ہونے کے لئے لوگوں کی گردنوں کو پھلانگنا۔

(۱۳)دورانِ خطبہ کسی خاص ہیئت میں بیٹھنا ثابت نہیں ہے، جس طرح چاہے آدمی اپنی سہولت سے بیٹھ سکتا ہے، لیکن فقہاء نے لکھا ہے کہ نماز میں جس طرح بیٹھا جاتا ہے اس طرح بیٹھنا مستحسن ہے۔(فتاویٰ ہندیہ: ۱/ ۱۴۷و۱۴۸)البتہ احادیث میں آپ ﷺ نے حبوہ(سرین کے بل بیٹھ کر گھٹنے کھڑے کر کے ان کے گرد سہارا لینے کے لئے دونوں ہاتھ باندھ لینا، یا کمر اور گھٹنوں کے گرد کپڑا باندھ لینا) مار کر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے مسنونات اور مستحبات:

یہ جمعہ اور خطبہ سے متعلق فضائل اور مسائل کا بیان تھا، اب عید الفطر اور عید الاضحی کے مسنونات اور مستحبات بھی ذکر کئے جارہے ہیں، ان میں سے چند تو حضرت کے خطبہ میں مذکور تھے اور چند کا بحکم حضرت اضافہ کیا گیا ہے، اور ان کو علاحدہ سپردِ قرطاس لایا گیا ہے، تاکہ مرتب اور مزین طور پر یکجا ہونے سے قارئین کے لئے پڑھنے اور عمل کرنے میں سہولت ہو۔

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے مسنونات اور مستحبات یہ ہیں:

(۱) صبح سویرے اٹھنا۔ اور عید گاہ جلد جانا۔(ھندیه: ج۴،ص ۳۴۴وشرح السنة:۱۱۰۳)

(۲) شرع کے موافق اپنی آرائش کرنا۔(من احکام العید: ۱/۱۵)

(۳) غسل کرنا۔(زادالمعاد: ۴۲۶وشرح السنة:۱۱۰۲)

(۴) مسواک کرنا۔(ھندیه: ج۴،ص ۳۴۴)

(۵) عمدہ سے عمدہ کپڑے جو پاس موجود ہوں پہننا۔(زادالمعاد: ج۱،ص۴۲۵)

ایک مرتبہ حضرت عمر نے آپ ﷺ کے لئے ایک جبہ لیا، اور اس کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے، اور کہا کہ یارسول اللہ یہ لے لیجئے تاکہ عید کے لئے زینت ہوجائے۔(من احکام العید: ۱/۱۵) اس سے عید کے روز عمدہ کپڑے پہننے کا استحباب معلوم ہوتا ہے۔

(۶) خوشبو لگانا۔(شرح السنة:۱۱۰۲و ھندیه: ج۴،ص ۳۴۴)

(۷) عید الفطر میں عید گاہ جانے سے قبل کوئی شیریں چیز مثل چھوارے وغیرہ کھانا۔(زاد المعاد: ج۱،ص ۴۲۵۔وشرح السنة:۱۱۰۳)

(۸) عید الاضحیٰ میں عید گاہ جانے سے قبل کچھ نہ کھانا۔ اگر قربانی کرے تو اس سے کھانے کی ابتدا کرنا۔(زادالمعاد: ج۱،ص۴۲۶،وشرح السنة:۱۱۰۴)

(۹) جس پر صدقۂ فطر واجب ہے نماز سے قبل اسے ادا کرنا۔(ھندیه: ج۴،ص ۳۴۴)

(۱۰)عید کی نماز عید گاہ میں جاکر پڑھنا یعنی شہر کی مسجد میں بلا عذر نہ پڑھنا۔ (زاد المعاد: ج۱،ص ۴۲۵)

(۱۱)جس راستہ سے جائے اس کے سوا دوسرے راستہ سے واپس آنا۔ (زاد المعاد : ج۱،ص ۴۳۲،وصحیح بخاری: کتاب العیدین، ۹۸۶)

علماء نے اس کی کئی حکمتیں نقل کی ہیں۔

(۱)اس میں شعائر اسلام کا اظہار ہوتا ہے۔

(۲)دونوں راستے کل قیامت میں اس آدمی کے حق میں گواہی دیتے ہیں۔(۳)اللہ کے ذکر کا اظہار ہوتا ہے۔(۴)منافقین اور یہود کا سر نیچا ہوتا ہے۔(۵)دونوں راستہ والوں کو سلام کا موقع ملتا ہے۔(۶)ان کی تعلیم ہوتی ہے۔(۷)ان کو صدقہ دیا جاسکتا ہے،اور ان کے ساتھ صلہ رحمی ہوتی ہے۔وغیرہ۔(من احکام العید)

(۱۲)پیدل جانا۔(زادالمعاد: ج ۱،ص ۴۲۶)اگر عید گاہ دور ہو تو سواری پر جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۱۳)عید گاہ جاتے وقت بلند آواز سے ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ'' پڑھتے ہوئے جانا اور عید گاہ پہونچ کر ختم کردینا۔(زادالمعاد: ج۱،ص ۴۲۷)

(۱۴)نماز عید الاضحیٰ جلد ادا کرنا۔ نماز عید الفطر تاخیر سے ادا کرنا۔(زادالمعاد: ج ۱،ص۴۲۷)

(۱۵)عید گاہ میں نماز عید کے علاوہ کوئی نماز نہ پڑھنا۔(ابو داؤد: ج ۱،ص ۳۰۱)

(۱۶)حسبِ استطاعت صدقہ وخیرات کثرت سے کرنا۔

(۱۷)عید گاہ وقار اور اطمینان سے جانا،اور جن چیزوں کا دیکھنا جائز نہیں ہے ان سے آنکھیں نیچی رکھنا۔

(۱۸)فرحت وخوشی کا اظہار کرنا۔ اوراس دن اپنے اہل وعیال پر وسعت کرنا جس سے ان کے نفس کو خوشی حاصل ہو۔(فتح الباری:۲/۴۴۳)

(۱۹)مبارکباد دینا۔ صحابہ کا بھی یہی معمول تھا۔(من احکام العید:۱/۱۷،وشعب الایمان:۶۰۸۸)

عید کے دن مصافحہ اور معانقہ کا حکم:

(۲۰)عام طور پر عید کے دن نماز کے بعد مصافحہ اور معانقہ کا شرعی حکم لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا،اور لوگ اس کو عید کی سنت سمجھتے ہیں جب کہ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، آپ ﷺ سے یہ ثابت نہیں ہے،بلکہ فقہاء نے اسے روافض کا طریقہ بتایا ہے،اس لئے اگر اس کو سنت سمجھا جائے اور ضروری سمجھا جائے اور نہ کرنے والوں پر لعن طعن کیا جائے تو وہ بدعت ہے،اوراس صورت میں مصافحہ اور معانقہ جائز نہیں ہے،لیکن اگر عید کی میل ملاپ اور خوشی میں مصافحہ اور معانقہ کرلے اور اس کو سنت نہ سمجھے تو اس کی گنجائش ہے۔ لیکن چونکہ عوام میں یہ ایک رسم بن چکی ہے،اور پھر اس کو عید کا حصہ، نماز کا تتمہ اور اور ضروری اور دینی امر سمجھ کر کیا جاتا ہے،اس لئے اس سے بچنا اولیٰ ہے۔ **مستفاد از:**(فتاویٰ دارالعلوم زکریا:۲/۵۹۴و فتاویٰ فریدیه:۱/۳۰۲وفتاویٰ محمودیه:۲/۵۲۳وامداد الفتاویٰ:۱/۴۸۱واحسن الفتاویٰ:۱/۳۵۴وفتاویٰ رحیمیه:۱/۲۸۰وفتاویٰ رشیدیه:۱۴۷)

جمعہ، عیدین، نکاح اور استسقاء کے

عربی خطبات

جمعہ، عیدین، نکاح اور استسقاء کے عربی خطبات:

چونکہ اس مجموعہ کے مضامین جمعہ اور خطبہ سے متعلق ہیں اس لئے اخیر میں جمعہ، عیدین، نکاح اور استسقاء کے خطبے ذکر کئے گئے ہیں، اس میں بالخصوص حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے استفادہ کیا گیا، سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا خطبہ جو آپ نے جمعہ کے دن دیا تھا، وہ پیش ہے، تاکہ منقول خطبہ بھی بطور اسوہ ہمارے سامنے رہے۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے مؤرخین کے حوالہ سے اس کو نقل کیا ہے کہ آپ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو بنو عمرو بن عوف کے پاس مقام قبامیں ٹھہرے، اور پیر، منگل چہار شنبہ اور جمعرات وہیں قیام کیا، اور مسجد کی بنیاد رکھی، اس کے بعد جمعہ کے دن نکلے، درمیان میں جب جمعہ کا وقت ہوا تو بنو سالم بن عوف کے پاس بطن وادی میں آپ نے جمعہ ادا کیا،، ابن اسحاق کہتے ہیں یہ اسلام کا سب سے پہلا خطبہ تھا جو آپ نے دیا تھا اور نماز ادا کی تھی، وہ خطبہ اگلے صفحہ پر درج ہے۔

اسلام کا پہلا خطبہ:

اس خطبہ میں اولاً آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی جیسا کہ اس کی شان ہے، اس کے بعد فرمایا:

اَمَّا بَعْدُ: اَیُّھَا النَّاسُ فَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ تَعْلَمُنَّ وَاللّٰہِ لَیُصْعَقَنَّ اَحَدُکُمْ ثُمَّ لَیَدَعَنَّ غَنَمَہٗ لَیْسَ لَھَا رَاعٍ ثُمَّ لَیَقُوْلَنَّ لَہٗ رَبُّہٗ وَلَیْسَ لَہٗ تَرْجُمَانٌ وَلَا حَاجِبٌ یَحْجُبُہٗ دُوْنَہٗ اَلَمْ یَاْتِکَ رَسُوْلِیْ فَبَلَّغَکَ وَآتَیْتُکَ مَالًا وَاَفْضَلْتُ عَلَیْکَ فَمَا قَدَّمْتَ لِنَفْسِکَ فَلْیَنْظُرَنَّ یَمِیْنًا وَشِمَالًا فَلَا یَرٰی شَیْئًا ثُمَّ لَیَنْظُرَنَّ قُدَّامَہٗ فَلَا یَرٰی غَیْرَ جَھَنَّمَ ۞ فَمَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ یَقِیَ وَجْھَہٗ مِنَ النَّارِ وَلَوْ بِشِقٍّ مِنْ تَمْرَۃٍ فَلْیَفْعَلْ وَمَنْ لَمْ یَجِدْ فَبِکَلِمَۃٍ طَیِّبَۃٍ فَاِنَّ بِھَا تَجْزِی الْحَسَنَۃُ بِعَشْرِ اَمْثَالِھَا اِلٰی سَبْعِمِائَۃِ ضِعْفٍ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔

آپ ﷺ کا خطبۂ ثانیہ:

پھر آپ ﷺ نے دوسرا خطبہ دیا:

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ اَحْمَدُہٗ وَاَسْتَعِیْنُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ ۞ وَاَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ۞ اِنَّ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ ۞ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَیَّنَہُ اللّٰہُ فِیْ قَلْبِہٖ وَاَدْخَلَہٗ فِی الْاِسْلَامِ بَعْدَ الْکُفْرِ فَاخْتَارَہٗ عَلٰی مَا سِوَاہُ مِنْ اَحَادِیْثِ النَّاسِ، اِنَّہٗ اَحْسَنُ الْحَدِیْثِ وَاَبْلَغُہٗ ۞ اَحِبُّوْا مَا اَحَبَّ اللّٰہُ، اَحِبُّوا اللّٰہَ مِنْ کُلِّ قُلُوْبِکُمْ وَلَا تَمَلُّوْا کَلَامَ اللّٰہِ وَذِکْرَہٗ، وَلَا تَقْسُ عَنْہُ قُلُوْبُکُمْ فَاِنَّہٗ مِنْ کُلِّ مَا یَخْلُقُ اللّٰہُ یَخْتَارُ وَیَصْطَفِیْ، قَدْ سَمَّاہُ اللّٰہُ خِیَرَتَہٗ مِنَ الْاَعْمَالِ وَمُصْطَفَاہُ مِنَ الْعِبَادِ وَالصَّالِحِ مِنَ الْحَدِیْثِ وَمِنْ کُلِّ مَا اُوْتِیَ النَّاسُ مِنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ فَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا، وَاتَّقُوْہُ حَقَّ تُقَاتِہٖ، وَاصْدُقُوا اللّٰہَ صَالِحَ مَا تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاھِکُمْ، وَتَحَابُّوْا بِرَوْحِ اللّٰہِ بَیْنَکُمْ، اِنَّ اللّٰہَ یَغْضَبُ اَنْ یُّنْکَثَ عَھْدُہٗ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ ۞

(زاد المعاد: ۱/ ۳۷۳ و ۳۷۴ و الزہد لھناد: ۴۹۲)

❋ ❋ ❋

جمعہ کا خطبہ اولیٰ:

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ نَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ ۞ وَاَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، اَرْسَلَہٗ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَۃِ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ رَشَدَ، وَمَنْ یَّعْصِھِمَا فَاِنَّہٗ لَا یَضُرُّ اِلَّا نَفْسَہٗ وَلَا یَضُرُّ اللّٰہَ شَیْئًا ۞ (سنن ابی داود: کتاب النکاح، ۲۱۲۰ و ۲۱۲۱)

اَمَّا بَعْدُ! فَاِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِیْثِ کَلَامُ اللّٰہِ، وَأَوْثَقَ الْعُرٰی کَلِمَۃُ التَّقْوٰی، وَخَیْرَ الْمِلَلِ مِلَّۃُ إِبْرَاھِیْمَ، وَأَحْسَنَ الْقَصَصِ ھٰذَا الْقُرْآنُ، وَأَحْسَنَ السُّنَنِ سُنَّۃُ مُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، وَأَشْرَفَ الْحَدِیْثِ ذِکْرُ اللّٰہِ، وَخَیْرَ الْأُمُوْرِ عَزَائِمُھَا، وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا، وَأَحْسَنَ الْھَدْیِ ھَدْیُ الْأَنْبِیَاءِ، وَأَشْرَفَ الْمَوْتِ قَتْلُ الشُّھَدَاءِ، وَأَغَرَّ الضَّلَالَۃِ الضَّلَالَۃُ بَعْدَ الْھُدٰی، وَخَیْرَ الْعِلْمِ مَا نَفَعَ، وَخَیْرَ الْھُدٰی مَا اتُّبِعَ، وَشَرَّ الْعَمٰی عَمَی الْقَلْبِ، وَالْیَدَ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِنَ الْیَدِ السُّفْلٰی، وَمَا قَلَّ وَکَفٰی خَیْرٌ مِمَّا کَثُرَ وَأَلْھٰی، وَنَفْسٌ تُنْجِیْھَا خَیْرٌ مِنْ أَمَارَۃٍ لَا تُحْصِیْھَا، وَشَرَّ الْعَذْلَۃِ عِنْدَ حَضْرَۃِ الْمَوْتِ، وَشَرَّ النَّدَامَۃِ نَدَامَۃُ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ، وَمِنَ النَّاسِ مَنْ لَا یَأْتِی الصَّلَاۃَ إِلَّا دُبُرًا، وَمِنَ النَّاسِ مَنْ لَا یَذْکُرُ اللّٰہَ إِلَّا مُھَاجِرًا، وَأَعْظَمَ الْخَطَایَا اللِّسَانُ الْکَذُوْبُ، وَخَیْرَ الْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ، وَخَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی، وَرَأْسَ الْحِکْمَۃِ مَخَافَۃُ اللّٰہِ، وَخَیْرَ مَا أُلْقِيَ فِي الْقَلْبِ الْیَقِیْنُ، وَالرَّیْبَ مِنَ الْکُفْرِ، وَالنَّوْحَ مِنْ عَمَلِ الْجَاھِلِیَّۃِ، وَالْغُلُوْلَ مِنْ جَمْرِ جَھَنَّمَ، وَالْکَنْزَ کَيٌّ مِنَ النَّارِ، وَالشِّعْرَ مَزَامِیْرُ إِبْلِیْسَ، وَالْخَمْرَ جُمَّاعُ الْإِثْمِ، وَالنِّسَاءَ حَبَائِلُ الشَّیْطَانِ، وَالشَّبَابَ شُعْبَۃٌ مِنَ الْجُنُوْنِ، وَشَرَّ الْمَکَاسِبِ کَسْبُ الرِّبَا، وَشَرَّ الْمَآکِلِ أَکْلُ مَالِ الْیَتِیْمِ، وَالسَّعِیْدَ مَنْ وُعِظَ بِغَیْرِہٖ، وَالشَّقِيَّ مَنْ شُقِيَ فِي بَطْنِ أُمِّہٖ، وَإِنَّمَا یَکْفِي أَحَدُکُمْ مَا قَنِعَتْ بِہٖ نَفْسُہٗ، وَإِنَّمَا یَصِیْرُ إِلٰی مَوْضِعِ أَرْبَعَۃِ أَذْرُعٍ وَالْأَمْرُ بِآخِرِہٖ، وَمِلَاکُ الْعَمَلِ بِہٖ خَوَاتِمُہٗ، وَشَرَّ الرِّوَایَا رِوَایَا الْکَذِبِ، وَکُلَّ مَا ھُوَ آتٍ قَرِیْبٌ، وَسِبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوْقٌ، وَقِتَالُہٗ کُفْرٌ، وَأَکْلُ لَحْمِہٖ مِنْ مَعَاصِي اللّٰہِ، وَحُرْمَۃُ مَالِہٖ کَحُرْمَۃِ دَمِہٖ، وَمَنْ یَتَأَلّٰی عَلَی اللّٰہِ یُکَذِّبْہُ، وَمَنْ یَغْفِرْ یَغْفِرِ اللّٰہُ لَہٗ، وَمَنْ یَعْفُ یَعْفُ اللّٰہُ عَنْہُ، وَمَنْ یَکْظِمِ الْغَیْظَ یَأْجُرْہُ اللّٰہُ، وَمَنْ یَصْبِرْ عَلَی الرَّزَایَا یُعْقِبْہُ اللّٰہُ، وَمَنْ یَعْرِفِ الْبَلَاءَ یَصْبِرْ عَلَیْہِ، وَمَنْ لَا یَعْرِفُہٗ یُنْکِرْہُ، وَمَنْ یَسْتَکْبِرْ

يَضَعْهُ اللّٰهُ، وَمَنْ يَبْتَغِ السُّمْعَةَ يُسَمِّعِ اللّٰهُ بِهٖ، وَمَنْ يَنْوِ الدُّنْيَا تُعْجِزْهُ، وَمَنْ يُطِعِ الشَّيْطَانَ يَعْصِ اللّٰهَ، وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ يُعَذِّبْهُ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَلِأُمَّتِيْ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَلِأُمَّتِيْ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَلِأُمَّتِيْ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِيْ وَلَكُمْ ۞

(الزہد لھناد: ۴۹۷ و مصنف ابن ابی شیبۃ: کتاب الزہد، ۳۵۶۹۴)

شروع میں حمد صلاۃ اور اخیر میں استغفار کو چھوڑ کر بقیہ خطبہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ البتہ حمد و صلاۃ اور استغفار کے الفاظ دوسری احادیث سے منقول ہیں، اور یہی خطبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منقول ہے جو آپ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر دیا تھا۔ (زاد المعاد: ۳/۵۴۱ و سبل الہدی والرشاد: ۵/۴۵۲ (اس روایت کے بارے میں ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وهذا حديث غريب وفيه نكارة وفي إسناده ضعف (سیرت ابن کثیر: ۴/۲۵)

جمعہ کا خطبۂ ثانیہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ ۞ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ۞ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، اَرْسَلَہٗ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَۃِ ۞ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ رَشَدَ، وَمَنْ یَّعْصِھِمَا فَاِنَّہٗ لَا یَضُرُّ اِلاَّ نَفْسَہٗ وَلَا یَضُرُّ اللّٰہَ شَیْئًا ۞ أَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم ۞ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلَائِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۞ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ وَصَلِّ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۞

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَرْحَمُ أُمَّتِیْ بِأُمَّتِیْ أَبُوْبَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ، وَأَشَدُّھُم فِیْ اَمْرِ اللّٰہِ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ، وَأَصْدَقُھُمْ حَیَاءً عُثْمَانُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ، وَأَقْضَاھُمْ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ، وَفَاطِمَۃُ سَیِّدَۃُ نِسَاءِ أَھْلِ الْجَنَّۃِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا، وَالْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ أَھْلِ الْجَنَّۃِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا، وَحَمْزَۃُ اَسَدُ اللّٰہِ وَاَسَدُ رَسُوْلِہٖ ۞ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَوَلِدِہٖ مَغْفِرَۃً ظَاھِرَۃً وَّبَاطِنَۃً لَا تُغَادِرُ ذَنْبًا، اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِیْ ۞ فَمَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ، وَخَیْرُ اُمَّتِیْ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ۞ وَالسُّلْطَانُ (الْعَادِلُ) ظِلُّ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ مَنْ اَھَانَ سُلْطَانَ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ اَھَانَہُ اللّٰہُ ۞

اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ۞ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ یَذْکُرْکُمْ وَادْعُوْہُ یَسْتَجِبْ لَکُمْ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ تَعَالٰی اَعْلٰی وَاَوْلٰی وَاَعَزُّ وَاَجَلُّ وَاَتَمُّ وَاَھَمُّ وَاَعْظَمُ وَاَکْبَرُ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۞

❋ ❋ ❋

عید الفطر کا پہلا خطبہ:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ ۞ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْمُنْعِمِ الْمُحْسِنِ الدَّیَّانِ، ذِی الْفَضْلِ وَالْجُوْدِ وَالْاِحْسَانِ، ذِی الْکَرَمِ وَالْمَغْفِرَۃِ وَالْاِمْتِنَانِ ۞ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ۞ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، اَلَّذِیْ اُرْسِلَ حِیْنَ شَاعَ الْکُفْرُ فِی الْبُلْدَانِ، صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ مَا لَمَعَ الْقَمَرَانِ وَتَعَاقَبَ الْمَلَوَانِ ۞ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ۞

اَمَّا بَعْدُ! فَاعْلَمُوْا اَنَّ یَوْمَکُمْ ھٰذَا یَوْمُ عِیْدٍ، لِلّٰہِ عَلَیْکُمْ فِیْہِ عَوَائِدُ الْاِحْسَانِ، وَرَجَاءُ نَیْلِ الدَّرَجَاتِ وَالْعَفْوِ وَالْغُفْرَانِ ۞ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ۞ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اِنَّ لِکُلِّ قَوْمٍ عِیْدًا وَّھٰذَا عِیْدُنَا ۞ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ۞ وَقَدْ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِذَا کَانَ یَوْمُ عِیْدِھِمْ یَعْنِیْ یَوْمَ فِطْرِھِمْ بَاھٰی بِھِمْ مَلٰئِکَتَہٗ فَقَالَ یَا مَلَائِکَتِیْ مَا جَزَاءُ اَجِیْرٍ وَفّٰی عَمَلَہٗ؟ قَالُوْا: رَبَّنَا جَزَائُہٗ اَنْ یُّوَفّٰی اَجْرُہٗ، قَالَ: مَلَائِکَتِیْ! عَبِیْدِیْ وَاِمَائِیْ قَضَوْا فَرِیْضَتِیْ عَلَیْھِمْ ثُمَّ خَرَجُوْا یَعُجُّوْنَ اِلَی الدُّعَاءِ وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ وَکَرَمِیْ وَعُلُوِّیْ وَارْتِفَاعِ مَکَانِیْ لَاُجِیْبَنَّھُمْ فَیَقُوْلُ اِرْجِعُوْا فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ وَبَدَّلْتُ سَیِّاٰتِکُمْ حَسَنَاتٍ، فَیَرْجِعُوْنَ مَغْفُوْرًا لَّھُمْ ۞ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ۞ وَھٰذَا الَّذِیْ ذُکِرَ فِیْ ذَالِکَ الْیَوْمِ کَانَ فَضْلَہٗ، وَاَمَّا اَحْکَامُہٗ فَمِنْھَا صَدَقَۃُ الْفِطْرِ فَقَدْ قَالَ عَلَیْہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ: صَاعٌ مِنْ بُرٍّ اَوْ قَمْحٍ عَنْ اِثْنَیْنِ، صَغِیْرٍ اَوْ کَبِیْرٍ، حُرٍّ اَوْ عَبْدٍ، ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی، وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ: فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زَکٰوۃَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِنْ شَعِیْرٍ، وَاَمَرَ بِھَا اَنْ تُؤَدّٰی قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلَی الصَّلَاۃِ، وَمِنْھَا الصَّلَاۃُ وَالْخُطْبَۃُ: فَقَدْ کَانَ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَخْرُجُ یَوْمَ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰی اِلَی الْمُصَلّٰی، فَاَوَّلُ شَیْءٍ یَبْدَاُ بِہِ الصَّلَاۃُ، ثُمَّ یَنْصَرِفُ فَیَقُوْمُ مُقَابِلَ النَّاسِ، وَالنَّاسُ جُلُوْسٌ عَلٰی صُفُوْفِھِمْ، فَیَعِظُھُمْ، وَیُوْصِیْھِمْ، وَیَاْمُرُھُمْ۔ وَمِنْھَا التَّکْبِیْرُ فِیْ اَثْنَاءِ الْخُطْبَۃِ: فَقَدْ کَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

يُكَبِّرُ بَيْنَ اَضْعَافِ الْخُطْبَةِ،وَ يُكْثِرُ التَّكْبِيْرَ فِيْ خُطْبَةِ الْعِيْدَيْنِ،وَمِنْهَا صِيَامُ سِتَّةِ اَيَّامٍ مِنْ شَوَّالٍ، فقدقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَهٗ سِتًّا مِّنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ ۞ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ ۞ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۞ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَ لَكُمْ فِى الْقُرْآنِ الْعَظِيْمِ وَ نَفَعْنَا وَ اِيَّاكُمْ بِالْآيَاتِ وَ الذِّكْرِ الْحَكِيْمِ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِيْ وَ لَكُمْ وَ لِسَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَاسْتَغْفِرُوْهُ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمِ۔

عید الفطر کا دوسرا خطبہ:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ ۞ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ ۞ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ۞ وَنَشْھَدُ اَنْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ۞ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، اَرْسَلَہٗ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَۃِ، مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ رَشَدَ، وَمَنْ یَّعْصِہِمَا فَاِنَّہٗ لَا یَضُرُّ اِلاَّ نَفْسَہٗ وَلَا یَضُرُّ اللّٰہَ شَیْئًا ۞ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

أَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم ۞ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞ إِنَّ اللّٰہَ وَمَلَائِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۞ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ وَصَلِّ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۞ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْبَکْرٍ رضی اللہ عنہ، وَاَشَدُّھُمْ فِیْ اَمْرِ اللّٰہِ عُمَرُ رضی اللہ عنہ، وَاَصْدَقُھُمْ حَیَاءً عُثْمَانُ رضی اللہ عنہ، وَاَقْضَاھُمْ عَلِیٌّ رضی اللہ عنہ، وَفَاطِمَۃُ سَیِّدَۃُ نِسَاءِ أَھْلِ الْجَنَّۃِ رضی اللہ عنہا، وَالْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ أَھْلِ الْجَنَّۃِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا، وَحَمْزَۃُ اَسَدُ اللّٰہِ وَاَسَدُ رَسُوْلِہٖ ۞ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَوَلَدِہٖ مَغْفِرَۃً ظَاھِرَۃً وَّبَاطِنَۃً لَّا تُغَادِرُ ذَنْبًا، اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِیْ، فَمَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ، وَخَیْرُ اُمَّتِیْ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ۞ وَالسُّلْطَانُ (الْعَادِلُ) ظِلُّ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ مَنْ اَھَانَ سُلْطَانَ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ اَھَانَہُ اللّٰہُ ۞ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔ اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ۞ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ یَذْکُرْکُمْ وَادْعُوْہُ یَسْتَجِبْ لَکُمْ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ تَعَالٰی اَعْلٰی وَاَوْلٰی وَاَعَزُّ وَاَجَلُّ وَاَتَمُّ وَاَھَمُّ وَاَعْظَمُ وَاَکْبَرُ ۞

اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔

❊ ❊ ❊

عید الاضحیٰ کا پہلا خطبہ:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ مَنْسَکًا لِّیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلٰی مَا رَزَقَھُمْ مِّنْ بَھِیْمَۃِ الْاَنْعَامِ، وَعَلَّمَ التَّوْحِیْدَ وَاَمَرَ بِالْاِسْلَامِ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ۞

وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہُ الَّذِیْ ھَدَانَا اِلٰی دَارِ السَّلَامِ ۞ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ۞ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ قَامُوْا بِاِقَامَۃِ الْاَحْکَامِ وَبَذَلُوْا اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَالَھُمْ مِنْ کِرَامٍ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۞ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ۞

اَمَّا بَعْدُ! فَاعْلَمُوْا اَنَّ یَوْمَکُمْ ھٰذَا یَوْمُ عِیْدٍ شُرِعَ لَکُمْ فِیْہِ مَعَ اَعْمَالٍ اُخَرَ ذَبْحُ الْاُضْحِیَّۃِ بِالْاِخْلَاصِ وَصِدْقِ النِّیَّۃِ، وَبَیَّنَ نَبِیُّہٗ وَصَفِیُّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وُجُوْبَھَا وَفَضَائِلَھَا، وَدَوَّنَ عُلَمَآءُ اُمَّتِہٖ مِنْ سُنَنِہٖ فِیْ کُتُبِ الْفِقْہِ مَسَائِلَھَا ۞ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ۞

فَقَدْ قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مَا عَمِلَ آدَمِیٌّ مِنْ عَمَلٍ یَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ اِھْرَاقِ الدَّمِ، اِنَّھَا لَتَأْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِقُرُوْنِھَا وَاَشْعَارِھَا وَاَظْلَافِھَا، وَاِنَّ الدَّمَ لَیَقَعُ مِنَ اللّٰہِ بِمَکَانٍ قَبْلَ اَنْ یَقَعَ مِنَ الْاَرْضِ فَطِیْبُوْا بِھَا نَفْسًا اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ۞

وَقَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا ھٰذِہِ الْاَضَاحِیُّ؟ قَالَ سُنَّۃُ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ، قَالُوْا فَمَا لَنَا فِیْھَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ بِکُلِّ شَعْرَۃٍ حَسَنَۃٌ، قَالُوْا فَالصُّوْفُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ بِکُلِّ شَعْرَۃٍ مِنَ الصُّوْفِ حَسَنَۃٌ ۞ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ۞ وَقَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مَنْ وَّجَدَ سَعَۃً لِاَنْ یُّضَحِّیَ فَلَمْ یُضَحِّ فَلَا یَحْضُرْ مُصَلَّانَا ۞ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلاَّ

اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۞ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ اَلْاَضَاحِیُّ یَوْمَانِ بَعْدَ یَوْمِ الْاَضْحیٰ ۞ وَ هٰذَا بَعْضٌ مِّنَ الْفَضَائِلِ ، وَ تَعَلَّمُوْا مِنَ الْعُلَمَاءِ الْمَسَائِلَ ۞ اللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ۞ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ۞ لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰکِنْ یَّنَالُهُ التَّقْویٰ مِنْکُمْ کَذٰلِکَ سَخَّرَهَا لَکُمْ لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا هَدَاکُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِیْنَ ۞ بَارَکَ اللّٰہُ لَنَا وَ لَکُمْ فِی الْقُرْآنِ الْعَظِیْمِ وَ نَفَعَنَا وَ اِیَّاکُمْ بِالْآیَاتِ وَ الذِّکْرِ الْحَکِیْمِ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لِیْ وَ لَکُمْ وَ لِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ فَاسْتَغْفِرُوْہُ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ (خطباتِ جمعہ وعیدین: ۳۰، ۳۱، ۳۲)

عید الاضحیٰ کا دوسرا خطبہ:

اَللّٰہُ اَکْبَر ، اَللّٰہُ اَکْبَرْ ، اَللّٰہُ اَکْبَرْ ، اَللّٰہُ اَکْبَرْ ، اَللّٰہُ اَکْبَرْ ، اَللّٰہُ اَکْبَرْ ، اَللّٰہُ اَکْبَرْ ، اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ ۞ وَ نَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ۞ وَ نَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَ سَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَللّٰہُ اَکْبَرْ اَللّٰہُ اَکْبَرْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرْ، اَللّٰہُ اَکْبَرْ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاِنَّ اَصْدَقَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ ۞ وَ اَحْسَنَ الْھَدْیِ ھَدْیُ مُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ۞ وَ شَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا ۞ وَ کُلَّ مُحْدَثَۃٍ بِدْعَۃٌ وَ کُلَّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ وَ کُلَّ ضَلَالَۃٍ فِی النَّارِ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرْ اَللّٰہُ اَکْبَرْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرْ اَللّٰہُ اَکْبَرْ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ ۞

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞ اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۞ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ طِبِّ الْقُلُوْبِ وَ دَوَائِھَا وَ عَافِیَۃِ الْاَبْدَانِ وَ شِفَائِھَا وَ نُوْرِ الْاَبْصَارِ وَ ضِیَآئِھَا ۞ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۞

وَ ارْضَ اللّٰھُمَّ عَمَّنْ ھُوَ اَفْضَلُ الْبَشَرِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ بِالتَّحْقِیْقِ رَفِیْقُہٗ فِی الْغَارِ وَ اَنِیْسُہٗ اَبُوْ بَکْرِ الصِّدِّیْقُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ۞ وَ عَنِ النَّاطِقِ بِالصِّدْقِ وَ الصَّوَابِ الْفَارِقِ بَیْنَ الْحَقِّ وَ الْبَاطِلِ الْاَوَّاہِ الْاَوَّابِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ۞ وَ عَنْ کَامِلِ الْحَیَاءِ وَ الْاِیْمَانِ جَامِعِ اٰیَاتِ الْقُرْاٰنِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ۞ وَ عَنْ اِمَامِ الْمَشَارِقِ وَ الْمَغَارِبِ اَسَدِ اللّٰہِ الْغَالِبِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْھَہٗ ۞ وَ عَنِ السَّعِیْدَیْنِ الشَّھِیْدَیْنِ سَیِّدَیْ شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ الْحَسَنِ وَ الْحُسَیْنِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا ۞ وَ عَنْ اُمِّھِمَا الْبَتُوْلِ الزَّھْرَاءِ بِضْعَۃِ جَسَدِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ الْعَزِیْزَۃِ الْغَرَّآءِ سَیِّدَتِنَا فَاطِمَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا ۞ وَ عَنْ عَمَّیْہِ الْمُکَرَّمَیْنِ اَبِیْ عُمَارَۃَ سَیِّدِنَا حَمْزَۃَ وَ اَبِی الْفَضْلِ الْعَبَّاسِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا ۞ وَ عَنِ السِّتَّۃِ الْبَاقِیَۃِ مِنَ الْعَشَرَۃِ الْمُبَشَّرَۃِ الْکِرَامِ الْبَرَرَۃِ ۞ وَ عَنْ سَآئِرِ الصَّحَابَۃِ مِنَ الْمُھَاجِرِیْنَ وَ اَتْبَاعِھِمْ وَ تَابِعِیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ ۞ اَللّٰہُ اَکْبَرْ اَللّٰہُ اَکْبَرْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرْ اَللّٰہُ اَکْبَرْ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡ فِیۡ قُلُوۡبِنَا غِلاًّ لِّلَّذِیۡنَ آمَنُوۡا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَؤُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ۞ اَللّٰھُمَّ انۡصُرِ الۡاِسۡلَامَ وَالۡمُسۡلِمِیۡنَ ۞ رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ ھَدَیۡتَنَا وَھَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ رَحۡمَۃً اِنَّکَ اَنۡتَ الۡوَھَّابُ ۞

عِبَادَ اللّٰہِ! رَحِمَکُمُ اللّٰہُ ۞ اِنَّ اللّٰہَ یَأۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ وَاِیۡتَآءِ ذِی الۡقُرۡبٰی وَیَنۡھٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ وَالۡبَغۡیِ یَعِظُکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ ۞ اُذۡکُرُوا اللّٰہَ یَذۡکُرۡکُمۡ وَادۡعُوۡہُ یَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ وَلَذِکۡرُ اللّٰہِ تَعَالٰی اَعۡلٰی وَاَوۡلٰی وَاَعَزُّ وَاَجَلُّ وَاَتَمُّ وَاَھَمُّ وَاَکۡبَرُ ۞

اَللّٰہُ اَکۡبَرُ، اَللّٰہُ اَکۡبَرُ، اَللّٰہُ اَکۡبَرُ، اَللّٰہُ اَکۡبَرُ، اَللّٰہُ اَکۡبَرُ، اَللّٰہُ اَکۡبَرُ، اَللّٰہُ اَکۡبَرُ، اَللّٰہُ اَکۡبَرُ، اَللّٰہُ اَکۡبَرُ، اَللّٰہُ اَکۡبَرُ، اَللّٰہُ اَکۡبَرُ، اَللّٰہُ اَکۡبَرُ، اَللّٰہُ اَکۡبَرُ، اَللّٰہُ اَکۡبَرُ ۞ (خطبات جمعہ وعیدین: ۳۲، ۳۳، ۳۴)

❋ ❋ ❋

خطباتِ عیدین کے آغاز واختتام پر تکبیرات کی تحقیق:

خطبۂ عیدین میں تکبیرات زیادہ سے زیادہ کہنا چاہئے، کھڑے ہوتے ہی پہلے نو دفعہ "اللہ اکبر" کہہ کر خطبہ شروع کرنا چاہیے، اور دوسرے خطبہ کے شروع میں سات تکبیریں کہہ کر خطبہ شروع کرنا چاہیئے، اور اس کا اختتام ۱۴ تکبیروں سے کرنا چاہئے۔ یہ سنت ہے، لیکن اکثر لوگ اس سنت پر عمل نہیں کرتے ہیں، اس سنت کو زندہ کرنا چاہیئے۔ نیز اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ عید الفطر کے مقابلے میں عید الاضحیٰ میں تکبیرات زیادہ کہنا چاہئے۔ ان مسائل کے حوالے مندرجہ ذیل ہیں:

"قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: زَیِّنُوۡا اَعۡیَادَکُمۡ بِالتَّکۡبِیۡرِ" (المعجم الصغیر للطبرانی: ۵۹۹ و اعلاء السنن: ۹۶/۸)

"عَنۡ مَسۡرُوۡقٍ قَالَ: کَانَ عَبۡدُ اللّٰہِ یُکَبِّرُ فِي الۡعِیۡدَیۡنِ تِسۡعًا تِسۡعًا یَفۡتَتِحُ بِالتَّکۡبِیۡرِ وَیَخۡتِمُ بِہٖ" (سنن کبری بیہقی: ٦٢١٥)

عَنۡ عُبَیۡدِ اللّٰہِ بۡنِ عَبۡدِ اللّٰہِ بۡنِ عُتۡبَۃَ قَالَ: "اَلسُّنَّۃُ فِي التَّکۡبِیۡرِ یَوۡمَ الۡأَضۡحٰی وَالۡفِطۡرِ عَلَی الۡمِنۡبَرِ قَبۡلَ الۡخُطۡبَۃِ اَنۡ یَّبۡتَدِئَ الۡاِمَامُ قَبۡلَ الۡخُطۡبَۃِ وَھُوَ قَائِمٌ عَلَی الۡمِنۡبَرِ بِتِسۡعِ تَکۡبِیۡرَاتٍ تَتۡرٰی لَا یَفۡصِلُ بَیۡنَھَا بِکَلَامٍ، ثُمَّ یَخۡطُبُ، ثُمَّ یَجۡلِسُ جِلۡسَۃً، ثُمَّ یَقُوۡمُ فِي الۡخُطۡبَۃِ الثَّانِیَۃِ فَیَفۡتَتِحُھَا بِسَبۡعِ تَکۡبِیۡرَاتٍ تَتۡرٰی لَا یَفۡصِلُ بَیۡنَھَا بِکَلَامٍ، ثُمَّ یَخۡطُبُ"

واضح رہے کہ یہ روایت مرسل ہے، اور عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے مروی ہے، جو ایک تابعی، محدث اور فقیہ ہیں، مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ میں سے ہیں، امام زہری اور حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں، (تکملہ فتح

الملھم: کتاب النذر، ۱۲۹) اور مرسل روایت جب ثقہ راوی سے مروی ہو تو احناف کے نزدیک حجت ہے۔ بالخصوص جب کہ راوی من السنۃ وغیرہ جیسے الفاظ سے نقل کرے۔

"وإذاقيل عندالتابعي يرفعه أو سائر الألفاظ المذكورة فمرفوع مرسل "(تدریب الراوی للسیوطی: ۱/۱۹۲)

قلت و سائر الالفاظ المذکورة مثل قوله من السنة كذا، وامرنا بكذا، او نهينا عن كذا، او امر فلان بكذا او نحوه، ويدخل فيه ايضا مالا يقال من قبل الرأى، لا مجال للاجتهاد فيه، فيحمل على السماع، فاذا جاء عن الصحابى فهو فى حكم المرفوع المتصل، واذا جاء عن التابعى فمرفوع مرسل، اى مرفوع معنى ومرفوع لفظا۔ (اعلاء السنن: ۶/۴)

"اَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ قَالَ: اَخْبَرَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنِي اِسْمَاعِيْلُ بْنُ اُمَيَّةَ، اَنَّهٗ سَمِعَ اَنَّ التَّكْبِيْرَ فِي الْاُوْلٰى مِنَ الْخُطْبَتَيْنِ بِتِسْعٍ، وَفِي الْآخِرَةِ بِسَبْعٍ "(معرفۃ السنن والآثار للبیہقی: ۵/۸۸، وسنن بیہقی: ۶۲۱۶)

وَيَبْدَأُ بِالتَّكْبِيْرَاتِ فِيْ خُطْبَةِ الْعِيْدَيْنِ وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَّسْتَفْتِحَ الْأُوْلٰى بِتِسْعِ تَكْبِيْرَاتٍ تَتْرٰى وَالثَّانِيَةَ بِسَبْعٍ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ: هُوَ مِنَ السُّنَّةِ وَيُكَبِّرُ قَبْلَ اَنْ يَّنْزِلَ مِنَ الْمِنْبَرِ أَرْبَعَ عَشْرَةَ۔ (البحر الرائق: ۲/۲۸۲ و الدر المختار: ۲/۱۲۰)

وَيُكَبِّرُ فِی عِيْدِ الْاَضْحٰى اَكْثَرَ مِمَّا فِی خُطْبَةِ الْفِطْرِ۔ (مراقی الفلاح: باب احکام العیدین، ۲۱۶)

❋ ❋ ❋

تکبیرات کے درمیان تہلیل و تحمید مستحب ہے:

ایک بات یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ تکبیرات کے درمیان تحمید اور تہلیل کا ذکر مستحسن ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب الأم" میں اس کو ذکر کیا ہے، چونکہ یہاں تکبیرات تشریق کہی جاتی ہیں، اور اس میں چار مرتبہ اللہ اکبر کا کلمہ موجود ہے، اس لئے اگر پہلے خطبہ کے شروع میں دو مرتبہ تکبیر تشریق پڑھ کر ایک مرتبہ مزید اللہ اکبر کہہ دیا جائے اور دوسرے خطبہ کے شروع میں ایک مرتبہ تکبیر تشریق پڑھ کر تین مرتبہ مزید اللہ اکبر کا کلمہ پڑھا جائے اور دوسرے خطبہ کے اختتام پر تین مرتبہ تکبیر تشریق پڑھ کر دو مرتبہ مزید اللہ اکبر کہہ دیا جائے تو آسانی کے ساتھ اس مستحسن طریقے پر عمل ہو جائے گا۔ چنانچہ کتاب الام میں ہے:

فَإِنْ أَدْخَلَ بَيْنَ التَّكْبِيْرَتَيْنِ الْحَمْدَ وَالتَّهْلِيْلَ كَانَ حَسَنًا وَلَا يُنْقِصُ مِنْ عَدَدِ التَّكْبِيْرِ شَيْئًا۔ (کتاب الام: ۱/۲۳۹)

❋ ❋ ❋

خطبہ نکاح:

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ خطبہ منقول ہے:

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ نَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ ۞ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، اَرْسَلَہٗ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَۃِ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ رَشَدَ، وَمَنْ یَّعْصِہِمَا فَاِنَّہٗ لَا یَضُرُّ اِلَّا نَفْسَہٗ وَلَا یَضُرُّ اللّٰہَ شَیْئًا ۞

یَا أَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَاءً وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَاءَلُوْنَ بِہٖ وَالْأَرْحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا ۞ (النساء:۱)

یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَأَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۞ (آل عمران:۱۰۲)

یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا۔ یُّصْلِحْ لَکُمْ أَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ۞ (الاحزاب:۷۰و۷۱)

(سنن ابی داود: کتاب النکاح، ۲۱۲۰و۲۱۲۱، وسنن دارمی: کتاب النکاح: ۲۲۵۷، والجامع الصحیح للسنن والمسانید: النکاح، ۳۵/۶۱، وابن ماجہ: ۱۸۹۲)

خطبہ استسقاء:

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ قَالَ فِیْ کِتٰبِہٖ وَھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًا ۢ بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِہٖ، وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَھُوْرًا ۙ لِنُحْیِیَ بِہٖ بَلْدَۃً مَّیْتًا وَّ نُسْقِیَہٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّ اَنَاسِیَّ کَثِیْرًا ۞ (الفرقان: ۴۸و۴۹) واَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، اَلَّذِیْ کَانَ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْھِہٖ، صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ وَصَلُوْا مِنَ الدِّیْنِ اِلٰی کُنْھِہٖ، وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۞ اَمَّا بَعْدُ فَیَآ اَیُّھَا الْمُسْلِمُوْنَ اِنَّکُمْ شَکَوْتُمْ جَدْبَ دِیَارِکُمْ وَاسْتِیْخَارَ الْمَطَرِ عَنْ اِبَّانِ زَمَانِہٖ عَنْکُمْ وَقَدْ اَمَرَکُمُ اللّٰہُ اَنْ تَدْعُوْہُ وَوَعَدَکُمْ اَنْ یَّسْتَجِیْبَ لَکُمْ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ـ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ـ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ـ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ ـ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ الْغَنِیُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَآءُ اَنْزِلْ عَلَیْنَا الْغَیْثَ وَاجْعَلْ مَآ اَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّۃً وَّبَلَاغًا اِلٰی حِیْنٍ ۞ (سنن ابی داود: باب الاستسقاء: ۱۱۷۵) اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا غَیْثًا مَّرِیْٓئًا، مُّرِیْعًا طَبَقًا، عَاجِلًا غَیْرَ رَائِثٍ، نَافِعًا غَیْرَ ضَآرٍّ ۞ (سنن ابن ماجة: باب ما جاء في الدعاء في الاستسقاء، ۱۲۶۹) اَللّٰھُمَّ اسْقِ عِبَادَکَ وَبَھَائِمَکَ وَانْشُرْ رَّحْمَتَکَ وَاَحْیِیْ بَلَدَکَ الْمَیِّتَ ۞ (سنن ابی داود: باب الاستسقاء، ۱۱۷۶) اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا غَیْثًا مُّغِیْثًا ھَنِیْٓئًا مَرِیْٓئًا مَّرِیْعًا غَدَقًا مُّجَلِّلًا عَامًّا طَبَقًا سَحَّادَآئِمًا، اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا الْغَیْثَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْقَانِطِیْنَ، اَللّٰھُمَّ اِنَّ بِالْعِبَادِ وَالْبِلَادِ وَالْبَھَآئِمِ وَالْخَلْقِ مِنَ اللَّاْوَآءِ وَالْجَھْدِ الضَّنْکِ مَالَا نَشْکُوْہُ اِلَّآ اِلَیْکَ، اَللّٰھُمَّ اَنْبِتْ لَنَا الزَّرْعَ وَاَدِرَّ لَنَا الضَّرْعَ وَاسْقِنَا مِنْ بَرَکَاتِ السَّمَآءِ وَاَنْبِتْ لَنَا مِنْ بَرَکَاتِ الْاَرْضِ اَللّٰھُمَّ ارْفَعْ عَنَّا الْجُھْدَ وَالْجُوْعَ وَالْعُرْیَ وَاکْشِفْ عَنَّا مِنَ الْبَلَآءِ مَالَا یَکْشِفُہٗ غَیْرُکَ، اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَغْفِرُکَ اِنَّکَ کُنْتَ غَفَّارًا فَاَرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْنَا مِدْرَارًا ۞ (معرفة السنن للبيهقى: باب الدعاء فى الاستسقاء، ۲۰۱۵) اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، وَھُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَہٗ، وَھُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ ۞ (ماخوذ از: خطبات الاحکام لجمعات العام: ۳۶و۳۷)

ادارہ کی دیگر مطبوعات

زیرِ طبع افادات

موضوعاتی درس قرآن

سورۃ طٰہٰ

سورۃ یٰس

سورۃ انبیاء

خطبات جمعہ

مجالسِ تصوف